وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا

اور اگر ان لوگوں نے جس وقت اپنا برا کیا تھا، آتے تیرے پاس پھر اللہ سے بخشواتے اور رسول ان کو بخشواتا تو اللہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان

(النساء ۔ پ۵)

زیارت خیر الانام

ترجمہ

شفاء السقام

از

مولانا قاضی سجاد حسین صاحب

سابق صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی

ناشر

شاہ ابوالخیر اکاڈمی ۔ شاہ ابوالخیر مارگ دہلی

خلیق ۹

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا

اور اگر ان لوگوں نے جس وقت اپنا برا کیا تھا، آتے تیرے پاس پھر اللہ سے بخشواتے اور رسول ان کو بخشواتا تو اللہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان

(النساء۔ پ۵)

زیارتِ خیر الانام

ترجمہ

شِفاءُ السّقام

از

مولانا قاضی سجّاد حسین صاحب

سابق صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی

ناشر

شاہ ابوالخیر اکاڈمی۔ شاہ ابوالخیر مارگ دہلی ۶

خلیق ۵۹

کتاب کا نام: زیارت خیر الانام

صفحات: ایک سو چھہتّر (۱۷۶)

مصنف: علّامہ ابوالحسن علی تقی الدین سُبکی شافعی

مترجم: قاضی سجاد حسین

تعداد: ایک ہزار (۱۰۰۰)

مہتمم: ابوالنصر انس فاروقی

معاون: محمد ادریس قریشی ۔ ۲۴۰۰-۲ ۔ کوچہ میر ہاشم، شاہ ابوالخیر مارگ، دہلی

طابع و ناشر: حضرت شاہ ابوالخیر اکاڈمی، شاہ ابوالخیر مارگ، دہلی ۶

کتابت: منظور الدین ۔ ۴۶۵ ۔ محلہ مٹیا محل، دہلی

قیمت: ~~بارہ روپے (۱۲/-)~~

مطبع: جے۔آر۔آفسیٹ پرنٹرس، سوئیوالان، نئی دہلی ۲

فہرست

کتاب زیارتِ خیر الانام

مقدمہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّ الْحَمْدِ عَلَی الدَّوَامِ وَھُوَ الْوَاحِدُ الْعَلَّامُ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ وَالْبَرَکَۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَحَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَاَوْلِیَاءِ اُمَّتِہٖ عَلَی التَّوَالِیْ وَالْاِنْسِجَامِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامِ۔

بندۂ عاجز خاکپائے علماءِ اَعلام و اولیاء ذوی الاحترام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَاَفَاضَ عَلَیْنَا مِنْ عُلُوْمِھِمْ وَاَسْرَارِھِمْ عرض کرتا ہے کہ چند سال سے عاجز سُن رہا ہے کہ حجازِ مقدس میں حج کے موقع پر دنیا کی مختلف زبانوں میں رسالے تقسیم کئے جاتے ہیں کہ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے روضۂ مطہّرہ کی زیارت کی نیت سے مدینہ منوّرہ کو جانا جائز نہیں ہے۔

یہ غلط بات سب سے پہلے علّامہ ابن تیمیہ حرّانی حنبلی نے کہی تھی۔ آپ کی ولادت دس ماہ ربیع الاوّل سنہ ۶۶۱ھ میں اور وفات بیس ذی القعدہ سنہ ۷۲۸ھ میں ہوئی ہے۔ پھر محمد بن عبد الوہاب نجدی (ولادت سنہ ۱۱۱۱ھ وفات سنہ ۱۲۰۶ء) نے بہ زورِ شمشیر اس باطل مسلک کو نجد اور ملحقاتِ نجد میں پھیلایا اور اُن کے ماننے والوں کے لئے اب اِس کی تبلیغ ایمان کا جزبن کر رہ گئی ہے۔ اِس کیفیت کو دیکھتے ہوئے عاجز کی تمنا ہوئی کہ کوئی عمدہ اور مستند رسالہ اردو میں چھپے تاکہ برادرانِ اسلام اِس گمراہی سے محفوظ رہیں۔

اتفّاق سے ایک دن علّامہ مولانا سید احمد رضا بجنوری مؤلف انوار الباری شرح صحیح البخاری نے علّامہ ابو الحسن علی تقی الدین سُبکی شافعی کی تالیف "شِفَاءُ السَّقَامِ فِیْ زِیَارَۃِ خَیْرِ الْاَنَامِ" کا ذکر کیا کہ یہ ایک نہایت مستند رسالہ ہے۔ علّامہ سُبکی نے بہ درجہ اتم علّامہ ابن تیمیہ کی لغزش کا رد کیا ہے۔ یہ رسالہ از اول تا آخر علمی نکات سے مالا مال ہے اور علّامۂ موصوف نے یہ بھی ذکر کیا کہ میں نے علّامہ سُبکی کا رسالہ جناب محترم سابق صدر مدرس مدرسہ فتحپوری و شیخ الحدیث مولانا قاضی سجاد حسین صاحب مَتَّعَ اللّٰہُ الْمُسْلِمِیْن

بطولِ حیاتہٖ کو دیا ہے کہ وہ اس کا اردو ترجمہ کر دیں۔

یہ خبر سن کر عاجز کی تمنا کی کلی جو مرجھا چلی تھی، کھِلی اور عاجز نے اُن سے کہا "عَلَى الْخَبِيرِ سَقَطْتَ" جنابِ من آپ نہایت درست جگہ پہنچے ہیں۔ اور عاجز جناب قاضی صاحب کے پاس گیا اور اُن سے کہا۔ بِحَوْلِ اللهِ وَقُوَّتِهٖ آپ اِس کام کو سر انجام دیں اور پھر ترجمہ اِس عاجز کے حوالہ کریں تاکہ یہ مبارک رسالہ ذُخْراً لِلْآخِرَہ، حضرت شاہ ابوالخیر اکاڈمی سے یہ عاجز طبع کرائے اور یہ بھی آپ سے کہا کہ آپ اِس مبارک ترجمہ کا نام، اصل نام کا نصف آخر "زِيَارَةُ خَيْرِ الْأَنَامِ" رکھیں اور اس سلسلہ میں یہ دو شعر اُن کو سُنائے جو اُس وقت نظم ہوئے تھے۔

فَطُوبٰى لِمَنْ زَارَ خَيْرَ الْأَنَامِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

خوشخبری ہے اُس کیلئے جس نے خیر الانام کی زیارت کی، اُن پر درود ہے اُن پر سلام ہے

لَقَدْ طَابَ شَدُّ الرِّحَالِ لَنَا كَمَا أَخْبَرَتْنَا شِفَاءُ السَّقَامِ

ہمارے لئے سفر کرنا مبارک ہے، جیسا کہ ہمیں شفاءُ السقام نے بتایا ہے۔

علامہ ابوالحسن علی تقی الدین سُبکی کی ولادت "سُبْكُ الْعَبِيد" گانوں میں یکم صفر ۶۸۳ھ میں ہوئی ہے یہ گانوں مصر میں "سُبْكُ الضَّحَّاك" کے قریب واقع ہے، لہٰذا آپ سُبکی کے لقب سے مشہور ہوئے اور آپ کی وفات تہتر ۷۳ سال کی عمر میں شب دوشنبہ تین ۳ جمادی الآخرہ ۷۵۶ھ میں باب النصر واقع القاہرہ، مصر میں ہوئی اور وہاں مدفون ہوئے۔ آپ کے فرزند علامہ اجل ابونصر عبدالوہاب تاج الدین نے اپنی قیّم تالیف "طَبَقَاتُ الشَّافِعِيَّةِ الْكُبْرٰى" کی چھٹی جلد کے صفحہ ۱۴۶ سے صفحہ ۲۲۷ تک اپنے والد محترم کے احوال تفصیل سے لکھے ہیں۔ انھوں نے نام بہ نام آپ کی تالیفات کا بھی ذکر کیا ہے۔ ابن عماد حنبلی نے اپنی تالیف "شَذَرَاتُ الذَّهَبِ" میں آپ کی تالیفات کی تعداد ایک سو پچاس لکھی ہے۔ ان میں مطوّلات بھی ہیں اور مختصرات بھی ہیں اور لکھا ہے کہ آپ نے مختصرات میں اُن باتوں کا ذکر کیا ہے جو دوسری کتابوں میں نہیں ہیں۔

آپ کا دَور جلیل القدر ائمۂ اَعلام کا زرّیں دَور تھا اور علامہ ابونصر نے اپنے والد ماجد کے متعلق لکھا ہے۔

آپ نے ایسے جلیل القدر علماءِ کرام سے علوم و فنون حاصل کئے ہیں جو اپنے فن میں یکتائے روزگار تھے۔ امام شافعی کی فقہ، شافعیِ زماں نجم الدین ابن رفعہ سے، معقولات امام النظّار علاء الدین الباجی سے، منطق اور خلاف شرف الدین بغدادی سے، تفسیر شیخ علم الدین عراقی سے، قراآت شیخ تقی الدین ابن الصائغ سے، فرائض شیخ عبداللہ الغمارِی سے جو مالکی تھے اور حدیث حافظ شرف الدین دمیاطی اور حافظ سعد الدین حارثی سے، نحو شیخ ابوحیّان سے اور تصوّف اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے حاصل کیا ہے، جن میں سے پچیس کاملوں کے نام لکھے ہیں۔ اِن پچیس کاملوں میں سے اللہ کی ایک نیک بندی شہدہ دختر ابن العدیم بھی ہیں۔ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْن۔

علاّمہ ابونصر نے اپنے والد محترم کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اپنے وقت کے شیخ الاسلام تھے۔ اور لکھا ہے کہ وہ بردبار اور ٹھنڈے دل و دماغ کے فرد تھے۔ علماءِ کرام آپ کا ادب کرتے تھے۔ آپ نے مسئلہ طلاق میں ابن تیمیہ کا رَد لکھا، وہ ابن تیمیّہ کی نظر سے گزرا، ابن تیمیّہ نے آپ کے رَد کا رَد لکھا ہے اور ابن تیمیّہ نے آپ کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ سُبکی اپنے اقران میں ممتاز ہیں۔

ابن تیمیّہ کا مذہب حنبلی تھا۔ اُن کی جلالتِ قدر مسلّم تھی۔ اُن کی طبیعت میں آزادی اور حدّت تھی۔ اُنھوں نے ایسے مسائل کو اختیار کیا تھا کہ بلند پایہ علماء اُن کے مخالف ہو گئے، اُن کے اختلافی مسائل چار درجات کے ہیں۔

پہلا درجہ اُن مسائل کا ہے کہ ابن تیمیّہ نے اپنے امام احمد بن حنبل کے مشہور قول کو چھوڑا ہے اور غیر مشہور قول کو لیا ہے۔ ایسے چھبیس ۲۶ مسائل ہیں۔

دوسرا درجہ اُن مسائل کا ہے جن میں ابن تیمیّہ نے اپنے امام کی تقلید چھوڑی ہے اور باقی تین اماموں میں سے کسی امام کے قول کو اختیار کیا ہے اور ایسے سولہ ۱۶ مسائل ہیں۔

تیسرا درجہ اُن مسائل کا ہے جن میں چاروں اماموں کے مذہب کو چھوڑا ہے اور ایسے سترہ ۱۷ مسائل ہیں۔

چوتھا درجہ اُن مسائل کا ہے جن میں اُنھوں نے جمہور کے مسلک کو چھوڑا ہے۔ اُنھوں

نے امّت کے اجماع کی قدر نہیں کی ہے اور ایسے اُنتالیس[۳۹] مسائل ہیں۔

تیسرے اور چوتھے درجہ کے مسائل (۱۷+۳۹ = ۵۶ مسائل) کی وجہ سے علماءِ اُمّت آپ کے مسلک سے بیزار ہوئے ہیں۔ یہ چھپّن مسائل ارشادِ نبوی "عَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ" بڑی جماعت کا اتباع کرو۔ اور اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ" بڑی جماعت کی پیروی اپنے اوپر لازم کرو جو تنہا رہا تنہا جہنّم میں گیا۔ کی وعید میں آرہے ہیں۔ اِن مسائل میں چاروں مذاہب کے علماء آپ کے اختیار کردہ مسائل سے بیزار ہیں۔ علاّمہ ابن حجر عسقلانی شافعی نے فتح الباری شرح صحیح بخاری کی تیسری جلد صفحہ تریپّن (چوّن) میں مسلک ابن تیمیّہ کا خوب رد کیا ہے اور علاّمہ عینی حنفی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کی تیسری جلد صفحہ چھ سو بیاسی[۶۸۲] میں اور علامہ ابن الہُمَام حنفی نے فتح القدیر شرح ہدایہ کی دوسری جلد صفحہ تین سو چھتیس[۳۳۶] میں ابن تیمیہ کا علمی رَد کیا ہے۔ یہ علماءِ کرام اور اَن گنت دوسرے گرامی قدر علماءِ اعلام ساڑھے سات سو سال سے اُمّتِ محمدیہ علٰی صاحبہا الصَّلٰوۃُ وَالتَّحِیَّۃُ کو آگاہ کر رہے ہیں کہ ابنِ تیمیّہ کے اَبْشَعُ الْاَقْوَالُ (بدترین اقوال) سے اپنے کو بچاؤ۔

ابنِ تیمیہ کے بدترین اقوال میں سے بدتر قول یہ ہے کہ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے روضۂ مطہّرہ کی زیارت کے لئے سفر کرنا ناجائز ہے اور یہ سفر معصیت ہے لہٰذا نماز کی قصر نہ ہوگی۔ بلند پایہ اور اصحاب مراتب علماءِ اخیار نے پہلے ہی دن سے اس اَبشع (خراب) قول کے رَد میں رسالے لکھے ہیں۔ قاضی اخنائی مالکی نے سلطان ناصر کو مصر درخواست ارسال کی کہ ابن تیمیّہ کو اِس بے ادبی کی وجہ سے قتل کرادیا جائے اور اِس محضر نامہ پر علماء کی ایک جماعت کے دستخط تھے۔ سلطان ناصر نے ابن تیمیہ کو قلعۂ دمشق میں نظر بند کر دیا اور جمعہ دس شعبان ۷۲۶ھ کو دمشق کی جامع مسجد میں شاہی اعلان سُنایا گیا کہ ابن تیمیّہ کو انبیاء کی قبروں کی زیارت سے منع کرنے پر قید کی سزا دی جاتی ہے۔ آئندہ سے وہ کوئی فتوے نہیں دے سکتے۔[۱]

اللہ تعالیٰ اجرِ کثیر امام سبکی کو دے کہ انھوں نے اُن دنوں یہ مُبارک رسالہ ...

---

[۱] ملاحظہ کریں کتاب "امام ابن تیمیّہ" از مولانا محمد یوسف کوکنی۔ صفحہ ۵۶۴، ۵۶۵

" شِفَاءُ السَّقَامِ فِيْ زِيَارَةِ خَيْرِ الْأَنَامِ " (مرض سے شفایابی حضرت خیر الأنام کی زیارت کے سلسلہ میں) علامہ ابن تیمیہ کی حیات میں لکھا۔ آپ نے اپنے رسالہ کی ابتداء اُن مُبارک روایتوں سے کی ہے جن میں آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنی اُمّت کو روضۂ مبارکہ کی زیارت کا شوق دلایا ہے کہ وہ آپ کی بارگاہ پہنچ کر اپنی خطاؤں سے توبہ واستغفار کریں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کریں۔ علاّمہ سُبکی نے ہر روایت کے متعلق ائمہ اعلام کے اقوال مستند کتابوں سے لکھ دیئے ہیں اور بیان کر دیا ہے کہ یہ روایتیں کس درجہ اور مرتبہ کی ہیں۔ علاّمہ سُبکی نے درج ذیل امور کا بیان خوب تحقیق سے کیا ہے۔

زیارت کی فضیلت، زائرین کے سلام کا آنحضور کو علم ہونا، زیارت کے لئے سفر کرنا، ائمۂ کرام کا فرمانا کہ آنحضرت کی زیارت کے لئے سفر کرنا تمام مسلمانوں کا معمول رہا ہے، زیارت ایک قُربت اور حسنہ ہے، زیارت کے لئے سفر کرنا قُربت ہے، حدیث لاتشدوا الرحال کا بیان، ابن تیمیہ کی ایک دستی تحریر، توسّل اور استغاثہ، انبیاء علیہم السلام کی حیات، شہداء کی حیات، عام مسلمین کی حیات، اموات سے معاملہ، سماع کی تحقیق، شفاعت کا بیان، مقامِ محمود کا بیان، ماثورہ درود شریف۔

عاجز کا خیال ہے کہ جو بھی انصاف کی نظر سے اس رسالہ کو پڑھے گا وہ یقیناً آپ کے واسطے دُعا کرے گا۔ رَحِمَہُ اللہُ وَحَشَرَہٗ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ۔

علامہ سُبکی کا یہ رسالہ اپنے موضوع میں کامل بلکہ اکمل ہے۔ مع ہٰذا خیال آیا کہ مکّہ مکرّمہ، مسجدِ حرام بیت اللہ اور مدینہ منوّرہ، مسجدِ نبوی اور روضۂ مقدّسہ کی فضیلت کا بیان بہتر بلکہ مصداقِ نُورٌ علٰی نور رہے گا۔ لہٰذا علماءِ اعلام کی کتابوں سے مختصر طور پر کچھ لکھا جاتا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی نے "اَلْخَصَائِصُ الْكُبْرٰى" کی دوسری جلد کے صفحہ دو سو تین[۲۰۳] میں لکھا ہے۔

بَابُ اِخْتِصَاصِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَفْضِيْلِ بَلَدَيْهِ عَلٰى سَائِرِ الْبِلَادِ وَ بِاَنَّ الدَّجَّالَ وَالطَّاعُوْنَ لَايَدْخُلُهُمَا وَبِفَضْلِ مَسْجِدِهٖ عَلٰى سَائِرِ الْمَسَاجِدِ

وَبِاَنَّ الْبُقْعَةَ الَّتِیْ دُفِنَ فِیْهَا اَفْضَلُ مِنَ الْكَعْبَةِ وَالْعَرْشِ۔

یہ باب اِس بیان میں ہے کہ آنحضور کے دونوں شہر (مکہ مکرمہ، مدینہ منوّرہ) تمام شہروں سے افضل ہیں، دجّال اور طاعون ان دونوں شہروں میں داخل نہ ہوگا اور آپ کی مبارک مسجد تمام مساجد سے افضل ہے اور زمین کا وہ حصّہ جہاں آپ مدفون ہیں کعبہ اور عرش سے افضل ہے۔

اَخْرَجَ اَحْمَدُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَیْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةٌ فِیْ مَسْجِدِیْ هٰذَا اَفْضَلُ مِنْ اَلْفِ صَلَاةٍ فِیْ غَیْرِهٖ مِنَ الْمَسَاجِدِ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَصَلَاةٌ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَفْضَلُ مِنَ الصَّلَاةِ فِیْ مَسْجِدِیْ هٰذَا بِمِائَةِ صَلَاةٍ۔

امام احمد نے عبداللہ بن زبیر کی روایت لکھی ہے کہ رسُولُ اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے بجز مسجد حرام کی نماز کے کہ وہاں کی نماز میری مسجد کی ایک سو نماز سے افضل ہے۔

یعنی مسجدِ نبوی میں نماز کا دوسری مساجد کی نمازوں کے اعتبار سے ہزار گُنا ثواب ہے اور مسجدِ حرام میں ایک لاکھ گنا ثواب ہے۔

وَاَخْرَجَ التِّرْمِذِیُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِیٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِمَكَّةَ وَاللّٰهِ اِنَّكِ لَخَیْرُ اَرْضِ اللّٰهِ وَاَحَبُّ اَرْضِ اللّٰهِ اِلَى اللّٰهِ۔

اور ترمذی نے عبداللہ بن عدی سے روایت کی ہے کہ رسُولُ اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مکّہ کو خطاب کر کے فرمایا۔ خدا کی قسم ہے کہ تیری زمین اللہ کی بہترین زمین اور اللہ کی پسند کردہ زمین ہے۔

وَاَخْرَجَ الْحَاكِمُ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اَخْرَجْتَنِیْ مِنْ اَحَبِّ الْبِقَاعِ اِلَیَّ فَاَسْكِنِّیْ فِیْ اَحَبِّ الْبِقَاعِ اِلَیْكَ۔

حاکم نے ابوہریرہ کی روایت لکھی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے اللہ تُو نے مجھ کو میری پسندیدہ زمین سے نکالا ہے، اَب تو اپنی پسندیدہ زمین میں مجھ کو آباد کر۔

وَاَخْرَجَ اَحْمَدُ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَةُ وَمَكَّةُ مَحْفُوْفَتَانِ بِالْمَلَائِكَةِ عَلٰى كُلِّ نَقْبٍ مِنْهَا مَلَكٌ لَا یَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلَا

الدَّجَّالُ۔

احمد نے ابوہریرہ کی روایت لکھی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا۔ مدینہ اور مکہ کو فرشتوں نے گھیر رکھا ہے۔ اُن کے ہر راستہ پر فرشتہ ہے۔ طاعون اور دجّال اُن میں نہیں گھس سکتا۔

قَالَ الْعُلَمَاءُ مَحَلُّ الْخِلَافِ فِی التَّفْضِیْلِ بَیْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِیْنَةِ فِیْ غَیْرِ قَبْرِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، اَمَّا هُوَ فَاَفْضَلُ الْبِقَاعِ بِالْاِجْمَاعِ بَلْ وَاَفْضَلُ مِنَ الْكَعْبَةِ بَلْ ذَكَرَ ابْنُ عَقِیْلِ الْحَنْبَلِیُّ اَنَّهٗ اَفْضَلُ مِنَ الْعَرْشِ۔

علماء نے فرمایا ہے کہ مکہ اور مدینہ کی تفضیل کے سلسلہ میں جو اختلاف ہوا ہے اس سے آنحضرت کے مدفن کا قطعہ خارج ہے کیونکہ یہ مبارک بُقعہ تمام بقعات سے بہ اتفاق علماء افضل ہے بلکہ وہ کعبہ سے بلکہ جیسا کہ ابن عقیل حنبلی نے کہا ہے عرش سے بھی افضل ہے۔

عاجز کہتا ہے علماءِ اُمّت کا اجماع ہے کہ روضۂ مبارکہ کعبۂ معظمّہ اور عرشِ اعظم سے افضل ہے۔ افسوس ہے کہ ابنِ تیمیہ روضۂ مقدّسہ کے لئے سفر کرنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی نے مدارج النبوّۃ جلد دوم صفحہ پانچسو اٹھتّر سطر چودہ میں لکھا ہے۔

"امام تاج الدین سُبکی رحمۃ اللہ علیہ گفتہ است، کدام جنّت است کہ بر حجرۂ شریف آں را فضل نہند، قبرِ شریف افضل است از تمامہٖ اماکن، چہ بہشت وچہ جزِ آن وگفتہ است اگر آں را بر عرشِ عظیم فضل نہند، نمی دانم ہیچ مومنِ صادق را کہ توقّف کند دراں کہ ہمہ طفیل شریفِ اوست۔"

امام تاج الدین سُبکی (فرزند امام تقی الدین سُبکی) نے کہا ہے۔ وہ کونسی جنّت ہے کہ اُس کو حجرۂ مبارکہ پر فضیلت دی جائے۔ قبر شریف افضل ہے تمام اماکن سے کیا جنّت اور کیا اُس کے سوا، اور امام تاج الدین نے کہا ہے اگر ہم اُس کو عرشِ عظیم پر فضیلت دیں تو ہم کسی سچّے مومن کو ایسا نہیں پاتے کہ وہ اِس بات میں توقّف کرے کیونکہ یہ سب آنحضرت ہی کا طفیل ہے۔

عاجز کہتا ہے کہ تاج الدین سُبکی کے کلام میں اِس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ مخلوقات میں سب سے پہلے نُورِ محمدّی کا ظہور ہوا پھر اُس سے عرش، کرسی، لوح، قلم، آفتاب، ماہتاب،

اور تمام عالم ظہور میں آیا، یہ سب اللہ تعالےٰ کی تجلیّات کے مظاہر ہیں۔ جس دن سے ابنِ تیمیہؒ نے اجماعِ اُمّت کی ناقدری کی ہے، علماءِ اعلام اور اولیاءِ کرام کی نظروں میں ابنِ تیمیہؒ کی قدر گر گئی۔ یہ حضرات رُوئے زمین پر اللہ کے گواہ ہیں۔

مکہ مکرّمہ اور مدینہ منوّرہ کی افضلیت اور روضۂ مقدسہ کی افضلیت از بیت اللہ اور عرشِ اعظم کے متعلق اگر کوئی تفصیل کا طالب ہو وہ سید شریف نور الدین علی سمہُودی ساکن مدینہ طیبہ کی کتاب "وَفَاءُ الْوَفَاءِ بِاَخْبَارِ دَارِ الْمُصْطَفیٰ" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا مطالعہ کرے۔

مدینہ منوّرہ کی افضلیت کے قائل امیر المومنین حضرتِ عمر اور آپ کے بڑے صاحبزادے حضرتِ عبد اللہ رضی اللہ عنہما ہیں اور حضرتِ امامِ مالک کا یہی قول ہے۔ وفاء الوفاء کی پہلی جلد صفحہ انیس[۱۹] میں اِس کا ذکر ہے اور صفحہ پچیس[۲۵] میں لکھا ہے کہ امامِ مالک نے مُوطّا میں روایت کی ہے کہ حضرتِ عمر نے عبد اللہ بن عیّاش مخزومی سے کہا۔ تم یہ کہتے ہو "لَمَکَّۃُ خَیْرٌ مِّنَ الْمَدِیْنَۃِ" البتہ مکہ بہتر ہے مدینہ سے۔ عبد اللہ مخزومی نے کہا۔ "هِیَ حَرَمُ اللّٰہِ وَاَمْنُہٗ وَفِیْھَا بَیْتُہٗ" یہ اللہ کا حرم اور اُس کی امان ہے اور اِسی میں اللہ کا گھر ہے۔ حضرتِ عمر نے فرمایا۔ "لَا اَقُوْلُ فِیْ حَرَمِ اللّٰہِ وَلَا فِیْ بَیْتِ اللّٰہِ شَیْئًا" میں اللہ کے حرم میں اور اللہ کے گھر میں کچھ نہیں کہتا۔ اور حضرتِ عمر نے اپنا پہلا سوال دُہرایا اور عبد اللہ مخزومی نے اپنا پہلا جواب دُہرایا۔ حضرتِ عمر نے پھر اپنی بات دُہرائی اور عبد اللہ مخزومی چلے گئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ کسی نے اُن کو اشارہ کیا اور وہ چلے گئے۔

بعض افراد نے کہا ہے کہ مسجدِ حرام میں نماز پڑھنے کا اجر زیادہ ہے لہٰذا وہ مسجدِ نبوی سے افضل ہے۔ اِن افراد کی یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ سنن و نوافل کا گھر میں پڑھنا افضل ہے۔ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے۔ "لَا تَجْعَلُوا الْبُیُوْتَ قُبُوْرًا" اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ اور دیکھو حج کے دنوں میں عرفات اور مِنیٰ میں نماز پڑھنی افضل ہے حالانکہ مسجدِ حرام اُن سے افضل ہے۔ عرفات اور منیٰ میں افضلیت کی وجہ جناب رسولِ خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا اتباع ہے۔

عاجز نے حضرتِ مرزا مظہر جانِ جاناں کے شعر پر خمسہ کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

بندگی را شرطِ اوّل راستیِ نیّت است　　اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ قولِ حضرت است

عبادت کی پہلی شرط نیّت کی صحت ہے۔ اعمال کا مدار نیّتوں پر ہے یہ آنحضور کا فرمان ہے

امتثالِ امر خوشتر از ہزاراں رکعت است　　اِنفعالِ جُرم بہتر از غرورِ طاعت است

حکم کو بجالانا ہزاروں رکعتوں سے بہتر ہے۔ گناہ سے شرمندہ ہونا عبادت کے غرور سے بہتر ہے

مظہرا اے دور از حقیقت بر نمازِ خود مناز

اے مظہر حقیقت سے دُور اپنی نماز پر نازاں نہ ہو

حضرتِ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس فتنہ و فساد کے زمانے میں آپ کی آزاد کردہ لونڈی آئی اور اُس نے کہا۔ اے اَبا عبد الرحمٰن، شدّت اور تنگدستی کی وجہ سے میں نے ارادہ کیا ہے کہ کسی طرف چلی جاؤں۔ آپ نے فرمایا۔ "اُقْعُدِیْ لُکَاعِ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ، لَا یَصْبِرُ عَلٰی لَاْوَائِھَا وَشِدَّتِھَا اَحَدٌ اِلَّا کُنْتُ لَہٗ شَھِیْدًا اَوْ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ" بیٹھ جا اے بے وقوف، میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو فرماتے سُنا ہے۔ "مدینہ کی تکلیف اور شدّت پر جو صبر کرے گا، میں قیامت کے دن اُس کا گواہ اور شفاعت کرنے والا ہوں گا"۔

علّامہ سید شریف سمہُودی نے صفحہ اٹھاون[۵۸] میں لکھا ہے کہ زرکشی نے "الرّسالہ" کے شارح عبدی مالکی سے نقل کی ہے۔ "اَلْمَشْیُ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ لِزِیَارَۃِ قَبْرِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ مِنَ الْکَعْبَۃِ وَمِنْ بَیْتِ الْمَقْدِسِ" کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی قبرِ مبارک کی زیارت کے لئے مدینہ منوّرہ کا سفر کرنا کعبۂ معظّم اور بیت المقدس جانے سے افضل ہے۔

میر احد الدین کرمانی نے کیا خوب کہا ہے۔ اللہ اُن کی قبر کو نور سے بھرے۔

خوش آنکہ بندم در رہت بر ناقہ محمل از وطن　　خیزم چو گرد اُفتم چو اشک آیم بہ سر غلطم بہ تن

یہ بہتر ہے کہ میں وطن سے تیرے راستہ میں اونٹنی پر کجاوہ کسوں، غبار کی طرح اٹھوں، آنسو کی طرح گروں، سر کے بل چلوں، بدن سے لوٹوں۔

آیم بریں دار الشفا، گویم بہ زاری دمبدم　　کاے شمعِ دیں ختمِ رُسل مطلوبِ حق فخرِ زمن

اِس شفاخانہ پر پہنچوں عاجزی سے ہر دم کہوں۔ اے دین کی شمع، رسولوں کے خاتم، اللہ کے محبوب، زمانہ کے فخر

شاہِ سریرِ سلطنت، سلطانِ اَوْ اَدْنیٰ لقب — مکّی نسب، اُمّی حسب، بطحیٰ مکاں، یثرب وطن

سلطنت کے تخت کے شاہ، فکان قاب قوسین اَوادنیٰ کے سلطان۔ اُن کا نسب مکّی ہے، حسب اُمّی ہے، مکان بطحیٰ ہے، وطن یثرب ہے۔

بعدِ وفاتم بس بود گردے زراہِ مَقدَمَت — زادِ سفر، زیبِ عمل، شمعِ لحد، عطرِ کفن

میرے مرنے کے بعد اُن کی تشریف آوری کے راستہ کی گرد کافی ہے۔ وہ سفر کا توشہ ہے، عمل کی زینت ہے، گور کی شمع ہے، کفن کا عطر ہے۔

ہستی شفیع المذنبیں، خوئیت شفاعت کردن است — بیچارہ من نامہ سیاہ حالم تباہ دل پر حزن

آپ گنہ گاروں کے شفیع ہیں، آپ کی عادت شفاعت کرنا ہے۔ میں بیچارہ سیاہ اعمال نامہ والا ہوں میرا حال تباہ ہے دل غمگین ہے۔

بادا زما برآل تو پیوستہ صلوات وسلام — در آشکارا درنہاں درخلوت و در انجمن

آپ کی آل پر ہماری جانب سے مسلسل صلاۃ وسلام ہو کھُلّم کھُلّا، پوشیدہ، خلوت میں اور جلوت میں

صَلِّ یَارَبِّ عَلَی الْھَادِیْ وَسَلِّمْ — اِنَّکَ اللّٰھُمَّ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اے خدا (حضرت) ہادی پر درود وسلام بھیج — اے اللہ تو ستودہ صفات بزرگ ہے

علاّمہ ابن الہمام حنفی نے فتح القدیر میں کیا خوب لکھا ہے کہ مدینۂ منوّرہ کو سفر کرتے وقت صرف رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی زیارت کی نیّت کرے تاکہ مَنْ جَاءَنِیْ زَائِرًا لَایَعْمَلُہٗ حَاجَۃً اِلَّا زِیَارَتِیْ کَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَکُوْنَ لَہٗ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ" کا مستحق بنے۔ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے۔ جو میری زیارت کے لئے آئے اور میری زیارت کے سوا اُس کا کوئی کام نہ ہو تو اُس کا مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن اُس کی شفاعت میں کروں"

حضرت پیر و مرشد والد ماجد نے کیا خوب فرمایا ہے:۔

امامِ اہلِ دینی یا محمدؐ — سراج المرسلینی یا محمد

اے محمدؐ آپ دینداروں کے امام ہیں — اے محمدؐ آپ رسولوں کے چراغ ہیں

طوافت می کنند اہلِ سماوات — تو بر رُوئے زمینی یا محمد

آسمانوں والے آپ کا طواف کرتے ہیں — اے محمدؐ اور آپ روئے زمین پر ہیں

بہ درگاہت نیازِ اہلِ عالم — تو بے شک نازنینی یا محمدؐ

دنیا والوں کی آپ کی جناب میں نیازمندی ہے — اے محمدؐ آپ بے شک نازوں بھرے ہیں

سید شریف سَمہُودی نے اہلِ مدینہ کے فضائل کا بیان خوب ہی کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ اہلِ مکہ اور اہلِ مدینہ نے اِس سلسلہ میں رسائل لکھے ہیں اور بیان کیا ہے کہ مرقدِ اشرف سے افضل کوئی شے نہیں ہے، نہ کعبہ و نہ عرش، اُنھوں نے یہ ضخیم دو جلدوں کی کتاب لکھ کر اُمّتِ محمدیّہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ کو پوری طرح آگاہ کر دیا ہے کہ اب سینکڑوں سال کے بعد روایات کے چکّر میں نہ پڑیں وہی روایتیں درست ہیں جن کو ائمۂ اربعہ نے لیا ہے اور وہی سلامتی کی راہ ہے جس پر یہ حضرات رواں ہیں، اِن حضرات کا عمل اللہ کی مضبوط رسّی ہے جس کو پکڑنے کا حکم مِلا ہے اور یہی سوادِ اعظم ہے جس کی پیروی مستوجبِ فلاح و نجات ہے۔

علاّمہ سُبکی نے یہ رسالہ لکھ کر منہجِ حق کا بیان کر دیا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے وہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی زیارتِ مبارکہ کو حج یا عمرہ کے ضِمن میں ادا کرنے کی کوشش نہ کرے، اپنے گھر سے صرف آپ کی زیارت کے لئے روانہ ہو اور سیدھا مدینہ منورہ جائے اور پھر آپ کی زیارت کے طفیل میں حج یا عمرہ کر لے۔ سب کو معلوم ہونا چاہئیے کہ آپ کا روضۂ مقدّسہ

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر — نفس گم کردہ می آید جُنید و بایزید اینجا

(آسمان کے نیچے ادب کا مقام ہے عرش سے بھی نازک۔ اِس جگہ جنید اور بایزید دم بخود آتے ہیں۔)

یہ عاجز اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ وعَمَّ اِحسانہٗ کا شکر ادا کرتا ہے کہ رسالہ "زیارت خیر الانام" کا ترجمہ مکمّل ہو چکا ہے اور عنقریب یہ رسالہ بہ حلیہ طباعت سے مُحَلّیٰ ہو کر شائقین کے پاس پہنچنے والا ہے۔ اتفاق سے " ربِّ کعبہ، خوب لکھی ہے کتاب" تاریخی مادّہ ہاتھ آگیا، عاجز نے اِس پر کچھ مصرعے لگائے، جو درجِ ذیل تاریخی قطعہ ہو گیا۔

بِعَوْنِ اللّٰہِ وَاِحْسَانِہٖ

تاریخ تالیف و طباعت رسالۂ زیارتِ خیر الانام

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

شُکر ہے مولیٰ کا بے حد بے حساب   کھُل گیا ہے روضۂ اقدس کا باب[1]
رحمتِ خلّاق ہے ذاتِ نبی   بہرِ اُمّت آپ ہیں رَاْفت مَآب[2]
دین و دنیا میں سہارا آپ کا   ہیں شفیع المُذنبیں روزِ حساب[3]
خاکِ طیبہ[4] ہے شفائے ہر مرض   جنّتُ المأدیٰ سے بڑھ کر وہ تُراب[5]
شوق سے جاؤ حریم[6] پاک کو   ہر قدم پر تم کماؤ صد ثواب
عرض جا کر تم کرو اپنا سلام   سرورِ عالم تمھیں دیں گے جواب
شرط ہے جاؤ زیارت کے لئے   ہو[7] نہ ہرگز امرِ دیگر اے جناب
کعب[8] چل طیبہ زیارت کے لئے   ہے یہ فرمانِ عُمر قطعاً صواب
رحمتِ[9] حق مسلکِ جمہور ہے   ہے[10] سوادِ اعظم اُس کا ہی خطاب
چاروں مذہب کے اکابر کا ہے قول   ابنِ تیمیہؒ کا مسلک ہے خراب[11]

حضرتِ قاضی سے کہہ دو زید تم
"ربِّ کعبہ خوب لکھی ہے کتاب"   ۱۴۱۰ھ

اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے حضرات ائمۂ کرام کے مسلک پر ہم کو ثابت قدم رکھے۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

ابوالحسن زید فاروقی
جمعہ ۲۴ ماہ ربیع الآخر ۱۴۱۰ھ
۲۴ نومبر ۱۹۸۹ء

---

[1] باب۔ دروازہ۔ [2] رأفت مآب، بہت مہربان۔ [3] روزِ حساب، قیامت کے دن۔ [4] طیبہ، پاکیزہ، یہ مدینہ کا نام ہے۔ [5] تُراب، مٹی۔ [6] حریم، حرمت والا۔ [7] یعنی آپ کی زیارت کے علاوہ کوئی نیت نہ ہو۔
[8] بیت المقدس میں یہودی عالم کعبِ اَحبار، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ وہاں سے روانہ ہوتے وقت حضرت عمر نے فرمایا "نبی کی زیارت کے لئے مدینہ نہیں چلتے"۔ آپ نے مسجد کا ذکر نہیں کیا ہے۔
[9] سب لوگوں کا طریقہ (مذہب) اللہ کی رحمت ہے۔ [10] صحیح حدیث میں ہے تم سوادِ اعظم کے ساتھ رہو یعنی بڑی جماعت کے ساتھ رہو۔ [11] ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں "مِنْ اَبْشَعِ الْاَقْوَال" لکھا ہے یعنی بدترین اقوال میں سے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گزارشِ احوالِ واقعی

ایک دن غریب خانہ پر حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب مؤلف انوار الباری شرح صحیح بخاری کی تشریف آوری ہوئی۔ گفتگو کے اثناء میں امام ابن تیمیہ کی اُن تحریروں کا ذکر آیا جو انھوں نے آنحضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی زیارت کے سلسلہ میں لکھی ہیں اور اُن میں اِس مقصد کے لئے سفر کو ناجائز قرار دیا ہے اور یہاں تک لکھ دیا ہے کہ یہ سفر معصیت ہے اور اِس سفر میں وہ رخصتیں بھی حاصل نہ ہوں گی جو شریعت نے ایک مسافر کو دی ہیں اُس کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ نمازوں میں قصر کرے اور نہ اُس کو یہ حق ہوگا کہ وہ روزے قضاء کرلے اور سید صاحب موصوف نے ذکر کیا کہ آج کل امام ابن تیمیہ کی اِن تحریروں کی اشاعت زیادہ کی جارہی ہے جس سے عام مسلمان پریشانی میں مبتلا ہیں اور اُن کی گمراہی کا اندیشہ ہے۔ پھر یہ بھی ذکر کیا کہ اُسی دور کے ایک بہت بڑے عالم اور امام ابن تیمیہ کے ہمنام علامہ تقی الدین سُبکی نے اُن کے رد میں ایک رسالہ "شِفَاءُ السَّقَامِ فِیْ زِیَارَةِ خَیْرِ الْاَنَامِ" لکھا ہے۔ اور وہ رسالہ نہایت مدلل اور امام ابن تیمیہ کی تحریروں کا مسکت جواب ہے۔

محدث کشمیری علامہ انور شاہ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ امام سُبکی کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ وہ کسی فن میں بھی امام ابن تیمیہ سے کم نہیں ہیں۔ پھر سید صاحب موصوف نے فرمایا اگر کوئی صاحب اِس رسالہ کا عام فہم اُردو میں ترجمہ کردیں تو بڑا کام ہوجائے اور اُس کی اشاعت عام مسلمانوں کے لئے اطمینان اور راہنمائی کا سبب بن جائے۔ اُن کی خواہش کے احترام میں از راہِ نادانی میں اِس بارِ امانت کو اُٹھانے پر آمادہ ہوگیا اور میں نے عرض کیا کہ میں کوشش کروں گا کہ آپ کی یہ تمنا پوری کردوں۔ ہماری اِس گفتگو کا ذکر مرمی حضرت مولانا ابوالحسن زید مجددی زید مجدہٗ کو علم ہوا تو وہ غریب خانہ پر تشریف لائے اور میرے اِس وعدہ پر مسرت کا اظہار فرما کر کہا کہ آپ اِس رسالہ کا اُردو میں ترجمہ ضرور کردیں میں شاہ ابوالخیر اکیڈمی سے اپنے خرچ پر اِس کی اشاعت کروں گا۔

علامہ سُبکی کا یہ رسالہ دہلی میں دستیاب نہ تھا۔ حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب نے بجنور جاکر اپنا ذاتی رسالہ میرے پاس بھیجدیا۔ پھر حضرت مولانا ابوالحسن صاحب زیدنے پاکستان سے اِس رسالے کے دو نسخے منگادیئے۔ جب میں نے اِس رسالہ کا مطالعہ شروع کیا اور ترجمہ کے لئے قلم اُٹھایا تو اپنی نادانی کا پورا احساس ہوا۔ ایک طرف اپنی علمی بے بضاعتی پھر نگاہ کی کمزوری اور بُڑھاپے کے دوسرے امراض، دوسری طرف اِس رسالہ کی مُغلق عبارتیں جن کا مزید اغلاق کچھ رسالہ کے مرتبین کی جانب سے، کچھ پریس کی غلطیوں سے یہ سب کچھ میری ہمّت شکنی کرنے لگا۔ بار بار اِس درجہ کی مایوسی طاری ہوجاتی تھی جو ترجمہ کے ارادے کو ترک کردینے پر مجبور کردیتی تھی لیکن مکرمی زید صاحب کا اکثر وبیشتر ٹیلیفون پر ترجمہ کی تکمیل کا اصرار اور تکمیل کے لئے دُعائیں پھر ہمّت بندھا دیتی تھیں اور میں ترجمہ شروع کردیتا تھا۔ اِس کشمکش میں مَیں نے اِس رسالہ کا یہ ترجمہ کرڈالا۔ اب میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ ترجمہ ہے یا تلخیص۔ اِس لئے کہ بہت سی مُغلق عبارتوں سے میں نے قطع نظر بھی کی ہے اور جہاں کہیں علامہ سُبکی کی رائے سے مجھے اختلاف ہوا ہے اُس کو بھی میں نے فٹ نوٹ میں ظاہر کردیا ہے۔ نیز یہ کہ میں علامہ سُبکی کے مقصد کا اردو میں صحیح طور پر اظہار کرپایا ہوں یا نہیں اور یہ کہ میری یہ کوشش اہلِ علم کے نزدیک کس درجہ کی سمجھی جائیگی۔ اب میں اپنی اِس جہدُ المقل کو اہلِ علم کے سامنے پیش کرکے مستدعی ہوں کہ اگر کچھ کوتاہیاں سامنے آئیں تو اُن کو علامہ سُبکی کی بجائے میری طرف منسوب کیا جائے اور اگر میری تحریر مقبولِ خاطر ہو تو دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ اِس تحریر کو میرے لئے ذریعہ نجات بنادے اور اِس تحریر کے طفیل مجھے آخرت میں آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی شفاعت میسّر آجائے۔

سجّاد حسین

۷ر جمادی الاوّل سنہ ۱۴۱۰ھ

۶ر دسمبر ۱۹۸۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ میرے لئے کافی ہے اور بہترین وکیل ہے

اُس خدا کی حمد ہے جس نے اپنا رسول بھیجکر ہم پر احسان کیا — اور اُس کے ذریعہ سیدھے راستے کی طرف ہماری رہنمائی کی، ہمیں اُس کی تعظیم وتکریم کا حکم دیا اور ہر مؤمن پر فرض کردیا کہ وہ رسول اُس کے نزدیک، اُس کی جان ومال، ماں باپ اور دوستوں سے زیادہ محبُوب ہو۔ اور اللہ نے اُس نبی کے اتباع کو اپنی محبّت کا سبب قرار دیا اور اُس نبی کی تابعداری کو شیطان اور اُس کے مکر سے حفاظت کا ذریعہ بنادیا اور اُس کے ذکر کو بلند کرکے اور اپنی کتاب میں اُس کی تعریف کرکے اُس کو تمام تعریفوں سے بے نیاز بنادیا۔ اُس پر ہمیشہ ہمیشہ جب تک ستاروں کا طلوع وغروب ہے رحمتیں نازل ہوں۔ میں نے اِس کتاب کا نام شِفَاءُ السِّقَامِ فِیْ زِیَارَۃِ خَیْرِ الْاَنَامِ (خیر الانام کی زیارت کے بارے میں مرض سے شفاء) رکھا ہے اور اِس کو دس ابواب پر مرتّب کیا ہے۔

پہلا باب اُن احادیث کے بیان میں جو زیارت کے بارے میں منقول ہوئی ہیں۔ دوسرا باب اُن احادیث کے بارے میں جو زیارت پر دلالت کرتی ہیں۔ اگرچہ اُن میں زیارت کا لفظ نہیں ہے۔ تیسرا باب اُن روایتوں کے بارے میں جو زیارت کے لئے سفر کے سلسلہ میں منقول ہوئی ہیں۔ چوتھا باب زیارت کے مستحب ہونے کے بارے میں علماء کی تصریحات پر مشتمل ہے۔ پانچواں باب اس بارے میں ہے کہ زیارت کارِ ثواب ہے۔ چھٹا باب اس بارے میں ہے کہ اُس کے لئے سفر کرنا کارِ ثواب ہے۔ ساتواں باب مخالفین کے شبہات رفع کرنے کے بیان میں۔ آٹھواں باب آنحضور کی ذات کو وسیلہ بنانے اور آپ سے مدد حاصل کرنے کے بیان میں۔ نواں باب انبیاء کے قبور میں زندہ رہنے کے بیان میں۔ دسواں باب شفاعت کے سلسلہ میں۔ شفاعت کا تعلق بھی زیارت سے ہے۔ آنحضور نے ارشاد فرمایا ہے "جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لئے

میری شفاعت ثابت ہوگئی۔"

میں نے اِس کتاب کے ضمن میں اُن لوگوں کی تردید کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ زیارت کے سلسلہ کی تمام احادیث "موضوع" ہیں اور زیارت کے لئے سفر کرنا بدعت اور ناجائز ہے۔ اِس بات کا فساد اِس قدر کُھلا ہوا ہے کہ علماء کو اُس کی تردید کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ میں نے اِس کتاب میں مستقلاً زیارت کا بیان کر دیا ہے اور اُس کے ایسے متعلّقات جمع کر دئیے ہیں جن کا جمع کرنا ہر طالب کے لئے دُشوار تھا۔ میں نے پہلے اِس کتاب کا نام "شَنُّ الْغَارَةِ عَلٰی مَنْ اَنْكَرَ سَفَرَ الزِّيَارَةِ" (اُن لوگوں پر دھاوا جو زیارت کے مُنکر ہیں) رکھا تھا۔ پھر میں نے "شِفَاءُ السَّقَامِ فِیْ زِيَارَةِ خَيْرِ الْاَنَامِ" پسند کر لیا۔ میں خدا سے مدد کا طلبگار ہوں اور اُسی پر میرا بھروسہ ہے۔ وہ میرے لئے کافی ہے اور بہترین وکیل ہے۔

پہلا باب

اُن احادیث کے بیان میں جو صراحۃً زیارت کے بارے میں منقول ہوئی ہیں

پہلی حدیث مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ۔ آنحضور نے ارشاد فرمایا جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لئے میری شفاعت ضروری ہوگئی۔ اِس کو دار قطنی اور بیہقی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اِس حدیث کی چند سندیں بیان کرنے اور ردّ و قدح کے بعد امام سُبکی نے فرمایا کہ بہرحال یہ حدیث "حَسَنْ" کے درجہ سے کم نہیں ہے۔ پھر وہ احادیث جن میں زیارت کی ترغیب ہے دس سے کچھ زیادہ ہیں۔ ایسی صورت میں وہ احادیث اِس حدیث کی اِس درجہ کی تقویت کر دیتی ہیں جس سے یہ حدیث "حَسَنْ" کے درجہ سے بڑھ کر "صَحِیْح" کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ کسی حدیث کے ضعیف ہونے کی ایک وجہ تو یہ ہوتی ہے کہ اُس کی سند کا کوئی راوی جھوٹا ہو۔ کسی حدیث کی اِس طرح کی متعدّد سندیں بھی ہوں تو یہ سندیں اُس کو قوی نہیں بنا سکتیں۔ دوسری وجہ ضعف کی یہ ہوتی ہے کہ اُس کی سند میں کوئی

راوی ضعیف الحافظہ ہو۔ اِس طرح کی ضعیف سندوں کا تعدد یقیناً اِس بات کو ثابت کر دیتا ہے کہ سند میں راوی کے حافظہ کے ضعف کا اثر نہیں ہے اور یہ حدیث ایسی سندوں کے تعدّد کی وجہ سے "حَسَنْ" اور "صَحِیْح" کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔ اِس حدیث کی اسناد پر بحث کرنے کے بعد امام سُبکی نے فرمایا اِن تمام بحثوں سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ کسی کا یہ کہنا کہ زیارت سے متعلّق تمام حدیثیں "موضوع" ہیں، محض افتراء اور جھوٹ ہے۔ کیا وہ ایسی بات کہتے ہوئے جو آج تک نہ کسی عالم نے کہی نہ کسی محدّث نے، خدا سے نہیں شرماتا۔ کسی محدّث اور کسی عالم نے اِس حدیث کے کسی راوی کو "وَضْع" سے متّہم نہیں کیا ہے تو کیسے کسی مسلمان کیلئے یہ جائز ہوگا کہ زیارت کی تمام احادیث کو "موضوع" قرار دیدے۔ امام سُبکی نے سندوں کی بحث کی تکمیل کے بعد متنِ حدیث کی تشریح فرمائی ہے۔ آنحضور نے اِس حدیث میں فرمایا ہے میری قبر کی زیارت کرنے والے کے لئے میری شفاعت ضروری ہوگئی تو آپ لامحالہ اپنا وعدہ پورا کرینگے اور ہر زیارت کرنے والے کے لئے ضرور شفاعت فرمائیں گے۔ یہ شفاعت یا کوئی مخصوص شفاعت ہوگی جو عام مومنوں کو حاصل نہ ہوگی یا وہی عام شفاعت ہوگی اور زیارت کرنے والوں کے لئے اُس کا ذکر اُن کی عزّت افزائی کے لئے کر دیا گیا ہے یا یہ ہے کہ زیارت کی برکت کی وجہ سے عام شفاعت میں اُن کا داخلہ ضروری ہوگیا ہے اور اِس بشارت کا فائدہ یہ بھی ہے کہ اُس کی موت اسلام پر یقینی ہوگئی۔ خلاصہ یہ نکلا کہ زیارت کا اثر ہر زیارت کرنے والے کا اسلام پر مرنا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کس قدر بڑی نعمت ہے۔ یا زیارت کرنے والے کے لئے خاص شفاعت ہے جو عام شفاعت کے علاوہ ہے اور آنحضور نے شفاعت کی اپنی جانب اضافت کر کے یہ اشارہ فرما دیا کہ اگرچہ شفاعت ملائکہ اور دیگر انبیاء اور مومنین بھی کریں گے لیکن یہ شفاعت آنحضور کی عظمت کی بناء پر بڑی عظیم شفاعت ہوگی۔

دوسری حدیث آنحضور نے فرمایا۔ مَنْ زَارَ قَبْرِیْ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ۔ جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لئے میری شفاعت حلال ہوگئی۔ اِس حدیث کو امام ابوبکر احمد البزّار نے اپنی "مسند" میں نقل کیا ہے۔ بعض محدّثین نے اِس حدیث اور پہلی حدیث کو ایک ہی قرار دیا ہے۔ لیکن اِس حدیث میں چونکہ وَجَبَتْ کے بجائے حَلَّتْ کا لفظ ہے اِس

لئے میں نے اِس کو مستقلاً ذکر کردیا ہے۔ امام سُبکی نے اِس حدیث کی سند نقل کی اور اُس پر جرح و تعدیل کرنے کے بعد فرمایا۔ اِس روایت کی سند کے جن راویوں پر کچھ کلام کیا گیا ہے وہ بہر حال فسق اور کذب سے بری ہیں۔ اور بعض دوسری سندوں میں اِن راویوں کی موجودگی کے باوجود بعض محدثین نے حدیث کی تصحیح کی ہے تو پھر اِس حدیث کے ذریعہ پہلی حدیث کی تقویت کی جاسکتی ہے اور اِس حدیث کو اُس کے متابعات اور شواہد میں سے شمار کیا جاسکتا ہے۔

تیسری حدیث

مَنْ جَاءَنِیْ زَائِرًا لَا یَعْمَلُهٗ حَاجَةٌ اِلَّا زِیَارَتِیْ کَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَکُوْنَ لَهٗ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ جو شخص زیارت کے لئے میرے پاس آیا اور اُس کو اِس عمل میں کسی حاجت نے سوائے زیارت کے نہیں لگایا تو میرے اوپر حق ہوگا کہ میں قیامت کے دن اُس کا شفاعت کرنے والا بنوں۔ اِس حدیث کو طبرانی نے "معجم کبیر" میں، دارقطنی نے "امالی" میں اور ابو بکر ابن المقری نے "مُعْجَم" میں نقل کیا ہے اور سعید ابن السکن نے اِس کو "صحیح" قرار دیا ہے۔ بعض روایات میں لَا یَعْمَلُهٗ کی بجائے لَا یَنْزِعُهٗ کا لفظ ہے معنی ایک ہی ہیں۔ ابن السکن نے اپنی کتاب " السُّنَنُ الصِّحَاحُ الْمَاثُوْرَةُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ " کے خطبے میں کہا ہے کہ جو روایت بھی میں نے اپنی اِس کتاب میں نقل کی ہے وہ یا تو بالاجماع ائمۂ حدیث کے نزدیک صحیح ہے یا کسی ایک امام کے نزدیک صحیح ہے۔ پھر اِس حدیث کو "کتاب الحج" میں بَابُ ثَوَابِ مَنْ زَارَ قَبْرَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کے ماتحت ذکر کیا ہے۔ تو لامحالہ یہ حدیث اُن کے نزدیک صحیح ہے۔ ابن السکن نے اِس حدیث کو جس باب کے ماتحت ذکر کیا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس زیارت سے قبر شریف پر حاضری مراد ہے یا زیارت میں تعمیم ہے خواہ حیات النبی ہو یا بعد الموت ہو۔

چوتھی حدیث

آنحضور نے ارشاد فرمایا۔ مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ۔ جس شخص نے حج کیا پھر میرے مرنے کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا اُس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

دارقطنی نے اپنی سنن میں اور دیگر محدثین نے بھی اِس حدیث کو روایت کیا ہے۔ امام سُبکی نے اِس روایت کی سندوں پر بحث کی اور سندوں پر جو اعتراضات کئے گئے تھے اُن کے شافی جواب دیئے اور دوسری سندوں سے یہ متن نقل کیا ہے۔ مَنْ حَجَّ فَزَارَنِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ کَانَ کَمَنْ

زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ۔ یعنی جس نے حج کیا اور میرے مرنے کے بعد میری زیارت کی وہ اُس شخص کی طرح ہے جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور کہا ہے۔ اِس متن کو ابو احمد ابن عدی نے "کامل" میں نقل کیا ہے۔ بعض محدثین نے اِسی روایت میں "صَحِبَنِیْ" کا اضافہ کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اُس زیارت کرنے والے کو صحابی ہونے کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے گی۔

پانچویں حدیث

آنحضور نے ارشاد فرمایا۔ مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ۔ جس شخص نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی اُس نے مجھ پر ظلم کیا۔ اِس روایت کو ابن عدی نے "کامل" میں نقل کیا ہے۔ اِس روایت کی سند میں النعمان ابن شبلٍ ہیں اُن کے بارے میں امام سُبکی نے فرمایا۔ اِن کو عمران بن موسیٰ نے ثقہ قرار دیا ہے اور موسیٰ ابن ہارون نے اُن کو متّہم قرار دیا ہے۔ لیکن چونکہ یہ جرح مجمل ہے لہٰذا اس توثیق کو ترجیح دی جائے گی۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ محدثین کسی روایت پر "منکر" اور "غریب" ہونے کا حکم لگاتے ہیں تو بسا اوقات اُس خاص سند کے اعتبار سے یہ حکم لگاتے ہیں۔ اُس کی وجہ سے متن حدیث کو رَد نہیں کیا جاسکتا۔

چھٹی حدیث

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ اَوْ مَنْ زَارَنِیْ کُنْتُ لَهٗ شَفِیْعًا اَوْ شَهِیْدًا۔ آنحضور نے یا مَنْ زَارَ قَبْرِیْ فرمایا تھا۔ یعنی میری قبر کی زیارت کی یا مَنْ زَارَنِیْ فرمایا تھا یعنی جس نے میری زیارت کی میں اُس کا شفیع بن گیا یا یہ فرمایا میں اُس کا گواہ بن گیا۔ اِس کو ابو داؤد طیالسي نے اپنی "مُسند" میں روایت کیا ہے۔ بعض اسناد میں متن کے اِن الفاظ کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں۔ مَنْ مَاتَ فِیْ اَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بَعَثَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِیْ الْاٰمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ یعنی جو دونوں حرموں میں سے کسی حرم میں مرا اللہ عزّوجل اُس کو قیامت کے دن امن والوں میں اٹھائیں گے۔ امام سُبکی نے اِس حدیث کی اسناد پر تمام اعتراضات کا مکمّل جواب دیا ہے۔

ساتویں حدیث

مَنْ زَارَنِیْ مُتَعَمِّدًا کَانَ فِیْ جِوَارِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ آنحضور نے ارشاد فرمایا۔ جو قصد و ارادہ سے میری زیارت کرے گا وہ قیامت میں میری پناہ میں ہوگا۔ اِس روایت کو عقیلی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اِس روایت کی سند میں ہارون کو ازدی

نے ناقابلِ حجت قرار دیا ہے لیکن ابن حبّان نے اُن کو ثقات میں شمار کیا ہے اور ابن حبّان کا مرتبہ ازدی سے بہت بلند ہے۔

آٹھویں حدیث

مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ۔ آنحضور نے ارشاد فرمایا۔ جس نے میرے مرنے کے بعد میری زیارت کی گویا اُس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ اِس روایت کو دارقطنی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ بعض سندوں میں اِن الفاظ کا اضافہ ہے۔ وَمَنْ مَاتَ بِاَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بُعِثَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ یعنی جو حرمِ مکہ یا حرمِ مدینہ میں مرے گا قیامت کے روز امن کی حالت میں اُٹھے گا۔

نویں حدیث

مَنْ حَجَّ حَجَّةَ الْاِسْلَامِ وَزَارَ قَبْرِیْ وَغَزَا غَزْوَةً وَصَلّٰی عَلَیَّ فِیْ بَیْتِ الْمُقَدَّسِ لَمْ یَسْاَلْهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِیْمَا افْتَرَضَ عَلَیْهِ۔ یعنی جس شخص نے فرضِ حج ادا کیا اور میری قبر کی زیارت کی اور اُس نے جہاد کیا اور بیت المقدس میں میرے اوپر درود بھیجا اللہ تعالےٰ اس سے دوسرے فرائض کے بارے میں سوال نہ کرے گا۔ حافظ ابوالفتح الازدی نے یہ روایت نقل کی ہے۔

دسویں حدیث

مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ وَاَنَا حَیٌّ۔ آنحضور نے ارشاد فرمایا جس شخص نے میرے مرنے کے بعد میری زیارت کی گویا اُس نے ایسی حالت میں میری زیارت کی کہ میں زندہ ہوں۔ اِس حدیث کو ابوالفتوح سعید ابن محمد یعقوبی نے نقل کیا ہے۔ بعض سندوں میں اسی حدیث کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ وَمَنْ زَارَنِیْ کُنْتُ لَهٗ شَهِیْدًا اَوْ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ یعنی جس شخص نے میری زیارت کی میں قیامت میں اُس کا گواہ اور شفیع بنوں گا۔

گیارھویں حدیث

مَنْ زَارَنِیْ بِالْمَدِیْنَةِ مُحْتَسِبًا کُنْتُ لَهٗ شَهِیْدًا اَوْ شَفِیْعًا۔ جس نے ثواب کی نیت سے مدینہ میں میری زیارت کی میں اُس کا گواہ اور سفارشی ہوں۔ ایک روایت میں ہے۔ مَنْ زَارَنِیْ مُحْتَسِبًا اِلَی الْمَدِیْنَةِ کَانَ فِیْ جِوَارِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ جس شخص نے ثواب کی نیت سے مدینہ تک آکر میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میری پناہ میں ہوگا۔

حضرت انس ابن مالک کی اِس روایت کو تین سندوں سے نقل کرنے کے بعد امام سُبکی نے فرمایا۔ اِن تینوں سندوں کا مدار محمد ابن اسماعیل ابن ابی فدیک ہیں اور وہ متّفق علیہ طریقہ پر قابلِ استناد ہیں البتہ سلیمان ابن یزید جو سند میں مذکور ہیں اُن کو ابو حاتم الرازی نے "مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ" قرار دیا ہے اور ابن حبّان نے اُن کو ثقہ قرار دیا ہے۔

بارھویں حدیث

مَا مِنْ اَحَدٍ مِنْ اُمَّتِیْ لَهٗ سَعَةٌ ثُمَّ لَمْ یَزُرْنِیْ فَلَیْسَ لَهٗ عُذْرٌ۔ آنحضور نے فرمایا۔ میری اُمت میں سے جس کسی کے لئے میری زیارت کی گنجائش ہو اور پھر وہ زیارت نہ کرے تو اُس کے لئے کوئی عذر نہیں ہے۔ اِس روایت کو ابو عبداللہ ابن النجّار نے "الدُّرَّةُ الثَّمِیْنَةُ فِیْ فَضَائِلِ الْمَدِیْنَةِ" میں نقل کیا ہے۔

تیرھویں حدیث

مَنْ زَارَنِیْ حَتّٰی یَنْتَهِیْ اِلٰی قَبْرِیْ کُنْتُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ شَهِیْدًا اَوْ شَفِیْعًا۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص نے میری زیارت کی حتیٰ کہ میری قبر پر پہنچا میں قیامت میں اُس کا گواہ بنوں گا یا فرمایا میں اُس کا شفیع بنوں گا۔

چودھویں حدیث

مَنْ لَمْ یَزُرْ قَبْرِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ۔ جس شخص نے میری قبر کی زیارت نہ کی اُس نے مجھ پر ظلم کیا۔ اِس حدیث کو ابو الحسین نے "اَخْبَارُ الْمَدِیْنَةِ" میں اور ابن النجّار نے "الدُّرَّةُ الثَّمِیْنَةُ" میں ذکر کیا ہے۔

پندرھویں حدیث

مَنْ اَتَی الْمَدِیْنَةَ زَائِرًا اِلَیَّ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَمَنْ مَاتَ فِیْ اَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بُعِثَ اٰمِنًا۔ یعنی جو مدینہ میں میری زیارت کے لئے آیا میری شفاعت قیامت کے روز اُس کے لئے واجب ہوگئی اور جو شخص دونوں حرموں میں سے کسی ایک حرم میں مرا وہ قیامت میں امن کی حالت میں اُٹھایا جائیگا۔ اِس حدیث کو یحییٰ الحسینی نے "اَخْبَارُ الْمَدِیْنَةِ" میں ذکر کیا ہے۔ دوسری بعض روایتوں میں آخر میں یہ الفاظ ہیں۔ مَنْ لَمْ یُمْکِنْهُ زِیَارَتِیْ فَلْیَزُرْ قَبْرَ اِبْرَاهِیْمَ الْخَلِیْلِ۔ یعنی جس کے لئے میری زیارت ممکن نہ ہو وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی قبر کی زیارت کرے۔

دوسرا باب

اُن احادیث کے بیان میں جن میں لفظِ زیارت تو نہیں ہے لیکن وہ زیارت کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں

سنن ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ سے یہ روایت مروی ہے۔ مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْہِ السَّلَامَ۔ یعنی آنحضرت نے فرمایا جو مجھے سلام کرتا ہے اللہ تعالےٰ میری روح کو میری طرف لوٹا دیتے ہیں تاکہ میں اُس کے سلام کا جواب دوں۔ علامہ سُبکی نے اِس روایت کی اسناد پر جرح و تعدیل کرکے فرمایا۔ یاد رکھو آنحضور پر سلام بھیجنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک کا مقصد تو دعا ہے جیسے کہ ہم کہتے ہیں۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یعنی اے خدا آنحضور پر صلوٰۃ و سلام نازل فرما۔ یہ تو دعا ہے۔ سلام بھیجنے والے کو "مُسَلِّم" اور صلوٰۃ بھیجنے والے کو "مُصَلِّی" کہا جاتا ہے۔۔ حضرت حق کا ارشاد ہے۔ اللہ تعالےٰ اور اُس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر اے ایمان والو رحمت بھیجو اُس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر۔ (الاحزاب۔ آیت ۵۶)

صحیحین کی روایت ہے کہ اِس آیت کے نزول کے بعد صحابہ نے آنحضور سے عرض کیا سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہوگیا ہے صلوٰۃ کیسے بھیجیں۔ آنحضور نے فرمایا تم یوں کیا کرو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ فِی الْعَالَمِیْنَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ علماء نے کہا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ سلام کا طریقہ وہی ہے جو التحیات میں بتایا گیا ہے۔ یعنی اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ صلوٰۃ و سلام کی اِس قسم میں بہت سی روایتوں میں عَلٰی مُحَمَّدٍ کی بجائے عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ کا لفظ منقول ہے۔ حضرتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ مجھ سے رسُول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا۔ جب تو مسجد میں داخل ہوا کرے تو کہا کر بِسْمِ اللّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَاغْفِرْ لَنَا وَ سَہِّلْ لَنَا اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ اور جب تو نماز سے فارغ ہوکر مسجد سے نکلے تو بھی یہی کہا کر اور سَہِّلْ

لَنَا اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ کی بجائے سَہِّلْ لَنَا اَبْوَابَ فَضْلِکَ کہا کر۔ بعض روایتوں میں وَاغْفِرْ لَنَا کی بجائے وَاغْفِرْ ذُنُوْبِیْ کا لفظ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ صلوٰۃ و سلام کی یہ قسم خطاب اور غیبت کے الفاظ کے ساتھ آئی ہے اور اِس قسم میں اِسی طرح صلوٰۃ و سلام پڑھا جاتا ہے خواہ پڑھنے والا دربارِ نبوی سے غائب ہو یا دربار میں حاضر ہو اور صلوٰۃ و سلام کی یہی قسم ہے جو آنحضور کے ساتھ خاص ہے کسی غیر کے لئے صرف تبعًا استعمال کی جاسکتی ہے۔

سلام کی دوسری قسم وہ ہے جو اِس طرح سلام کیا جاتا ہے جس طرح کوئی آنے والا اسلام کرتا ہے اور یہ سلام حضور کی حیاتِ طیبہ میں اور بعدِ وفات ایک ہی طرح سے ہے اور یہ حضور کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ عام مسلمان بھی باہم کرتے ہیں۔ حضرتِ ابن عمر رضی اللہ عنہ قبرِ مبارک کے پاس پہنچتے تھے تو کہتے تھے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَا بَکْرٍ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَتْ اور یہ بھی دونوں طریقوں سے مستعمل ہے۔ خطاب کے لفظ کے ساتھ بھی اور غائب کے لفظ سے بھی۔ سلام کی یہ قسم چاہتی ہے کہ حضور کی جانب سے اِس کا جواب بھی ہو اور چاہتی ہے کہ آنحضور یقینًا اِس کا جواب دیتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے۔ خواہ سلام کرنے والا خود قبرِ شریف کے پاس پہنچا ہو یا اس نے کسی قاصد کے ذریعہ سلام کہلایا ہو جیسا کہ حضرتِ عمر ابن عبدالعزیز شام سے قاصد روانہ کیا کرتے تھے تاکہ وہ حضور کو اُن کا سلام پہنچا دے۔ دوسری قسم کے سلام میں سلام کرنے والے کو یقینًا جواب ملنے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ پہلی قسم میں یہ شرف حاصل ہوتا ہے یا نہیں یہ خدا ہی جانتا ہے۔ خدا کرے اِس صورت میں بھی جواب ملتا ہو تاکہ مسلمانوں کو جواب کی برکت ہر حالت میں حاصل ہو جایا کرے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص دربارِ نبوی میں حاضر ہوا ہے اُس کو یقینًا قُرب کی فضیلت مزید حاصل ہوتی ہے اور اگر جواب کا ملنا صرف سوال کی دوسری قسم کے ساتھ خاص ہے تو وہ شخص جو دربار میں حاضر نہیں ہے اُس کو یہ فضیلت حاصل نہ ہوگی۔ خدا کسی مسلمان کو اِس فضیلت سے محروم نہ کرے۔

آنحضور نے فرمایا "میرے پاس فرشتہ آیا اور عرض کیا۔ اے محمد آپ کا رب فرماتا ہے کیا تم اِس بات پر راضی نہیں کہ جو تم پر ایک بار صلوٰۃ بھیجتا ہے میں اُس پر دس بار صلوٰۃ بھیجتا ہوں اور جو تمہیں ایک بار سلام کرتا ہے میں اُس کو دس بار سلام کرتا ہوں"۔ بظاہر اِس حدیث کا

تعلّق سلام کی قسمِ اوّل سے ہے۔

فصل اِس بیان میں کہ جو شخص آنحضورؐ پر سلام بھیجتا ہے آنحضورؐ کو معلوم ہو جاتا ہے

حضرتِ ابن مسعود نے آنحضور سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا "کچھ فرشتے رُوئے زمین پر گھومتے پھرتے ہیں جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے وہ اُس کو میرے پاس پہنچا دیتے ہیں" اِس کو امام نسائی اور قاضی اسماعیل نے نقل کیا ہے۔ اِسی طرح کی ایک روایت حضرتِ علی سے بھی منقول ہے۔ بکر ابن عبداللہ المزنی سے منقول ہے کہ آنحضور نے ارشاد فرمایا "میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے تم مجھ سے اور میں تم سے باتیں کرتا ہوں۔ اور جب میری وفات ہو جائے گی تو میری وفات تمہارے لئے بہتر ہوگی۔ تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کئے جائینگے اگر میں خیر دیکھوں گا تو اللہ کی حمد کرونگا اور اگر بُرائی دیکھونگا تو اللہ تعالیٰ سے تمہاری مغفرت چاہوں گا" ایوب السختیانی نے فرمایا۔ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ ہر اُس شخص پر جو آنحضور پر درود بھیجتا ہے ایک فرشتہ مقرّر ہوتا ہے جو درود کو آنحضور تک پہنچا دیتا ہے۔

قاضی اسماعیل کی کتاب "فَضْلُ الصَّلٰوۃِ عَلَی النَّبِیِّ" میں مذکور ہے کہ آنحضور نے فرمایا "اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور تم جہاں بھی ہو مجھ پر درود و سلام بھیجا کرو وہ تمہارا درود و سلام مجھ تک پہنچ جائیگا" ابن عساکر نے مختلف سندوں سے حضرت عمّار ابن یاسر سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے "اللہ تعالےٰ نے مجھے ایک فرشتہ عطا فرمایا ہے جو میری قبر پر میرے مرنے کے بعد حاضر رہے گا اور جو بھی مجھ پر درود بھیجے گا وہ مجھ سے کہے گا اے احمد تم پر فلاں ابن فلاں نے درود بھیجا ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ اُس شخص پر دس بار درود بھیجے گا"

حضرتِ ابن عباس نے فرمایا کہ آنحضور کی امّت میں سے جو کوئی بھی آپ پر درود بھیجتا ہے تو فرشتہ آنحضور سے عرض کرتا ہے کہ فلاں نے آپ پر اتنی بار درود بھیجا ہے۔ اِن احادیث سے معلوم ہوا کہ فرشتے آنحضور کو خبر پہنچاتے ہیں۔ اِسی طرح دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ درود بھیجنے والے کا درود آنحضور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اوس ابن اوس کی روایت "نسائی"

"ابن ماجہ" "ابوداود" میں منقول ہے کہ آنحضور نے ارشاد فرمایا "تمہارے دنوں میں سب سے بہتر جمعہ کا دن ہے۔ اُس میں میرے اوپر کثرت سے درود بھیجا کرو اِس لئے کہ تمہارے درود میرے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ ہم نے عرض کیا کہ ہمارے درود آپ پر کس طرح پیش ہوں گے، آپ تو مٹّی بن چکے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالےٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسم کھائے" اِس حدیث کی سند پر بحث کرنے کے بعد امام سُبکی نے حضرتِ ابوامامہ کی ایک روایت نقل کی جس کی سند کو عمدہ قرار دیا گیا ہے اُس کے الفاظ ہیں۔ آنحضور نے ارشاد فرمایا کہ "ہر جمعہ کو میرے اوپر کثرت سے درود بھیجا کرو اس لئے کہ ہر جمعہ کو میری امّت کے درود مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں جس کے درود زیادہ ہوں گے وہ قیامت کے دن مجھ سے زیادہ قریب ہوگا" یزید الرقاشی کی روایت ہے کہ ایک فرشتہ جمعہ کے دن اِس بات کا ذمّہ دار بنایا جاتا ہے کہ درود بھیجنے والے کا درود آنحضور تک پہنچائے اور کہے کہ آپ کی اُمّت کے فلاں شخص نے آپ پر درود بھیجا ہے۔ حضرتِ ابو طلحہ کی ایک روایت ہے کہ آنحضور نے ارشاد فرمایا "میرے پاس جبرئیل آئے اور کہا کہ اپنی امّت کو آپ خوشخبری دیدیں کہ اُن میں سے جو کوئی آپ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دیتا ہے اور دس گناہوں کا کفّارہ کر دیتا ہے اور اُس کے دس مرتبے زیادہ کر دیتا ہے اور اُس کا درود مجھ پر قیامت کے دن پیش ہوگا" بعض احادیث میں آنحضور پر درود پیش ہونے کا وقت وہی وقت بیان کیا گیا ہے جس میں درود بھیجنے والے نے درود بھیجا ہے اور بعض احادیث میں جمعہ کے دن کا وقت قرار دیا گیا ہے اور کچھ احادیث میں مذکور ہے کہ درود قیامت کے روز آنحضور پر پیش کئے جائینگے۔ اِن احادیث میں کوئی تضاد نہیں ہے اِس لئے کہ درود بار بار پیش کئے جائیں گے۔ درود بھیجنے کے وقت، جمعہ کے دن، پھر قیامت کے دن۔ ملائکہ کے ذریعہ آنحضور پر درود کا پیش ہونا تو اُس وقت ہے جب درود بھیجنے والا دور ہو۔ اب اگر وہ دربار میں حاضر ہو کر درود بھیجتا ہے تو اُس کی کیا نوعیت ہے۔ آیا وہ بھی ملائکہ کے ذریعہ آنحضور پر پیش ہوتا ہے یا آنحضور اس کو براہِ راست بلا واسطہ سنتے ہیں اِس سلسلہ میں دو حدیثیں مذکور ہیں۔ ایک حدیث تو یہ ہے کہ آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا "جو شخص میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود بھیجتا ہے میں اُس کو سُن لیتا ہوں اور جو شخص

دور سے درود بھیجتا ہے وہ درود مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے "جو مسلمان میری قبر پر آکر سلام کرتا ہے اُس کے لئے ایک فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ سلام مجھ تک پہنچا دے۔ اور یہ بات اُس کی دنیا و آخرت کی بھلائی کے لئے کافی ہے اور میں قیامت کے روز اُس کا گواہ اور سفارشی ہوں گا" جس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ قریب آکر سلام کرنے والے کے سلام کو میں براہِ راست سُنتا ہوں وہ اُن احادیث سے زیادہ قوی ہے جس میں مذکور ہے کہ فرشتہ اُس کا سلام پہنچاتا ہے۔ اب ہم وہ احادیث ذکر کرتے ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ جو شخص قبر کے پاس آکر سلام کرتا ہے آنحضور اُس کو براہِ راست سنتے ہیں۔ اور اُس کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور اُس شخص کی حاضری آنحضور کے علم میں ہوتی ہے اور یہ اتنی بڑی فضیلت ہے کہ اُس کے حاصل کرنے کے لئے دنیا کی دولتیں لُٹائی جاسکتی ہیں۔ سلیمان ابن سحیم بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضور کو خواب میں دیکھا تو میں نے عرض کیا۔ حضور یہ لوگ جو قبر کے پاس آکر آپ کو سلام کرتے ہیں کیا آپ کو اُن کے سلام کا علم ہوتا ہے۔ آنحضور نے فرمایا بیشک اور میں اُس کا جواب دیتا ہوں۔ حضرتِ ابراہیم ابن بشّار نے کہا۔ میں نے ایک بار حج کیا مدینہ پہنچا تو حضور کی قبر کے پاس پہنچ کر میں نے سلام عرض کیا اور میں نے حجرہ کے اندر سے وَعَلَیْکُمُ السَّلَام کی آواز سُنی۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ میری روح کو لَوٹا دیتے ہیں۔ اِس کے دو معنیٰ ہیں۔ ایک معنیٰ تو یہ ہیں۔ حافظ ابوبکر البیہقی نے فرمایا اِس کا مطلب یہ ہے کہ وفات کے بعد دوبارہ آنحضور کے جسدِ اطہر میں رُوح لَوٹا دی گئی ہے تاکہ آپ سلام کرنے والوں کو جواب دے سکیں اور اب وہ روح مُستقِلاً آنحضور کے جسمِ مبارک میں ہے۔ دوسرے معنیٰ یہ ہیں کہ آنحضور کی روحِ مبارک جناب باری تعالیٰ میں مشغول رہتی ہے اور ملاءِ اعلیٰ کی طرف متوجہ رہتی ہے۔ جب کوئی سلام کرتا ہے تو اُس کی طرف متوجہ ہوکر جواب دیتی ہے۔

تیسرا باب

اُن احادیث کے بیان میں جن میں صراحتہً آنحضور کی قبر کی زیارت کے لئے سفر کرنے کا ذکر ہے اور یہ کہ زیارتِ قبرِ نبوی کیلئے سفر ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے

جن صحابہ نے محض زیارتِ قبر النبی کے لئے سفر کیا ہے اُن میں حضرت بلال بھی ہیں وہ شام سے

چل کر مدینہ محض قبر النبی کی زیارت کے لئے آئے۔ حافظ ابوالقاسم ابنِ عساکر نے صحیح سند کے ساتھ اِس کا ذکر کیا ہے اور عبدالغنی مقدسی نے "اَلکمال" میں حضرتِ بلال کے تذکرہ میں کہا ہے کہ حضرتِ بلال نے حضور کے بعد کبھی اذان نہیں دی بجز اُس سفر کے جو اُنھوں نے شام سے مدینہ کا آنحضور کی قبر کی زیارت کے لئے کیا تھا جب مدینہ پہنچے تو صحابہ کے اصرار پر انھوں نے اذان دینی شروع کی، لیکن اذان پوری نہ کر سکے۔ حضرتِ ابوالدرداء کی روایت ہے کہ حضرتِ بلال حضرتِ عمر کی اجازت سے شام میں مقیم ہو گئے تھے۔ اُنھوں نے ایک روز آنحضور کو خواب میں دیکھا تو آنحضور نے اُن سے فرمایا۔ اے بلال یہ کیا ظلم و جفا ہے کیا یہ وقت نہیں آیا کہ تم میری زیارت کے لئے آؤ۔ حضرت بلال نیند سے بیدار ہوئے تو اُن پر بہت خوف اور رنج طاری تھا فوراً شام سے مدینہ طیبہ کیلئے روانہ ہو گئے اور آنحضور کی قبرِ مبارک پر پہنچ کر رونا اور چہرے کو اُس پر رگڑنا شروع کر دیا۔ اِتنے میں حضرت حسن و حسین آگئے اُن کو دیکھ کر حضرتِ بلال نے اُن کو سینے سے چمٹا لیا اور پیار کرنا شروع کر دیا اُن دونوں نے کہا اے بلال ہم چاہتے ہیں کہ تم ہمیں وہ اذان سُنا دو جو تم ہمارے نانا جان کے لئے دیا کرتے تھے۔ اِس پر وہ اذان دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ مسجدِ نبوی کی چھت پر اُس جگہ پہنچے جہاں کھڑے ہو کر وہ اذان دیا کرتے تھے۔ اذان کے شروع میں اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا تھا کہ مدینہ میں بھونچال آگیا جب اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا بھونچال اور بڑھ گیا۔ جب اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا تو بچے اور عورتیں روتے پیٹتے گھروں سے باہر نکل آئے اور اُن کو یہ خیال ہونے لگا کہ کہیں حضور کی دوبارہ تشریف آوری تو نہیں ہو گئی۔ وفات کے دن کے علاوہ مدینہ میں اُس دن سے زیادہ آہ و بُکا نہیں سنی گئی تھی۔ آنحضور کی قبر کی زیارت کے لئے سفر پر استدلال محض خواب کی بات سے نہیں ہے بلکہ حضرتِ بلال صحابی کے عمل سے ہے۔ خصوصاً جبکہ اُن کا یہ عمل حضرت عمر کے زمانہ میں اور بکثرت صحابۂ کرام کی موجودگی میں ہوا ہے۔

نیز جبکہ یہ ثابت ہے کہ شیطان آنحضور کے بھیس میں کسی کے خواب میں نہیں آسکتا ہے اور یہ خواب جو کسی شرعی حکم کے خلاف بھی نہیں ہے حضرتِ بلال کے فعل کا موکّد ہے۔ یہ بات بھی مشہور ہے کہ حضرتِ عمر ابن عبدالعزیز شام سے مدینہ کو اپنا قاصد روانہ کیا کرتے تھے تاکہ وہ آنحضور کی قبرِ مبارک پر پہنچ کر اُن کا سلام پیش کرے۔ ابن ابی عاصم نے فرمایا۔ صحابہ کے زمانے

میں حضرتِ بلال کا سفر شام سے اور تابعین کے زمانہ میں عمر ابن عبدالعزیز کے قاصد کا سفر محض زیارتِ قبر النبی اور سلام کے لئے تھا اِس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہ دنیوی تھا نہ دینی۔ ہم یہ وضاحت اِس لئے کر رہے ہیں تاکہ کوئی بے علم یہ نہ کہے کہ اِس قسم کا سفر بدعت ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے کسی ضرورت کی بناء پر مدینہ طیّبہ کا سفر کیا اور وہاں پہنچ کر قبر النبی کی زیارت کی یا اُن کے قصد کی بنیاد کسی حاجت اور زیارت دونوں پر تھی ایسے افراد تو بے شمار ہیں۔ یزید ابن ابی سعید کہتے ہیں کہ میں عمر ابن عبدالعزیز سے ملنے گیا۔ جب میں اُن کے پاس سے چلنے لگا تو فرمایا کہ میری تم سے ایک حاجت متعلّق ہے اور وہ یہ کہ جب تم مدینہ پہنچو گے تو قبر النبی کی زیارت کرو گے اُس وقت میرا بھی سلام عرض کر دینا۔ عمر ابن عبدالعزیز کے علاوہ دوسرے بزرگوں سے بھی اس طرح کی بات منقول ہے۔ ابواللّیث سمرقندی نے فتاویٰ میں نقل کیا ہے کہ ابوالقاسم نے فرمایا۔ جب میں نے مدینہ طیّبہ جانے کا ارادہ کیا تو القاسم ابن غستان نے کہا میری تم سے ایک گذارش ہے جب تم قبر النبی کے پاس پہنچو تو میرا سلام عرض کر دینا۔ فقیہ ابواللّیث نے فرمایا۔ اِس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی خود مدینہ نہ پہنچ سکے اور دوسرے کے ذریعہ سلام پہنچائے تو انشاء اللہ اُس کو بھی سلام کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

"فتوح الشام" میں مذکور ہے کہ جس وقت ابو عبیدہ بیت المقدس میں مقیم تھے اُنھوں نے ایک خط میسرہ ابن مسروق کے ہاتھ حضرتِ عمر کے پاس بھیجا جس میں اُن سے بیت المقدس پہنچنے کی درخواست کی۔ میسرہ جب مدینہ طیبہ پہنچے تو شب کا وقت تھا فوراً مسجدِ نبوی میں حاضر ہوئے اور آنحضور کی قبرِ مبارک پر پہنچ کر سلام عرض کیا اور حضرتِ ابوبکر کی قبر پر بھی سلام عرض کیا۔

اِس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرتِ عمر نے جب بیت المقدس والوں سے صلح کر لی کعب الاحبار اُن کی خدمت میں پہنچے اور اسلام لے آئے۔ حضرتِ عمر بہت زیادہ خوش ہوئے اور اُن سے کہا کہ کیا تمہاری خواہش ہے کہ میرے ساتھ مدینہ چلو اور حضور کی قبر پر حاضری دو۔ اُنھوں نے جواب دیا میں ضرور ایسا کروں گا۔ اب حضرتِ عمر جس وقت مدینہ پہنچے سب سے پہلے مسجدِ نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور پر سلام پیش کیا۔ بلاذری نے "تاریخ الاشراف" میں اور ابن عبدربّہ نے "العِقد" میں ذکر کیا ہے کہ زیاد ابن ابیہ نے حج کا ارادہ کیا تو اُس کے پاس حضرت ابوبکرہ پہنچے

وہ براہِ راست اُس سے بات نہ کرتے تھے۔ اُنھوں نے اُس تک اپنی بات پہنچانے کی یہ تدبیر کی کہ اُس کے چھوٹے بیٹے کو گود میں بٹھا لیا اور اُس بچّہ کو خطاب کر کے باتیں کرنے لگے تاکہ زیاد اُن کی بات سُن لے۔ اُس بچّہ سے کہا کہ تیرے باپ کے یہ یہ کالے کارنامے ہیں۔ اور وہ اِس سال حج کو جا رہا ہے۔ لامحالہ مدینہ بھی جائے گا وہاں اُمِّ حبیبہ زوجۃ النبی بقیدِ حیات ہیں وہ اُن سے ملنے ضرور جائیگا۔ اب اگر اُنھوں نے مِلنے کی اجازت دیدی تو وہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے خیانت کرینگی اور اگر اُنھوں نے اجازت نہ دی تو یہ اُس کے خلاف بڑی دلیل بن جائے گی۔ زیاد نے جب یہ باتیں سنیں تو حج کا ارادہ ہی ترک کر دیا۔ سلف میں اِس بارے میں اختلاف ہے کہ جب انسان حج یا عمرہ کو جائے تو پہلے مدینہ جائے یا مکّہ۔ اِس مسئلہ کو امامِ احمد نے اپنی کتاب "اَلْمَنَاسِکُ الْکَبِیْر" میں ذکر کیا ہے۔ اُس میں مذکور ہے کہ اُن سے اُس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو پہلے مدینہ جائے پھر مکّہ۔ تو اُنھوں نے عبدالرحمان ابن یزید اور عطاء اور مجاہد کا قول نقل کیا کہ جب حج کر چکے تو اگر چاہے مدینہ ہو آئے اور حضرتِ اسود کا قول نقل کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا خرچہ اور سفر اِس طرح ہو کہ میں پہلے مکّہ جاؤں پھر مدینہ۔ اور حضرتِ ابراہیم نخعی کا قول نقل کیا کہ جب تو مکّہ جائے تو ہر چیز کو اُس کے تابع بنا حضرتِ مجاہد کا بھی یہی قول نقل کیا ہے حضرتِ ابراہیم کا یہ قول بھی منقول ہے کہ تو جب حج کرے تو پہلے مکّہ جا پھر مدینہ جا امامِ احمد نے سند کے ساتھ عدی ابنِ ثابت سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت پہلے مدینہ جاتی تھی پھر مکّہ معظمہ اور یہ کہتی تھی کہ ہم اُس جگہ سے احرام باندھیں گے جہاں سے رسول اللہ نے احرام باندھا تھا۔ ابنِ ابی شیبہ نے بھی پہلے مدینہ جانے کی فضیلت کا ذکر کیا ہے اور حضرتِ علقمہ واسود اور عمرو ابن میمون کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ اُنھوں نے ابتداء مدینہ سے کی ہے موفق ابنِ قدامہ نے امامِ احمد کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص حج کے ارادے سے چلے وہ پہلے مختصر راستہ سے مکّہ پہنچے اور مناسکِ حج سے فارغ ہو کر مدینہ جائے ہو سکتا ہے کہ ابتداءً مدینہ جانے سے ایسی صورت پیش آجائے کہ اُس کا حج ہی فوت ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ امامِ احمد کا یہ قول اُسکے لئے ہے جو حج کا سفر کرے اور اگر عمرہ کا سفر ہے تو اُس میں عمرہ فوت ہونے کا اندیشہ نہیں ہے لہٰذا اُس سے متعلّق یہ قول نہ ہوگا۔ اِس مسئلہ میں امامِ ابوحنیفہ کا قول بھی صراحتہً مذکور ہے کہ بہتر یہ ہے کہ پہلے مکّہ جائے۔ ابواللّیث سمرقندی نے امامِ ابوحنیفہ کا یہ قول حسن ابنِ زیاد کے حوالہ سے ذکر کیا ہے اب

غور کیجئے کہ تمام بزرگوں نے مدینہ جانے کا ذکر کیا ہے خواہ مکّہ سے پہلے خواہ مکّہ کے بعد اور ظاہر ہے کہ مدینہ جانے میں اہم مقصد زیارتِ قبر النبیؐ ہے۔ محض مسجدِ نبوی کی نماز کی فضیلت مدینہ جانے کا سبب نہیں ہے ورنہ نماز کی فضیلت تو مسجدِ بیت المقدس میں بھی ہے۔ وہاں پہنچنے کا ایسا جذبہ نہیں ہے جیسا کہ مدینہ پہنچنے کا۔ تو معلوم ہوا کہ مدینہ پہنچنے کا قصد و ارادہ زیارتِ قبر النبیؐ سے ہی متعلق ہے اگر نماز کی فضیلت سبب ہے تو وہ بالتبع ہے۔ بعض بزرگوں کے پہلے مدینہ جانے کی علّت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ آنحضور کے میقات سے احرام باندھنا چاہتے تھے، ہوسکتا ہے کہ یہ بھی مقصد ہو لیکن صرف اِسی کو مقصد قرار نہیں دیا جاسکتا ہے جبکہ آنحضور نے ہر ملک کا علیحدہ میقات مقرّر فرما دیا ہے وہ کوفی تابعین جن سے پہلے مدینہ جانا منقول ہے اُن سے اگرچہ اِس کی کوئی وجہ منقول نہیں ہے لیکن یقیناً اُن کے نزدیک مدینہ پہنچ کر زیارت کی سنّت کو ترجیح دینا وجہ ہوگی ورنہ اگر محض میقات النبیؐ کی متابعت وجہ ہوتی تو جو لوگ ابتدائً مکّہ پہنچ گئے تھے اور اُن سے میقات النبیؐ کی متابعت فوت ہوچکی تھی وہ پھر مدینہ نہ آتے حالانکہ ایسا نہیں ہے وہ حج سے فارغ ہوکر مدینہ طیبہ پہنچ جاتے تھے۔

ابو بکر محمد ابن الحسین الآجری نے "کتابُ الشریعۃ" میں تحریر کیا ہے۔ علماءِ حجاز، علماءِ عراق، علماءِ شام، علماءِ خراسان، علماءِ اہلِ یمن، خواہ وہ متقدّمین سے ہوں یا متاخرّین میں سے جس نے بھی "کتاب المناسک" لکھی ہے، وہ ہر شخص کو جو مدینہ میں آتا ہے خواہ حج و عمرہ کے لئے گھر سے نکلا ہو یا صرف مدینہ کے لئے چلا ہو اُس کو بتایا ہے کہ کس طرح آنحضور پر سلام بھیجے اور کس طرح حضرتِ ابو بکر و عمر پر سلام بھیجے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ زیارتِ قبر النبیؐ بھی ایک عبادت ہے۔ اِسی کے قریب قریب ابن بطّہ العکبری نے "کتاب الابانہ" میں بھی ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ متقدّمین اور متاخرّین میں سے جس کسی عالم نے بھی مناسک پر کتاب لکھی ہے اور اُس میں احرام وطواف وغیرہ کے احکام بیان کئے ہیں آنحضور کی قبر کے زیارت کے آداب بھی تحریر کئے ہیں اور لکھا ہے کہ پھر قبر کے پاس پہنچے۔ قبر کا اِستقبال کرے اور قبلہ کی جانب پشت کرکے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اور دعائیں مانگے۔ پھر دائیں جانب کو ہٹ کر اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرْ کہے۔ ہمیشہ سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ جب کوئی حج کے لئے جاتا ہے اور اُس کے اہل و عیال، دوست احباب اُس کو رخصت کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہمارا

سلام بھی حضور، ابو بکر، عمر سے عرض کردینا۔ اِس پر نہ کوئی نکیر کرتا ہے نہ اِس فعل کی کوئی مخالفت کرتا ہے۔ بہرحال زیارتِ قبر النبیؐ پر کسی نے نکیر نہیں کی ہے زیادہ سے زیادہ بعض متقدّمین نے زیارت کو مناسکِ حج کے تابع قرار دیا ہے۔ اُن کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ آٹھویں صدی میں زیارت کے معاملہ میں یا زیارت کے لئے سفر کے معاملہ میں کوئی اختلاف پیدا ہوگا۔ قاضی عیاض نے اسحاق ابن ابراہیم الفقیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہمیشہ سے حاجیوں کا یہ دستور رہا ہے کہ حج سے فراغت کے بعد مدینہ جاتے ہیں۔ مسجدِ نبوی میں نمازیں ادا کرتے ہیں اور منبر و قبر النبیؐ اور حضور کے آثار و نشانات سے تبرّک حاصل کرتے ہیں۔ عبدری مالکی نے "شرح الرسالہ" میں یہاں تک تصریح کی ہے کہ زیارتِ قبر النبیؐ کے لئے مدینہ کا سفر کعبہ اور بیت المقدس کی زیارت کے سفر سے افضل ہے۔ اصحابِ مذاہب کے اکثر فقہا نے جبکہ زیارت کے آداب بیان کئے ہیں اور اُن کو مستحب بتایا ہے تو یقیناً یہ سفر مستحب ہوگا۔ اور اِس سلسلہ میں ایک بدوی کا قصّہ مشہور ہے جس کو فقہاء نے مناسک کے بیان کے ماتحت اسناد کے ساتھ محمد ابن حرب الہلالی سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ پہنچا اور حضور کی قبر کی زیارت کے لئے گیا وہاں قبر کے سامنے بیٹھ گیا اتنے میں ایک بدّو آیا قبر کی زیارت کی اور کہنے لگا اے خیر الرسل اللہ نے آپ پر سچی کتاب اُتاری ہے اور اُس میں فرمایا ہے "اور اگر اُن لوگوں نے جس وقت اپنا بُرا کیا تھا آتے تیرے پاس پھر اللہ سے بخشواتے اور رسول اُن کو بخشواتا اللہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان" (النساء۔ ۶۴) یا رسول اللہ اب میں آپ کے پاس اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہوئے آیا ہوں اور اپنے رب کے لئے آپ کو شفیع بناتا ہوں۔ پھر وہ رویا اور اُس نے یہ شعر پڑھے۔

یَا خَیْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُہٗ

اے وہ بہترین ذات جس کی ہڈیاں میدان میں دفن کردی گئی ہیں

فَطَابَ مِنْ طِیْبِھِنَّ الْقَاعُ وَالْاَکَمُ

اور اُن کی پاکیزگی کی وجہ سے میدان اور ٹیلے پاکیزہ ہوگئے ہیں

نَفْسِی الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاکِنُہٗ

میری جان اُس قبر پر نثار جس میں آپ مقیم ہیں

فِیْہِ الْعَفَافُ وَفِیْہِ الْجُوْدُ وَالْکَرَمُ

اُس میں پاکدامنی ہے' اُس میں سخاوت ہے' اُس میں کرم ہے

پھر اُس نے مغفرت چاہی اور واپس چلا گیا۔ ہلالی کہتے ہیں اِس واقعہ کے بعد میں سویا تو میں نے آنحضور کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا۔ جاؤ اُس بدّو سے ملو اور اُس کو خوشخبری دے دو خداوند تعالیٰ نے میری سفارش سے اُس کی مغفرت فرمادی ہے۔ میں خواب سے بیدار ہوکر اُس بدّو کی تلاش میں نکلا لیکن وہ مجھے نہ ملا۔

بعض دوستوں کی فرمائش پر ابوالطیّب مقدسی نے اِن اشعار پر تضمین کی ہے اور چند اشعار کا اضافہ کیا ہے۔

۱ اَقُوْلُ وَالدَّمْعُ مِنْ عَیْنَیَّ مُنْسَجِمٌ — لَمَّا رَأَیْتُ جِدَارَ الْقَبْرِ یُسْتَلَمُ
۲ وَالنَّاسُ یَغْشَوْنَہٗ بَاکٍ وَمُنْقَطِعٌ — مِنَ الْمَهَابَۃِ اَوْ دَاعٍ فَمُلْتَزِمُ
۳ فَمَا تَمَالَکْتُ اَنْ نَادَیْتُ مِنْ حُرَقٍ — فِی الصَّدْرِ کَادَتْ لَهَا الْاَحْشَاءُ تَضْطَرِمُ
۴ یَا خَیْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُہٗ — فَطَابَ مِنْ طِیْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَکَمُ
۵ نَفْسِی الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاکِنُہٗ — فِیْہِ الْعَفَافُ وَفِیْہِ الْجُوْدُ وَالْکَرَمُ
۶ وَفِیْہِ شَمْسُ التُّقٰی وَالدِّیْنِ قَدْ غَرُبَتْ — مِنْ بَعْدِ مَا اَشْرَقَتْ مِنْ نُوْرِہِ الظُّلَمُ
۷ حَاشٰی لِوَجْهِکَ اَنْ یَّبْلٰی وَقَدْ هُدِیَتْ — فِی الشَّرْقِ وَالْغَرْبِ مِنْ اَنْوَارِہِ الْاُمَمُ
۸ وَاِنْ تَمَسَّکَ اَیْدِی التُّرْبِ لَامِسَۃً — وَاَنْتَ بَیْنَ السَّمٰوٰتِ الْعُلٰی عَلَمٌ
۹ لَقِیْتَ رَبَّکَ وَالْاِسْلَامُ صَارِمُہٗ — مَاضٍ وَقَدْ کَانَ بَحْرُ الْکُفْرِ یَلْتَطِمُ
۱۰ فَقُمْتَ فِیْہِ مَقَامَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلٰی — اَنْ عَزَّ فَهُوَ عَلَی الْاَدْیَانِ یَحْتَکِمُ
۱۱ لَئِنْ رَاَیْنَاہُ قَبْرًا اِنَّ بَاطِنَہٗ — لَرَوْضَۃٌ مِنْ رِیَاضِ الْخُلْدِ تَبْتَسِمُ
۱۲ طَافَتْ بِہٖ مِنْ نَوَاحِیْہِ مَلَائِکَتُہٗ — تَغْشَاہُ مِنْ کُلِّ مَا یَوْمٍ وَتَزْدَحِمُ
۱۳ لَوْ کُنْتُ اَبْصَرْتُہٗ حَیًّا لَقُلْتُ لَہٗ — لَا تَمْشِ اِلَّا عَلٰی خَدِّیْ لَکَ الْقَدَمُ

۱۴ هَدٰی بِہِ اللّٰہُ قَوْمًا قَالَ قَائِلُهُمْ — بِبَطْنِ یَثْرِبَ لَمَّا ضَمَّہُ الرَّجَمُ
۱۵ اِنْ مَاتَ اَحْمَدُ فَالرَّحْمٰنُ خَالِقُہٗ — حَیٌّ وَنَعْبُدُہٗ مَا اَوْرَقَ السَّلَمُ

ترجمہ اشعار مندرجۂ بالا:-

۱۔ میں کہہ رہا تھا اور آنسو میری آنکھوں سے بہہ رہے تھے جب میں نے دیکھا کہ قبر کی دیوار کو بوسہ دیا جا رہا ہے۔

۲۔ لوگ اس پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں' رو رہے ہیں اور جا رہے ہیں۔ ہیبت کی وجہ سے یا چمٹ کر دعا کر رہے ہیں۔

۳۔ میں قابو میں نہ رہا کہ میں نے پکارا سوزش سے سینہ کی جس کی وجہ سے باطن شعلہ زن تھا۔

۴۔ اے وہ بہتر ذات جس کی ہڈیاں میدان میں دفن کر دی گئی ہیں اور اُن کی پاکیزگی کی وجہ سے میدان اور ٹیلے پاکیزہ بن گئے ہیں۔

۵۔ میری جان اُس قبر پر نثار جس میں آپ مقیم ہیں۔ اُس میں پاکدامنی ہے' اُس میں سخاوت ہے، اُس میں کرم ہے۔

۶۔ اور اُس میں تقوے اور دین کا سورج ہے جو غروب کر گیا اِس کے بعد کہ اُس نے اپنے نور سے تاریکیوں کو روشن کر دیا۔

۷۔ آپ کا چہرہ اِس سے منزّہ ہے کہ وہ پُرانا بنے جبکہ ہدایت دی گئی ہے مشرق و مغرب میں اُس کی روشنی سے امّتوں کو۔

۸۔ اگرچہ چھوتے وقت ہاتھ مٹّی کو چھوتے ہیں۔ آپ تو بلند آسمانوں میں قوم کے سردار ہیں۔

۹۔ آپ اپنے رب سے جا ملے اور اسلام کی تلوار چل رہی ہے جبکہ کفر کا سمندر موجزن تھا۔

۱۰۔ آپ اسلام کے بارے میں مُرسلین کے مقام پر کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ وہ غالب ہو گیا۔ اب وہ تمام دینوں پر حکمراں ہے۔

۱۱۔ اگرچہ ہم اُس کو قبر دیکھ رہے ہیں۔ بیشک اُس کا باطن جنّت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے جو کھل رہا ہے۔

۱۲۔ اُس کے اطراف کا فرشتے طواف کرتے ہیں جو اُس پر آتے ہیں اور ازدحام کرتے ہیں۔

۱۳- اگر میں اُن کو زندہ دیکھتا تو اُن سے کہتا آپ نہ چلیں گے مگر میرے رُخساروں پر۔

۱۴- اللہ نے آپ کے ذریعہ قوم کو ہدایت کی اُن کے لئے کہنے والے نے کہا۔ مدینہ کی سرزمین میں جبکہ قبر نے اُن کو پہلو میں لے لیا۔

۱۵- اگر احمد وفات پا گئے ہیں اللہ اُن کا خالق زندہ ہے ہم اُس کی عبادت کرینگے جب تک سلم (درخت) پر پتّے آتے رہیں گے۔

چوتھا باب

علماء کی تصریحات کے بارے میں کہ قبر النبیؐ کی زیارت مستحب ہے اور اس پر تمام مُسلمانوں کا اتفاق ہے

قاضی عیاض نے فرمایا کہ قبر النبیؐ کی زیارت مسلمانوں میں مجمع علیہ سنّت ہے اور اُس کی فضیلت پسندیدہ چیز ہے۔ قاضی ابو الطیب نے فرمایا حج اور عمرہ کے بعد قبر النبیؐ کی زیارت کرنا مستحب ہے۔ محاملی نے "تجرید" میں فرمایا حاجی کے لئے مستحب ہے کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد وہ قبر النبیؐ کی زیارت کرے ابو عبد اللہ الحسین الحلیمی نے اپنی کتاب "اَلْمِنْہَاج" میں فرمایا آنحضور کی زندگی میں تو اُن کی تعظیم کے طریقے وہ تھے جو صحابہ کرام نے اختیار کئے اب اُن کی تعظیم کا طریقہ یہی ہے کہ قبر کی زیارت کی جائے۔ ماوردی نے "اَلحَاوِی" میں فرمایا آنحضور کی قبر کی زیارت کا حکم ہے اور وہ مستحب ہے ماوردی نے "اَلاَحکَامُ السُّلطَانِیَہ" میں حاجیوں پر والی مقرّر کرنے کے سلسلے میں فرمایا متولّی کے لئے شرط ہے کہ وہ مُطاع، ذی رای، شجاع ہو اور دیگر شرائط کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا۔ جب لوگ حج کر چکیں تو اُن کو کچھ مہلت دے اور جب واپس ہوں تو اُن کو مدینہ طیبہ والے راستہ سے واپس لے کر لوٹے تاکہ اُن کو حج کے ساتھ قبر النبیؐ کی بھی زیارت حاصل ہو جائے اور یہ اگرچہ حج کے ارکان میں سے نہیں ہے لیکن شرعی مستحبات میں سے ہے اور حاجیوں کی اچھیّ عادتوں میں سے ہے۔

صاحب "اَلمُہذَّب" نے فرمایا قبر النبیؐ کی زیارت مستحب ہے القاضی حسین نے فرمایا جب حج سے فارغ ہو تو سنّت ہے کہ مُلتزم کے پاس کھڑا ہو کر دعا کرے پھر زمزم پیئے پھر مدینہ آئے اور حضور کی قبر کی زیارت کرے۔ رؤیانی نے کہا جب حج سے فارغ ہو جائے تو مستحب ہے کہ قبر النبیؐ کی زیارت کرے۔

احناف کے نزدیک تو قبر النبیؐ کی زیارت مستحبات میں سب سے زیادہ افضل بلکہ درجہ وجوب سے قریب تر ہے ابو منصور محمد ابن مکرّم کرمانی نے اپنے "مناسک" میں اور عبد اللہ ابن محمود نے "شرح المختار" میں اِس کی تصریح کی ہے اور فتاوی ابو اللیث سمرقندی میں حسن ابن زیاد کی روایت سے منقول ہے کہ امامِ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ حاجی کے لئے مناسب ہے کہ پہلے مکّہ جائے جب وہاں کے ارکان ادا کر چکے تو مدینہ جائے اور اگر پہلے مدینہ ہو آئے یہ بھی جائز ہے۔ مدینہ پہنچ کر آنحضور کی قبرِ مبارک پر جائے قبلہ اور قبر کے درمیان اِس طرح کھڑا ہو کہ اُس کا رُخ قبر کی جانب ہو۔ حضور پر صلوٰۃ و سلام پڑھے اور حضرت ابو بکر و عمر پر بھی سلام پڑھے اور اُن کے لئے رحمت کی دعا کرے۔ ابو العبّاس السروجی نے "الغایۃ" میں لکھا ہے جب حج یا عمرہ کرنیوالے مکّہ سے واپس ہوں تو مدینہ طیبہ پہنچ کر قبر النبیؐ کی زیارت کریں یہ اُس کی ایک قابلِ تعریف کوشش ہوگی حنابلہ نے بھی اِس طرح کی تصریحات کی ہیں۔ ابو الخطّاب محفوظ حنبلی نے "کتاب الہداتیہ" میں فرمایا حاجی جب حج سے فارغ ہو جائے تو اُس کے لئے آنحضور اور صاحبین کی قبر کی زیارت مستحب ہے۔ ابو عبد اللہ محمد ابنِ عبد اللہ السامری الحبنلی نے کتاب "المستوعب" میں فرمایا جب مدینۃ الرسول پر پہنچے۔ اُس کے لئے مستحب ہے کہ مدینہ میں داخلہ کے وقت غسل کرے پھر مسجدِ نبوی میں پہنچے اور داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے داخل کرے۔ پھر قبر النبیؐ کی دیوار کے پاس پہنچ کر اس طرح کھڑا ہو کہ قبر النبیؐ سامنے ہو اور قبلہ پشت کی جانب ہو اور منبر النبیؐ بائیں جانب ہو اور پھر دعا و صلوٰۃ و سلام کی کیفیت بیان کرنے کے بعد فرمایا یہ بھی کہے اے اللہ تو نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے "اور اگر اُن لوگوں نے جس وقت اپنا برا کیا تھا تیرے در پر آتے پھر اللہ سے بخشواتے اور رسول اُن کو بخشواتا تا اللہ کو پاتے معاف کرنیوالا مہربان" (سورہ النساء-۶۴) اور کہے اب میں تیرے نبی کے پاس مغفرت چاہنے کے لئے حاضر ہوا ہوں اور تجھ سے درخواست کرتا ہوں تو اپنی مغفرت میرے لئے ثابت کر دے جس طرح تو نے اُن کے لئے مغفرت ثابت کی ہے جو اُن کی زندگی میں مغفرت کے لئے آئے اے اللہ میں تیری طرف تیرے نبی کے واسطہ سے متوجہ ہوں۔ اِس کے بعد جب واپسی کا ارادہ کرے دوبارہ قبر النبیؐ پر حاضر ہو کر رخصت ہو۔ دیکھئے یہ مصنّف حنبلی ہیں اور مُنکرِ زیارتِ قبر النبیؐ بھی حنبلی ہیں۔ انھوں نے کس قدر صراحت کے ساتھ زیارتِ قبر النبی کا ذکر کیا ہے اور نبی کے واسطہ سے توجہ الی اللہ کو بیان کیا ہے۔ اِسی طرح ابو منصور کرمانی حنفی نے کہا ہے کہ اگر تجھ سے کسی نے آنحضور تک سلام پہنچانے کی درخواست

کی ہے تو تجھے قبر النبیؐ پہنچ کر کہنا چاہیئے۔ اے رسول آپ پر فلاں ابن فلاں کی جانب سے سلام ہو اور وہ آپ سے اللہ کے دربار میں رحمت اور مغفرت کی سفارش چاہتا ہے آپ اُس کی سفارش کر دیجئے۔ اِس مسئلہ کے لئے ہم انشاء اللہ ایک مفصّل باب قائم کرینگے۔ نجم الدین ابن حمدان حنبلی نے "اَلرِّعَایَۃُ اَلکُبرٰی" میں فرمایا۔ جو شخص حج سے فارغ ہو اُس کے لئے نبی اور صاحبین کی قبور کی زیارت مسنوُن ہے اور اگر وہ چاہے تو حج سے پہلے زیارت کرلے۔

ابنِ جوزی نے اپنی کتاب "مثیر العزم الساکن" میں فرمایا اور یہ حنابلہ کی معتبر ترین کتاب ہے۔ قبر النبیؐ کی زیارت مستحب ہے اور ابن عمر کی حدیث بطریقِ دار قطنی وغیرہ اور ابو ہریرہ کی حدیث بطریقِ احمد "جو کوئی مسلمان میری قبر کے پاس آکر سلام کرے گا اُس کے لئے مجھ پر شفاعت ضروری ہو گئی" ذکر کی ہے۔ اِسی طرح موالک کی بھی تصریحات ہیں اور ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ قاضی عیاض نے اِس مسئلہ کو اجماعی قرار دیا ہے۔ اور عبد الحق نے "تہذیب المطالب" میں شیخ ابو عمران مالکی کی جانب سے نقل کیا ہے کہ زیارتِ قبر النبیؐ واجب ہے۔ اور عبد الحق نے اسی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ شیخ ابو محمد بن ابی زید سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ اگر کسی نے کسی کے ذریعہ حج کرایا اور اُس کو حج و زیارت کے لئے خرچہ دیا۔ اَب وہ شخص حج کر کے لوٹ آیا اور کسی عذر کی وجہ سے مدینہ طیبّہ نہ جا سکا تو کیا ہو۔ اُنھوں نے جواب میں فرمایا۔ زیارت پر جو خرچ ہوتا اُس شخص کو وہ واپس کرنا ہو گا اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ اُس پر ضروری ہو گا کہ وہ اُس نائب کو لوٹائے تاکہ وہ زیارت کر کے واپس آئے۔ یہ وہی عبد الحق ہیں جنھوں نے شیوخِ قیروان اور شیوخِ صیقلیہ سے فقہ حاصل کیا ہے۔

ماوردی نے "الحاوی" میں ذکر کیا ہے کہ ہمارے اصحاب نے ذکر کیا ہے کہ کسی کو اُجرت پر زیارت کے لئے بھیجنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ کام غیر معیّن اور غیر مقدر ہے اور اگر مزدوری محض قبر النبیؐ کے پاس کھڑے ہونے کی قرار دی جائے تو یہ بھی درست نہیں ہے۔ اِس لئے کہ مجرّد کھڑے رہنے میں قائم مقامی درست نہ ہوگی۔ اور اگر اُجرت اِس بات کی قرار دی جائے کہ وہ قبر النبیؐ پر پہنچ کر دعا کرے گا تو یہ درست ہے اِس لئے کہ دعا میں قائم مقامی درست ہے اور اِس دعا کی مقدار کی جہالت اِس اجارہ کو باطل نہ کرے گی۔ ہاں ایک تیسری صورت بھی ہے

جس کو ماوردی نے بیان نہیں کیا اور وہ سلام پہنچانا ہے تو اِس اجارہ اور مزدوری کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے۔ جیسا کہ عمرؓ ابن عبد العزیز کیا کرتے تھے اور بظاہر موالک کی یہی مراد ہے۔ ورنہ مزدور کے جا کر کھڑے ہو جانے سے بھیجنے والے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور ہم عنقریب ابن المواز کے حوالہ سے امامِ مالک کی تصریح کا ذکر کریں گے کہ اُس اجیر کو چاہیئے کہ وہ حضور کی قبر کے پاس کھڑا ہو اور دعا کرے جس طرح بیت اللہ کے پاس وداع کے وقت دُعا کرتے ہیں۔ ابن ابی زید نے "کتاب النوادر" میں ابن جبیب کے کلام سے اور امامِ مالک کے مجموعہ سے اور ابن القرظی کے کلام سے زیارۃ القبور کی بحث ذکر کرنے کے بعد کہا اور شہدائے اُحد کی قبور کے پاس جائے اور اُسی طرح سلام پڑھے جس طرح حضور کی قبر اور اُن کے دونوں ساتھیوں کی قبر پر سلام پڑھا تھا۔ ابو الولید ابن رشد المالکی نے "شرح العتبیہ" میں سوال کے جواب میں اُس شخص کے سلام کے بارے میں کہا جو آنحضور کی قبر کے پاس سے گذرے۔ ہاں اُس پر ضروری ہے کہ وہ سلام پڑھے جب وہاں سے گذرے لیکن جب نہ گذر رہا ہو تو پھر ضروری نہیں ہے لیکن اِس کی کثرت مناسب نہیں ہے اِس لئے کہ حضور نے فرمایا تھا "اے اللہ میری قبر کو بُت نہ بنا دینا جس کی عبادت کی جائے" اور فرمایا "اللہ تعالیٰ کا اُن لوگوں پر سخت غضب ہے جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو مساجد بنا لیا ہے" جب وہاں سے نہ گذر رہا ہو تو سلام نہ پڑھنے کی گنجائش ہے اُن سے یہ دریافت کیا گیا کہ اگر مسافر ہر روز قبر النبیؐ پر حاضری دے؟ اُنھوں نے فرمایا۔ یہ مناسب نہیں ہے ہاں واپسی کے روز جا کر سلام پڑھ لے۔ محمد ابن رشد نے کہا۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ جتنی بار گذرے گا اُس کو سلام پڑھنا ہو گا۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ضرور گذرے ہاں جب مدینہ سے لَوٹے تو ضرور وہاں جائے۔ یہ مکروہ ہے کہ کثرت سے وہاں سے گذرے اور کثرت سے سلام پڑھے اِس لئے کہ حضور نے خود فرما دیا ہے "میری قبر کو معبود بُت نہ بناؤ اور خدا کا اُن پر سخت غضب ہے جو اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنا دیتے ہیں" یعنی مسجد کی طرح روز مرّہ اُن پر حاضری ضروری سمجھتے ہیں۔ دیکھیئے پردیسی پر رخصتی کے وقت حاضری کا حکم دیتے ہیں تو سلام کی بھی لامحالا اجازت ہو گی۔ کثرت سے آنے جانے کو مکروہ قرار دیا ہے اور زیارت کا اصلاً مستحب ہونا متّفق علیہ ہے۔

قاضی عیاض نے "شفاء" میں سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ امیرالمومنین ابوجعفر کی حضرتِ امامِ مالک سے مسجدِ نبوی میں گفتگو ہوئی امام مالک نے فرمایا۔ امیرالمومنین اِس مسجد میں زور سے نہ بولئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اونچی نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے" (حجرات ۲)۔ اور تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے "جو لوگ دبی آواز سے بولتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہی ہیں جن کے دل جانچے ہیں اللہ نے ادب کے واسطے"۔ (حجرات ۳) اور زور سے پکارنے والوں کی... مذمت میں فرمایا "جو لوگ پکارتے ہیں تجھ کو دیوار کے باہر سے وہ اکثر عقل نہیں رکھتے" (حجرات ۴) اور آنحضور کا احترام جس طرح زندگی میں ضروری تھا وفات کے بعد بھی اِسی طرح ضروری ہے۔ اِس پر ابوجعفر شرمندہ ہوگیا اور کہا اے ابوعبداللہ میں قبلہ کا استقبال کر کے حضور کی قبر کے پاس دُعا کروں یا دُعا میں حضور کی قبر کا استقبال کروں۔ امامِ مالک نے فرمایا۔ آنحضور کی قبرِ مبارک سے رُوگردانی کیوں کرتے ہو جبکہ حضور کی ذاتِ گرامی تمہارا اور تمہارے باپ حضرت آدم کا قیامت کے دن اللہ کے لئے وسیلہ ہوگی۔ اُن کی طرف مُنہ کرو اور اُن کے ذریعہ شفاعت چاہو اللہ تعالیٰ اُن کی شفاعت قبول کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "اگر وہ لوگ جس وقت ظلم کرتے ہیں جانوں اپنی کو آویں تیرے پاس پھر بخششیں مانگتے اللہ سے" (النساء ۶۴)۔ امامِ مالک کے اِس کلام کو دیکھو کس عمدہ طریقہ پر زیارت اور توسّل اور حضور کے ساتھ حسنِ ادب کا بیان فرمایا ہے۔ قاضی عیاض نے فرمایا۔ ابنِ حبیب نے کہا ہے۔ اور جب مسجد النبیؐ میں داخل ہو تو کہے۔ بسم اللہ اور سلام ہو رسول اللہ پر۔ سلام ہو ہم پر ہمارے رب کی جانب سے اور صلوٰۃ ہو اللہ کی جانب سے اور ملائکہ کی جانب سے محمدؐ پر۔ اے اللہ مغفرت فرمادے میرے لئے میرے گناہوں کی اور کھول دے میرے لئے اپنے رحمت اور جنّت کے دروازے اور شیطان مردود سے میری حفاظت فرمادے۔ پھر رَوْضَۃٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ میں جائے اور یہ مسجد کا وہ حصّہ ہے جو منبر اور قبر النبیؐ کے درمیان واقع ہے۔ اس میں دو رکعت نماز پڑھے پھر قبر کے نزدیک متواضع ہوکر دل جمعی کے ساتھ حضور پر درود بھیجے اور جو تعریف بھی دل میں آئے وہ کرے اور ابوبکر و عمر پر سلام پڑھے اور اُن کے لئے دعا کرے اور مسجدِ قباء اور شہداءِ اُحد کی قبور پر جانے میں کوتاہی نہ کرے۔ امامِ مالک نے "کتاب محمدؒ" میں فرمایا ہے کہ جب مدینہ میں داخل ہو اور

جب مدینہ سے لوٹے اور قیام کے دوران آنحضور کی قبر پر صلوٰۃ وسلام پڑھے۔

امامِ محمدؒ نے فرمایا۔ جب واپس ہو تو آخری کام قبر پر حاضری ہو۔ اور ایسا ہی ہر مدنی کو سفر کے وقت کرنا چاہیئے۔ اور امامِ مالک نے "مبسوط" میں فرمایا۔ مدینہ کا باشندہ جب مسجد میں داخل ہو یا نکلے اُس کے لئے قبر پر کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ پردیسیوں کو کرنا چاہیئے۔ ہاں اگر کوئی مدنی سفر میں جائے یا سفر سے واپس آئے تو وہ قبر النبیؐ پر حاضر ہوکر درود پڑھے اور دعا کرے اور ایسا ہی ابوبکر و عمرؓ کے لئے کرے۔ اُن سے کہا گیا کہ بعض مدنی نہ سفر میں گئے نہ سفر سے آئے اور قبر پر حاضری دیتے ہیں یا جمعہ جمعہ حاضری دیتے ہیں۔ یا دن میں دو تین مرتبہ حاضر ہوکر تھوڑی دیر سلام وصلوٰۃ پڑھتے ہیں تو امامِ مالک نے فرمایا یہ ہمارے شہر کے کسی فقیہ کا عمل نہیں ہے اور ایسا نہ کرنے کی گنجائش ہے۔ اور فرمایا اِس امّت کے اخیر کی وہی چیزیں اصلاح کر سکتی ہیں جن چیزوں نے اولِ امّت کی اصلاح کی ہے۔ ہم نے اپنے بزرگوں کا اِس طرح کا عمل نہ دیکھا نہ سُنا۔ اور قبرِ مبارک پر حاضری صرف اُس کے لئے ہے جو سفر میں جائے یا سفر سے واپس آئے ورنہ مکروہ ہے۔ ابن القاسم نے فرمایا۔ میں نے اہلِ مدینہ کو سفر میں جاتے وقت یا واپسی پر ایسا کرتے دیکھا ہے اور یہی میری رائے ہے۔ باجی نے فرمایا اِن لوگوں نے صلوٰۃ وسلام کے بارے میں اہلِ مدینہ اور پردیسیوں میں فرق کیا ہے اِس لئے کہ پردیسی تو اِسی مقصد کے لئے مدینہ آتے ہیں اور مدنی اِس غرض کے لئے وہاں مقیم نہیں ہوئے ہیں۔ یہاں تک قاضی عیاض کا قول تھا۔ اب باجی کے قول پر غور کیجئے۔ وہ کہتے ہیں کہ پردیسی اِس قصد سے سفر کر کے آتے ہیں تو معلوم ہوا کہ اُن کے نزدیک صلوٰۃ وسلام کے قصد سے مدینہ کا سفر کرنا جائز ہے۔ امامِ مالک کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ اُن کے نزدیک زیارتِ قبر النبیؐ ایک ثواب کا کام ہے۔ لیکن وہ اپنی عادت کے مطابق کثرت سے حاضری وصلوٰۃ وسلام کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔ اِس لئے یہ کثرت بسا اوقات فعلِ ممنوع تک پہنچ جاتی ہے۔ بقیہ تینوں امام زیارت کو مستحب قرار دیتے ہیں اور اُس کی کثرت کو بھی مستحب قرار دیتے ہیں۔ اِس لئے کہ کسی خیر کی کثرت خیر ہی ہوگی۔ غرضیکہ مجرّد زیارت کو سب ائمہ مستحب قرار دیتے ہیں یہ "کتاب النوادر" میں مذکور ہے۔ زیارت کرنے والے

کو چاہیئے کہ وہ شہداءِ اُحد کی قبور پر حاضری دے اور اِسی طرح صلوٰۃ وسلام پڑھے جس طرح حضور کی اور ابوبکر و عمرؓ کی قبور پر پڑھا تھا۔ ابو محمد عبدالکریم مالکیؒ نے اپنی "مناسک" میں (جس کے بارے میں اُنھوں نے کہا ہے کہ میں نے اُمامِ مالک کی مشہور روایتیں لکھی ہیں) لکھا ہے۔ جب تمہارا حج وعمرہ شرعی اعتبار سے مکمل ہو جائے تو اِس کے بعد صرف مسجدِ نبوی میں آنحضور پر سلام کے لئے حاضر ہونا اور وہاں دعا کرنا اور صاحبین پر سلام بھیجنا اور بقیع میں پہنچ کر صحابہ اور تابعین کی قبروں کی زیارت کرنا اور مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنا باقی رہا ہے جو ان باتوں پر قادر ہو اُس کو یہ باتیں نہ چھوڑنی چاہئیں۔ عبدی نے "شرح الرّسالہ" میں لکھا ہے کہ مسجدِ حرام یا مکّہ جانے کی مَنّت ماننا درست ہے اِس لئے کہ اُن کی اصل شرعاً حج وعمرہ موجود ہے اور مدینہ جانے کی مَنّت ماننا زیارتِ قبر النبیؐ کے لئے کعبہ اور بیت المقدس کی مَنّت سے افضل ہے۔ جب کوئی شخص اِن تینوں مسجدوں تک جانے کی منّت مانتا ہے تو کعبہ کی مَنّت پر اتّفاق ہے کہ وہ لازم ہو جاتی ہے اور مسجدِ نبوی اور مسجدِ بیت المقدس کی مَنّت کے بارے میں ائمہ میں اختلاف ہے

میں کہتا ہوں جس اختلاف کی طرف عبدی نے اشارہ کیا ہے وہ مسجدِ بیت المقدس اور

ؔ زیارت قبر النبی کے سلسلے میں امام سُبکی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ بتایا کہ اُن کے نزدیک زیارتِ قبر النبیؐ ایک ثواب کا کام ہے لیکن وہ اپنی عادت کے مطابق کثرت سے حاضری اور صلوٰۃ وسلام کو ممنوع قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کثرت بسا اوقات فعلِ ممنوع تک پہنچا دیتی ہے۔ اِس کے جواب میں امام سُبکی نے فرمایا کہ کسی خیر کی کثرت خیر ہی ہوتی ہے۔ امام سُبکی کا یہ فرمانا ہمارے لئے غور طلب ہے۔ ہم اس سلسلہ میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں جس سے اِس مسئلہ پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ بخاری شریف کی جلد دوم کتاب الزکوٰۃ باب الصّدقہ علی الیتامیٰ و باب مایحذّر من زہرۃ الدنیا میں مذکور ہے۔ آنحضور نے ایک خطبہ کے دوران فرمایا دنیا کی کشادگی اور رونق جو تمہیں حاصل ہوگی اُس سے میں تمہارے بارے میں ڈر رہا ہوں۔ اِس پر ایک صحابی نے عرض کیا۔ حضور یہ تو ہمارے لئے ایک خیر ہوگی کیا خیر سے بھی شر پیدا ہوتا ہے۔ اِس پر حضور خاموش ہو گئے۔ ہمیں محسوس ہوا کہ حضور پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ حضور نے پیشانی سے پسینہ پونچھا پھر فرمایا وہ سوال کرنے والے صاحب کہاں ہیں اور انداز یہ تھا کہ گویا آنحضور اُس کے سوال پر اُس کے مدّاح ہیں۔ پھر فرمایا دیکھو خیر اپنی جگہ خیر ہے اُس سے شر پیدا نہیں ہوتا اور پھر حضور نے ایک مثال دے کر مسئلہ سمجھایا۔ فرمایا دیکھو موسمِ ربیع میں جو سبزہ پیدا ہوتا ہے (وہ ایک خیر ہے) ایک جانور تو وہ ہے جو اُس سبزہ کو مسلسل کثرت سے کھا رہا ہے تو اُس کا پیٹ پھُولے گا اور وہ مر جائے گا یا مرنے کے قریب ہو جائے گا (اس کے لئے یہی سبزہ جو خیر تھا شر بن گیا)، ایک جانور وہ ہے جس نے وہ سبزہ بقدرِ ضرورت چرا اور پھر دھوپ میں جا کھڑا ہوا جگالی کی لید اور پیشاب کیا اور پھر کھانے آیا۔ (اُس کے لئے یہ سبزہ خیر ہی رہے گا) تو حضور کے فرمان کا خلاصہ یہ نکلا کہ اگر خیر کو خیر کے طریقہ پر کیا جائے تو وہ خیر ہے ورنہ وہی خیر شر بن جاتا ہے۔ (مترجم)

مسجدِ مدینہ کے بارے میں ہے نہ کہ زیارتِ قبر النبیؐ کے بارے میں۔ یہ ہیں چاروں مذہبوں کے اقوال اور تصریحات جو میں نے ذکر کیں۔ اِسی طرح کے صحابہ اور تابعین اور بعد کے بزرگوں کے اقوال ہیں۔ حضرتِ عبداللہ ابن عمرؓ کے بارے میں مختلف سندوں سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ قبر النبیؐ پر حاضر ہوتے اور صلوٰۃ وسلام پڑھتے تھے۔ کسی شخص نے حضرتِ نافع سے دریافت کیا تھا کہ ابن عمرؓ قبر النبیؐ پر سلام پڑھتے تھے تو اُنھوں نے کہا ہاں میں نے سینکڑوں بار دیکھا ہے۔ وہ قبر پر پہنچتے تھے اور کہتے تھے کہ نبی پر سلام ہو، ابوبکر پر سلام ہو، اَبّا جان پر سلام ہو۔ مؤطّا میں یہ روایت مذکور ہے کہ ابن عمرؓ قبر النبیؐ پر قیام کرتے تھے اور آنحضور و ابوبکر و عمرؓ پر درود پڑھتے تھے۔ عبدالرزاق نے اپنے "مُصنّف" میں ذکر کیا ہے سلام علی قبر النبیؐ کے سلسلہ میں بہت سے آثار ہیں اُن میں سے اسنادِ صحیح کے ساتھ ہے کہ ابن عمرؓ جب سفر سے واپس آتے تھے تو قبر النبیؐ پر پہنچتے تھے اور کہتے تھے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَا بَکْرٍ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبِیْ۔ عبدالرزاق نے اس باب میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ سعید ابن المسیّبؒ نے کچھ لوگوں کو قبر النبیؐ پر سلام پڑھتے ہوئے دیکھا تو کہا۔ کوئی نبی زمین میں چالیس روز سے زیادہ نہیں رہتا۔ (یعنی حضور بھی چالیس دن سے زیادہ قبر میں نہیں رہے لہٰذا اب قبر پر سلام پڑھنا بیکار ہے) پھر عبدالرزاق نے آنحضور کا قول نقل کیا۔ حضور نے فرمایا کہ جس رات معراج ہوئی میں موسیٰ کے پاس سے گزرا وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اُن کا اِس قول کو نقل کرنے سے مقصد ابن المسیّب کے قول کی تردید ہے جو بہترین رَد ہے۔ حضرتِ عثمانِ غنی نے جبکہ گھر میں محصور تھے اور کچھ لوگوں نے اُن کو شام کی طرف چلے جانے کا مشورہ دیا تھا، فرمایا تھا کہ میں دار الہجرہ اور حضور کے پڑوس کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ حضرتِ عثمان کے اِس قول سے بھی ابن المسیّب کی بات کی تردید ہوتی ہے۔ اور اگر ابن المسیّب کے قول کو صحیح بھی قرار دیا جائے تو بھی یہ زیارتِ قبر کے استحباب کے مخالف نہیں ہے۔ چونکہ بہر حال آنحضور کی نسبت سے اُس جگہ کو شرف حاصل ہے۔ ایک شاعر نے کہا ہے ؎

۱۔ اَمُرُّ عَلَی الدِّیَارِ دِیَارِ لَیْلٰی   اُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارَ وَ ذَا الْجِدَارَا

۲۔ وَمَا حُبُّ الدِّیَارِ شَغَفْنَ قَلْبِیْ   وَلٰکِنْ حُبُّ مَنْ سَکَنَ الدِّیَارَا

۱۔میں لیلیٰ کے مکانات پر سے گذرتا ہوں تو اِس دیوار اور اُس دیوار کو بوسہ دیتا ہوں۔

۲۔مکانات کی محبت نے میرے دل کو نہیں گھیرا، ہاں اُس کی محبت نے جو اِن مکانات میں رہا۔

قاضی عیاض نے "شفا" میں فرمایا۔بعض راویوں نے بیان کیا کہ ہم نے حضرتِ انس ابن مالک کو دیکھا کہ وہ قبر النبیؐ پر آئے تو اپنے ہاتھ اُٹھائے جس سے ہمیں شبہ ہوا کہ وہ نماز کی نیّت باندھ رہے ہیں۔ پھر حضور پر سلام پڑھا اور واپس ہو گئے۔" مسندِ امامِ ابو حنیفہ" میں سندِ متّصل سے منقول ہے کہ ایوب سختیانی تشریف لائے قبر النبیؐ کے قریب پہنچے۔ قبر کی طرف رُخ کیا اور پھوٹ پھوٹ کر خوب روئے۔ ابراہیم الحربی نے اپنے "مناسک" میں فرمایا۔ قبلہ کی جانب پشت کرو اور وسطِ قبر کی جانب رُخ کرو پھر کہو اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ابنِ بطّال نے کہا حضورؐ کے قول "میرے گھر اور ممبر کے درمیان جنّت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے" کا مطلب یہ ہے کہ یہاں ذکر اور علم کے حلقے کرو اور اُن سے روحانی غذا حاصل کرو اور اُس میں قبر النبیؐ کی زیارت اور مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے کی ترغیب ہے۔

اِس مسئلہ میں اگر ہم صحابہ کے تمام آثار اور علماء کے اقوال کو ذکر کریں تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔اب اگر کوئی یہ کہے کہ امامِ مالک نے "زُرْنَا قَبْرَ النَّبِیِّ" کے قول کو مکروہ قرار دیا ہے تو میں کہتا ہوں قاضی عیاض نے فرمایا۔ امامِ مالک کے اِس قول کے معنیٰ مختلف طریقوں سے بیان کئے گئے ہیں۔کچھ لوگوں نے کہا کہ امامِ مالک نے لفظ زیارت کی وجہ سے اِس قول کو مکروہ قرار دیا ہے چونکہ بعض احادیث میں وارد ہے۔قبر کی زیارت کرنے والیوں پر خدا کی پھٹکار ہے۔ قبر پر حاضری اور سلام کو مکروہ قرار نہیں دیا گیا ہے۔ یہ توجیہ مناسب نہیں اِس لئے کہ دوسری حدیث میں یہ بھی مذکور ہے "میں نے تمہیں قبور کی زیارت سے منع کیا تھا آگاہ اب زیارت کیا کرو۔" اور حضور کا ارشاد ہے "جس نے میری قبر کی زیارت کی"۔ بعض لوگوں نے کہا امامِ مالک نے اِس قول کو اِس بنا پر مکروہ سمجھا ہے کہ زائر مزور سے افضل ہوتا ہے لیکن یہ توجیہ بھی مناسب نہیں ہے اِس لئے کہ احادیث میں مذکور ہے۔ اہلِ جنّت اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے تو اہلِ جنّت زائر اور اللہ تعالےٰ مزور ہوا۔بعض لوگوں نے کہا کہ امامِ مالک کی کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اُس میں زیارت کی اضافت قبر کی جانب ہے اور اگر زُرْتُ النَّبِیَّ کہا جاتا تو وہ مکروہ نہ سمجھتے۔چونکہ آنحضور نے یہ فرمایا ہے کہ

"اے اللہ میری قبر کو بُت نہ بنانا" لیکن یہ توجیہ بھی غیر معقول ہے اِس لئے کہ حدیث میں ہے "جس نے میری قبر کی زیارت کی"، ہاں اگر یہ کہا جائے کہ امامِ مالک کو یہ حدیث[1] نہ پہنچی ہو گی تو یہ توجیہ چل سکتی ہے۔عبدالحق صقلی نے ابو عمران مالکی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امامِ مالک نے قول زُرْنَا قَبْرَ النَّبِیِّ کو اس لئے مکروہ سمجھا ہے کہ زیارت تو ایسا فعل ہے چاہے کوئی کرے چاہے نہ کرے اور آنحضور کی قبر پر حاضری واجب ہے یعنی سُنَنِ وَاجِبَۃ میں سے ہے لہٰذا یہ مناسب نہیں ہے کہ آنحضور کی قبر پر حاضری کو زیارت سے تعبیر کیا جائے جو زندوں کے لئے بایں معنیٰ بولا جاتا ہے کہ چاہے وہاں جائے چاہے نہ جائے نبی کی ذات اِس سے اشرف اور اعلیٰ ہے کہ اُس کے لئے زیارت کا لفظ بولا جائے۔ ابو عمران مالکی اور قاضی عیاض کی توجیہات میں کافی فرق ہے۔ ابو عمران کا قول چاہتا ہے کہ زُرْتُ النَّبِیَّ اور زُرْتُ قَبْرَ النَّبِیِّ دونوں کراہت میں یکساں ہیں جبکہ قاضی عیاض دونوں میں فرق کرتے ہیں۔

ابن رشد نے فرمایا کہ امامِ مالک نے فرمایا ہے۔میں زیارتِ بیت حرام کو زیارت کہنا مکروہ سمجھتا ہوں۔اِسی طرح لوگوں کے اِس مقولے زُرْتُ النَّبِیَّ کو بھی مکروہ سمجھتا ہوں۔ابن رشد نے کہا کہ لفظ زیارت اموات کے لئے مستعمل ہے تو اُنھوں نے آنحضور کے بارے میں اِس لفظ کے استعمال کو اِسی طرح مکروہ سمجھا جیسا کہ وہ اَیَّامَ التَّشْرِیْقِ بولنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور اُس کے بجائے "اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ" کہنا پسند کرتے تھے یا عشاء کی بجائے لفظ عَتَمَہ کو مکروہ سمجھتے یا طواف افاضہ کی بجائے طواف الزیارہ کہنا ان کو پسند نہ تھا۔امامِ مالک کے قول کی تاویل میں ابن رشد کا کلام زیادہ پسندیدہ ہے اِس لئے کہ ابن المواز نے اپنی کتاب "کِتَابُ الْحَجِّ" کے باب مَاجَاءَ فِي الْوَدَاعِ کے ماتحت بیان کیا ہے کہ اشہب نے کہا ہے کہ امام مالک سے عمرہ کرنے والے کے لئے دریافت کیا گیا کہ جب وہ واپسی کا ارادہ کرے کیا اُس پر وداع ضروری ہے؟ اُنھوں نے کہا اُس کو اختیار ہے پھر فرمایا۔مجھے وداع کا لفظ پسند نہیں ہے۔طواف کہو قرآن نے وَلْيَطَّوَّفُوْا کہا ہے۔اِسی طرح مجھے لفظ زیارت پسند نہیں۔

---

[1] امامِ مالک رحمۃ اللہ علیہ نے "زُرْتُ قَبْرَ النَّبِیِّ" کہنے کو مکروہ کہا ہے۔امام سُبکی نے اُن کے اس قول کی مختلف توجیہات نقل کی ہیں اُن میں ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ امامِ مالک کو حدیث مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ" نہ پہنچی ہو گی۔یہ توجیہ بالکل بعید از عقل ہے۔امامِ مدینہ اور خاص مدینہ کا اہم فقیہ اور امام کو یہ حدیث یا وہ تمام احادیث جن میں لفظ زیارت آیا ہے نہ معلوم ہوں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔اِسی طرح بعض جگہ امام سُبکی نے فرمایا ہے کہ امامِ مالک کو وہ دلائل معلوم نہیں ہوئے جو خاص قبر النبیؐ کی زیارت کے سلسلہ میں ہیں یہ بھی امرِ غیر معقول ہے۔ (مترجم)

اِسی طرح میں قول زُرتُ النّبیؐ کو پسند نہیں کرتا۔ حضور کی ذات اِس سے اعلیٰ وارفع ہے کہ اُس کی زیارت کی جائے۔ وداع کا لفظ بھی نہ لغت میں ہے نہ قرآن میں بلکہ طواف کا لفظ آیا ہے۔ حضرتِ عمرؓ نے یہی فرمایا کہ آخری عبادت طوافِ کعبہ ہے۔ پھر امامِ مالک سے دریافت کیا گیا کہ آخری طواف میں کعبہ کے پردوں سے چمٹنا چاہیئے۔ اُنھوں نے فرمایا بس وقوف و دعا کرنی چاہیئے۔ پھر اُن سے عرض کیا گیا کہ قبر النبیؐ کے پاس بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ اُنھوں نے کہا بیشک وقوف اور دُعا ہونی چاہیئے۔ "المواَزیۃ" مالکیوں کی معتبر ترین کتاب ہے جس سے میں نے یہ باتیں نقل کی ہیں۔ امامِ مالک کے تمام اقوال کو ملا کر یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ امامِ مالک جس طرح آخری طواف کو مکروہ نہیں کہتے بلکہ اُس کے لئے لفظ وداع کے استعمال کو مکروہ کہا ہے۔ اِسی طرح حضور کی قبر کے معاملہ میں لفظ زیارت کو پسند نہیں کیا ورنہ وہ اِس کے قائل ہیں کہ وہاں قیام کیا جائے اور صلوٰۃ و سلام پڑھا جائے۔ اب اگر کوئی امامِ مالک کی طرف یہ منسوب کرتا ہے کہ وہ آنحضور کی قبر پر حاضری اور صلوٰۃ وسلام کو ممنوع قرار دیتے تھے تو یہ امامِ مالک پر بہتان ہے اور خود اِس قائل کی عقل کا قصور ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ عبدالرزاق نے اپنے "مُصنّف" میں سند کے ساتھ یہ بیان کیا ہے کہ حسن ابن حسن ابن علی نے کچھ لوگوں کو قبر النبیؐ کے پاس دیکھا تو اُن کو روکا اور کہا آنحضور کا ارشاد ہے "میری قبر کو عید نہ بناؤ اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور جہاں کہیں بھی ہو وہاں سے مجھ پر صلوٰۃ وسلام پڑھ دیا کرو وہ مجھ تک پہنچ جائے گا"۔ قاضی اسماعیل نے اپنی کتاب "فَضْلُ الصَّلوٰۃِ عَلَی النَّبیِّ" میں سندِ مُتصل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ امامِ زین العابدین نے دیکھا ایک شخص روزمرّہ آکر قبر النبیؐ کی زیارت کرتا ہے اور درود وسلام پڑھتا ہے۔ اِس پر امام زین العابدین نے اُس کو جھڑکا اور فرمایا تم ایسا کیوں کرتے ہو۔ لاؤ میں تمہیں آنحضور کی حدیث سُناؤں۔ حضور نے فرمایا ہے کہ "میری قبر کو عید نہ بناؤ اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر وہیں سے درود وسلام بھیج دیا کرو وہ مجھ تک پہنچ جائے گا"۔ اِس قصّہ سے معلوم ہوا کہ امامِ زین العابدین نے اُس کو اِس لئے جھڑکا تھا کہ وہ اِس معاملہ میں حد سے تجاوز کر رہا تھا اور مسنون طریقہ کو چھوڑ رہا تھا۔ تو امامِ زین العابدین کا قول بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ امام مالک کا قول تھا۔ ورنہ سلف میں کسی سے کیسے ممکن ہے کہ مُطلقِ

زیارتِ قبر پر اعتراض کرے اور خصوصاً آنحضورؐ کی قبرِ مبارک کی زیارت کو مکروہ قرار دے۔ اب حضور کا یہ ارشاد کہ "میری قبر کو عید نہ بناؤ"، امامِ سُبکی نے اِس کی سند پر بحث کرنے کے بعد فرمایا۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے اور غالباً صحیح ہے تو شیخ زکی الدین[1] المنذری نے کہا ہے کہ اِس کے معنیٰ میں یہ بھی احتمال ہے کہ قبر النبیؐ پر بکثرت حاضر ہونے کی ترغیب کیلئے یہ حدیث وارد ہوئی ہو یعنی جس طرح کہ عید سال میں صرف دو مرتبہ آتی ہے تم میری قبر پر حاضری کی یہ صورت نہ کرنا بلکہ بکثرت حاضری دینا اور اِس معنیٰ کی تائید اسی حدیث کا دوسرا ٹکڑا کرتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ یعنی وہاں نماز پڑھنا نہ چھوڑو کہ وہ قبرستان کی طرح ہو جائیں جس میں نماز نہیں پڑھی جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں ممکن ہے اس کی مراد یہ ہو کہ میری قبر پر حاضری کا کوئی وقت مخصوص نہ کرو جیسا کہ بعض چیزوں کی زیارت کے لئے دن مخصوص کر دیا جاتا ہے بلکہ جس دن چاہو حاضری دیا کرو۔ اور یہ بھی معنیٰ ہیں کہ میری قبر پر حاضری کے لئے ایسی زیب و زینت نہ کیا کرو جیسا کہ عید کے لئے کرتے ہو۔ محض حاضری سلام وصلوٰۃ و زیارت کے لئے ہونی چاہیئے اُس میں تکلّفات شامل نہ کئے جائیں۔

پانچواں باب

اِس بارے میں کہ زیارتِ قبر النّبی ثواب کا کام ہے

یہ بات کتاب اللہ، سنّتِ رسول اللہ، اجماع او قیاس سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

---

[1] لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا کے معنیٰ شیخ زکی الدین المنذری نے یہ بیان فرمائے کہ اِس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ میری قبر کی حاضری کے معاملہ میں عید کا سا معاملہ نہ کرو یعنی جس طرح عید سال میں دو مرتبہ مناتے ہو اِس طرح کا معاملہ میری قبر کے ساتھ نہ کرو یعنی ایسا نہ کرو کہ صرف سال میں دو مرتبہ آیا کرو بلکہ میری قبر پر بکثرت حاضری دیا کرو۔ شیخ منذری کا یہ فرمانا بالکل حدیث کے الفاظ کے برعکس ہے۔ پوری حدیث کے الفاظ یہ ہیں "میری قبر کو عید نہ بناؤ اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ جہاں بھی تم ہو میرے اوپر وہاں سے ہی درود پڑھ دیا کرو وہ درود مجھ تک پہنچ جائے گا" یعنی عید کی طرح میری قبر پر میلہ نہ لگاؤ۔ درود وسلام کے لئے میری قبر پر حاضری ضروری نہیں ہے اپنے گھروں میں رہ کر ذکر اللہ اور درود کا ورد کر لیا کرو۔ گھروں کو قبرستانوں کی طرح ذکر اللہ سے خالی نہ کرو درود دُور سے بھی میرے پاس پہنچ جاتا ہے۔ (مترجم)

"اور اگر اُن لوگوں نے جس وقت اپنا بُرا کیا تھا آتے تیرے پاس پھر اللہ سے بخشواتے اور رسول اُن کو بخشواتا تو اللہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان" (النساء۔۶۴) یہ آیت رسول اللہ کے پاس پہنچنے پر برانگیختہ کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ گنہگار رسول اللہ کے پاس پہنچیں اور وہاں مغفرت چاہیں اور رسول اللہ اُن کی مغفرت کی سفارش کریں۔ یہ آیت اگرچہ حضور کی زندگی میں آئی ہے لیکن یہ حضور کا وہ رُتبہ ہے جو وفات سے بھی نہ گھٹے گا۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضور کے پاس پہنچنا تو حضور سے مغفرت کی دُعا کرانے کے لئے تھا اور یہ بات مرنے کے بعد متصور نہیں۔ اِس بارے میں یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ اِس آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ کا توّاب و رحیم ہونا تین چیزوں پر منحصر ہے۔ [1] حضور کی خدمت میں پہنچنا۔ [2] معافی چاہنا اور [3] آنحضور کا مغفرت کی دعا کرنا۔ جہاں تک حضور کے دعاء کرنے کا تعلّق ہے تو وہ آنحضور آیت" اور معافی مانگ اپنے گناہ کو اور ایماندار مَردوں کو اور عورتوں کو" (سورہ محمد۔ ۱۹) کے مطابق تمام مسلمان مرد و عورتوں کے لئے دعا کر چکے ہیں۔ اِسی لئے عاصم بن سلیمان تابعی نے عبداللہ بن سرجس صحابی سے کہا تھا۔ آپ کے لئے تو حضور نے مغفرت کی دعا کر دی تھی تو اُنھوں نے کہا اور تمہارے لئے بھی۔ پھر اِس آیت کی تلاوت کی تھی تو استغفارِ رسول سب مسلمانوں کے لئے ثابت ہے۔ اب اگر وہ حاضر بھی ہو گئے اور اُنھوں نے استغفار کر لی تو تینوں چیزیں متحقق ہو گئیں جو اللہ کے توّاب اور رحیم ہونے کی شرط تھیں۔ رسول کے استغفار کے لئے یہ نہیں کہا گیا وہ گنہگاروں کے استغفار کے بعد ہو بلکہ مطلقاً رسول کے استغفار کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ کا عطف فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ پر کیا جائے تو بیشک گنہگاروں کا استغفار کرنا رسول کے استغفار کے بعد ہونا ثابت ہو گا۔ لیکن اگر ہم وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ کا عطف جَآءُوْكَ پر کریں تو پھر رسول کے استغفار کا اُن کے استغفار کے بعد ہونا ضروری نہ ہو گا۔ یہ جب ہے کہ جب ہم یہ سمجھ لیں کہ بعد وفات رسول اللہ کا مغفرت طلب کرنا ممکن نہیں ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے، حضور تو زندہ ہیں اور آنے والے کیلئے استغفار کر سکتے ہیں۔ آنحضور کی رحمت و شفقت اُمّت پر اِس قدر ہے کہ وہ اب بھی آنے والے کے لئے استغفار فرما دیتے ہوں گے۔ بہر صورت یہ بات ثابت ہو گئی کہ آنے والے کے لئے تینوں باتیں حاصل ہو جاتی ہیں خواہ وہ آنحضور کی زندگی میں آیا ہو یا وفات کے بعد آیا ہو۔ آیت کا

نزول اگرچہ خاص ایک قوم کے بارے میں آنحضور کی حیات میں ہوا تھا۔ لیکن عِلّت کے عام ہوتے کی وجہ سے یہ حکم ہر آنے والے کا ہو گا خواہ وہ حضور کی زندگی میں آپ کی خدمت میں پہنچا ہو یا وفات کے بعد، اِسی لئے علماء نے آیت سے دونوں حالتوں میں آمد کا عموم سمجھا ہے اور جو شخص بھی آنحضور کی قبر پر پہنچے اُس کے لئے اِس آیت کی تلاوت اور استغفار کو مستحب قرار دیا ہے اور اُس بدوی کا قصّہ اِس بارے میں مشہور ہے جو ہم تیسرے باب کے آخر میں ذکر کر چکے ہیں اور جس کو ہر مذہب کے عالموں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ جہاں تک سنّت کا تعلّق ہے تو ہم بابِ اوّل اور بابِ ثانی میں اُن احادیث کا ذکر کر چکے ہیں جو خصوصیت کے ساتھ آنحضور کی قبر کی زیارت کے بارے میں منقول ہیں اور وہ حدیثیں بھی ذکر کر چکے ہیں جن میں عام قبور کی زیارت کا حکم ہے اور اِن میں آنحضور کی قبرِ مبارک بھی داخل ہے۔ آنحضور نے فرمایا" آگاہ میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے روکا تھا اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو" اور آنحضور نے ارشاد فرمایا "قبور کی زیارت کیا کرو وہ آخرت کو یاد دلاتی ہیں" حافظ ابو موسیٰ اصبہانی نے اپنی کتاب "آداب زیارت القبور" میں ذکر کیا ہے کہ زیارتِ قبور کا حکم حدیث بُریدہ و انس و علی و ابن عباس و ابن مسعود و ابو ہریرہ و عائشہ و اُبیّ ابن کعب و ابو ذر میں وارد ہوا ہے۔ حضور کی قبرِ مبارک سیّد القبور ہے وہ بھی لامحالہ قبروں کے عموم میں داخل ہے۔ اجماع کی بات تو ہم قاضی عیاض کی جانب سے چوتھے باب میں نقل کر چکے ہیں۔ یہ یاد رکھو علماء کا اجماع ہے کہ مَردوں کے لئے قبور کی زیارت کرنا مستحب ہے بعض ظاہر یہ اِسی حدیث کی وجہ سے قبروں کی زیارت کے وجوب کے قائل ہیں۔ حضرت ابو زکریا نووی نے تو زیارتِ قبور کے استحباب پر اجماع نقل کیا ہے۔ "مصنّف ابن ابی شیبہ" میں شعبی سے منقول ہے۔ اُنھوں نے کہا ہے کہ اگر زیارتِ قبور کے بارے میں حضور کی ممانعت موجود نہ ہوتی تو میں اپنی بیٹی کی قبر کی زیارت کو جاتا۔ اگر یہ نسبت اُن کی طرف صحیح ہے تو یہی کہا جائے گا کہ اِس بارے میں ناسخ قول اُن تک نہیں پہنچا تھا۔ اِسی طرح حضرتِ ابراہیم نخعی کا یہ قول کہ وہ زیارتِ قبور کو مکروہ سمجھتے تھے۔ لیکن اُنھوں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کون ہیں جو مکروہ سمجھتے تھے۔ لہٰذا یہ اُن کا قول حجّت نہیں ہے۔ پس یہی دو قول ہیں جن سے زیارتِ قبور کو روکنے والا شخص استدلال کر سکتا ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ دو قول اِس درجہ کے نہیں ہیں کہ صحیح احادیث اور مشہور سنّت

کے معارض ہوسکیں بلکہ اگر ان قولوں کو صحیح بھی مان لیا جائے تو یہ قول اِس قدر شاذ ہوں گے جن کا اتّباع اور جنپر اعتماد درست نہ ہوگا اِس لئے ہمیں قطعی طور پر مَردوں کے لئے زیارتِ قبور کا شریعت سے ثبوت ملتا ہے۔ اور آنحضور کی قبرِ مبارک بھی اِس عموم کے ماتحت آجاتی ہے لیکن ہمارا مقصود حضور کی قبر کی زیارت کا خاص دلائل سے استحباب ثابت کرنا ہے۔ حضور کی قبر کی زیارت کا حکم خاص و عام دلائل سے ثابت ہے بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر مَردوں کے لئے غیر النبیؐ کی قبر کی زیارت میں اختلاف بھی ہو تو بھی اس سے حضور کی قبر کی زیارت کا مختلف فیہ ہونا ثابت نہیں ہوسکتا اِس لئے کہ زیارتِ قبر میں صاحبِ قبر کی تعظیم ہے اور تعظیم النبیؐ واجب ہے اور غیر النبیؐ کی تعظیم واجب نہیں ہے۔ اِسی وجہ سے آنحضور کی قبر کی زیارت کے معاملہ میں مرد و عورت کا بھی فرق نہیں ہے اور قبر النبیؐ کی زیارت کے لئے عورتوں کے گھر سے باہر نکلنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے دیگر قبور کی زیارت کے استحباب میں اجماع صرف مَردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کے مسئلہ میں ہمارے مذہب میں چار قول ہیں۔ مشہور قول یہ ہے کہ اُن کے لئے قبرستان جانا مکروہ ہے۔ شیخ ابو حامد، محاملی، ابن الصباغ، جرجانی، نصرِ مقدسی، ابن ابی عصرون اِسی کے قائل ہیں اور یہ کراہت تنزیہی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عورتوں کا قبرستان جانا جائز ہی نہیں ہے۔ صاحب "المہذب" اور صاحب "البیان" اِسی کے قائل ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ فعل اُن کے لئے نہ مکروہ ہے نہ مستحب بلکہ مباح ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اگر ان کا زیارت کرنا غم تازہ کرنے اور نوحہ کرنے کے لئے ہے تو حرام ہے اور اگر محض عبرت کے لئے ہے تو مکروہ ہے مگر بوڑھی عورتوں کے لئے مباح ہے جیسا کہ اُن کے لئے مسجد میں جماعت کے لئے حاضر ہونا مباح ہے۔ جو صاحبان عورتوں کے زیارتِ قبور کے لئے نکلنے کے جواز کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضور کا ارشاد ہے "میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا پس زیارت کیا کرو" اِس اجازت میں مرد و عورت سب داخل ہیں۔ جو لوگ عدمِ جواز کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ مَردوں کو خطاب ہے صرف اُنھیں کو اجازت ملی تھی۔ جواز کے قائل یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور نے ایک عورت کو قبر کے پاس روتے ہوئے دیکھا تو حضور نے فرمایا "اللہ سے ڈر اور صبر کر" اور قبر کی زیارت سے منع نہیں کیا۔ یہ صحیح استدلال ہے۔ جواز کی دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ نے

آنحضور سے دریافت کیا کہ قبرستان جاکر میں کیا دُعا پڑھوں تو حضور نے فرمایا۔ یوں کہنا "اِن دیار کے رہنے والے مومنوں تم پر سلام ہے" یہ بھی صحیح استدلال ہے۔ نیز ہم عنقریب آنحضور کے بقیع تشریف لے جانے کا واقعہ ذکر کرینگے وہ بھی صحیح استدلال ہے۔ ہم ذرا موضوع سے دُور ہوگئے۔ اب ہم پھر موضوع کی طرف لَوٹتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ حضور کی قبر کی زیارت عبادت اور کارِ ثواب ہے۔ اِس موضوع کو قیاس سے بھی ثابت کیا جاسکتا ہے۔ حضور بقیع اور شہداءِ اُحد کی قبروں پر تشریف لے گئے اور یہ جانا حضور کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ دوسروں کے لئے بھی مستحب ہے تو جب حضور کی قبر کے علاوہ دوسری قبروں پر جانا مستحب ہوا تو پھر حضور کی قبر کی زیارت کیوں مستحب نہ ہوگی جبکہ ہر مسلمان پر حضور کے حقوق ہیں۔ اور ہر مسلمان پر حضور کی تعظیم واجب ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ عام مسلمانوں کی قبروں کی زیارت تو اِس لئے کی جاتی ہے کہ وہاں پہنچ کر اُن کی مغفرت کی دعا کی جائے نہ کہ اپنی مغفرت کے لئے جیسا کہ حضور نے اہلِ بقیع کی زیارت کی تو حضور کا مقصد اُن کی مغفرت کی دعا کرنا تھا نہ کہ اپنی مغفرت کرانا اور حضور اِس سے مستغنی ہیں کہ اُن کی مغفرت کی دعا کی جائے۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ حضور کی قبر کی زیارت اِس لئے نہیں ہے کہ حضور کی مغفرت کی دعا کی جائے بلکہ حضور کی تعظیم کے لئے اور تبرّک حاصل کرنے کے لئے ہے اور اِس لئے ہے کہ ہمارے صلوٰۃ و سلام سے ہم پر رحمت نازل ہو اور ہمیں ثواب حاصل ہو۔ جیسا کہ عام حالات میں ہمیں درود شریف پڑھنے کا حکم ہے یا حضور کے لئے وسیلہ کی دعا کرنے کا حکم ہے۔ یہ چیزیں تو خود حضور کو ہماری دعا و درود سے پہلے حاصل ہیں۔ ہمیں تو اِس لئے حکم دیا گیا ہے تاکہ اِس فعل پر جو اللہ کی رحمت ہے وہ ہمیں حاصل ہو جائے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضور کی قبر کی زیارت تعظیم کے لئے اور عبادت سمجھ کر کی جاتی ہے اور اِس میں اندیشہ ہے کہ مبالغہ شروع ہو جائے اور اُس کو بُت بنا کر پوجنا شروع کر دیا جائے۔ اور یہ احتمال عام قبروں کی زیارت میں نہیں ہے۔ یہ بات تو اِس قدر لچر اور پوچ ہے کہ اِس کے جواب کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اگر اِن اوہام کی بنیاد پر زیارت کے تمام احکام سے قطع نظر کی جائے گی تو پھر کوئی فرض قابلِ عمل نہ رہیگا۔ ہر واجب اور فرض پر اِس طرح کے باطل اوہام پیدا کئے جاسکتے ہیں۔ متقدّمین نے اِن باطل اوہام کی بنیاد پر کبھی بھی زیارتِ قبر النبیؐ سے

قطع نظر نہیں کی۔ علمائے اسلام نے وہ تمام حدود متعین کر دیئے ہیں جو تعظیم کے لئے ہیں اور عوام کو اُس میں مبالغہ سے روک دیا ہے اور اُن تمام آداب کو واضح کر دیا ہے جو زیارتِ قبر النبیؐ کے لئے ضروری ہیں تو اب محض اس باطل وہم سے قبر النبیؐ کی زیارت سے قطع نظر نہیں کی جاسکتی ہے۔ علماء کی جانب سے زیارتِ قبر النبیؐ کے آداب بیان کرنے کے بعد اس سے امن حاصل ہوگیا ہے کہ وہاں غیر اللہ کی عبادت ہو سکے۔ اب اگر کوئی منصبِ نبوّت کی مشروع تعظیم کو ترک کرے گا اور اُس کو خدا کا ادب سمجھے گا تو اُس نے اللہ پر جھوٹ بولا اور جو تعظیم النبیؐ اُس پر فرض تھی اُس کی ادائیگی میں اُس نے کوتاہی کی۔ یاد رکھو قبروں کی زیارت چار قسم کی ہے۔ ایک قسم تو یہ ہے کہ زیارت سے مقصود محض موت کو یاد کرنا اور آخرت کو یاد کرنا ہوتا ہے تو اِس میں مطلقاً قبروں کی زیارت کافی ہے۔ وہ اُن اہلِ قبور سے واقف ہو یا نہ ہو۔ یہاں نہ استغفار کا قصد ہوتا ہے نہ برکت حاصل کرنے کا نہ اُن کے حقوق ادا کرنے کا اور یہ زیارت مستحب ہے۔ حضور کا ارشاد ہے "قبروں کی زیارت کیا کرو وہ تمہیں آخرت کی یاد دلائیں گی"۔ اِس قسم میں تمام قبور کی زیارت شامل ہے اور تمام قبور کی زیارت کا یکساں حکم ہے جیساکہ نماز کے ثواب کے بارے میں تین مسجدوں کے علاوہ تمام مساجد کا یکساں حکم ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ زیارتِ قبور کا مقصد اہلِ قبور کے لئے دُعا کرنا ہو جیساکہ حضور نے اہلِ بقیع کی زیارت کی اور یہ زیارت ہر مسلمان کی قبر کی مستحب ہے تیسری قسم یہ ہے کی نیک لوگوں کی قبر کی زیارت کی جائے تاکہ برکت حاصل ہو۔ اس کے بارے میں ابو محمد مالکی نے کہا ہے کہ نفع اور برکت حاصل کرنے کے لئے کسی قبر کی زیارت آنحضور اور رسولوں کی قبروں کے علاوہ بدعت اور ناجائز ہے۔ یہ جُزو تو ہمیں بھی تسلیم ہے کہ آنحضور کی قبر کی زیارت اور دیگر انبیاء کی قبور کی زیارت تبرّک حاصل کرنے کے لئے جائز ہے۔ لیکن دیگر اولیاء اللہ کی قبروں کی اس لحاظ سے زیارت بدعت ہے' اِس میں ہمیں کلام ہے۔ چوتھی قسم یہ ہے کہ قبور کی زیارت اہلِ قبور کے حقوق ادا کرنے کے لئے کی جائے۔ اگر کسی کا کسی پر حق ہے تو اُس کو چاہیئے کہ وہ اُس کی زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی اُس کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرے اور قبر کی زیارت کرنا بھی صاحبِ قبر کے ساتھ نیکی کا برتاؤ ہے۔ آنحضور کی اپنی والدہ کی قبر کی زیارت اِسی قسم کی تھی۔ منقول ہے کہ حضور نے اپنی والدہ کی قبر کی

زیارت کی تو آپ پر گریہ طاری ہوگیا اور ہمراہیوں پر بھی گریہ طاری ہوا اور آنحضور نے فرمایا کہ میں نے خدا سے اجازت چاہی کہ اُن کی مغفرت کی دعا کروں تو اِس کی اجازت نہ ملی ہاں قبر پر حاضری کی اجازت مل گئی۔ لہٰذا تم بھی قبور کی زیارت کر لیا کرو کہ یہ آخرت کو یاد دلاتی ہے" یہ زیارت سب کے لئے رحمت ہوتی ہے اور وہ مُردہ اِس زیارت سے مانوس ہوتا ہے۔ آنحضور نے ارشاد فرمایا" قبر میں مُردہ اُس زیارت کرنے والے سے زیادہ مانوس ہوتا ہے جو اُس سے دنیا میں محبّت کرتا تھا"۔ آنحضور نے ارشاد فرمایا "جب کوئی مومن اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گذرتا ہے جس سے اُس کی دنیا میں جان پہچان تھی پھر وہ اُس کو سلام کرتا ہے تو وہ مُردہ اُس کو پہچان لیتا ہے اور اُس کے سلام کا جواب دیتا ہے"۔ ایسے بہت سے آثار ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ زندہ لوگ جب مُردوں کی قبروں کی زیارت کرتے ہیں اور اُن کے لئے درود و سلام کا تحفہ بھیجتے ہیں تو مُردے کو نفع پہنچتا ہے۔ قبروں کی زیارت کے چار مقاصد جو ہم نے بیان کئے، آنحضور کی قبر کی زیارت سے چاروں مقصد پورے ہوتے ہیں۔ پہلا مقصد "آخرت کی یاد" تو اُس کا حاصل ہونا ظاہر ہے۔ دوسرا مقصد اِس طور پر پورا ہوتا ہے کہ ہمیں حکم ہے کہ ہم آنحضور کے لئے دُعا کریں اگرچہ وہ بفضلِ خداوندی ہماری دعا سے بے نیاز ہیں۔ تیسری اور چوتھی وجہ اس طور پر پوری ہوتی ہے کہ اللہ کی مخلوق میں آپ سے زیادہ برکتوں والا کوئی اور نہیں ہے۔ اور نہ آپ سے زیادہ مسلمانوں پر کسی کا حق ہے تو وہ فوائد جو آپ کی قبر کی زیارت میں پائے جاتے ہیں کسی غیر کی قبر میں متصوّر نہیں ہیں جیساکہ مسجدِ حرام کی فضیلت دوسری مسجد میں متصوّر نہیں ہے۔ اِسی کے لئے قبر النبیؐ کا قصد کرنا مخصوص طور پر مشروع ہے۔ یہ تو جب ہے کہ جب قبر النبیؐ کی زیارت کے سفر پر کوئی خاص دلیل نہ ہو۔ اب جبکہ خاص دلائل بھی موجود ہیں تو آنحضور کی قبر کی زیارت بعینہٖ مستحب ہے اور غیر النبیؐ کی قبر کی زیارت علی الاطلاق مستحب ہے اور اِس پر اجماع بھی منقول ہے اور بعض علماء تو اِس کے وجوب کے قائل ہیں۔ ابن ابی زید کی "کتاب النّوادر" میں مذکور ہے۔ زیارتِ قبور میں اور وہاں بیٹھنے میں' وہاں سے گذرتے وقت سلام بھیجنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ فعل آنحضور سے ثابت ہے۔ حضرتِ ابنِ عمر سفر سے واپس آئے۔ اِس عرصے میں اُن کے بھائی عاصم

کی وفات ہوگئی تھی تو وہ اُن کی قبر پر گئے اور بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ اشعار بھی پڑھے۔ ؎

۱۔ فَاِنْ تَكُ اَحْزَانٌ وَفَائِضُ دَمْعَةٍ — جَرَيْنَ دَمًا مِنْ دَاخِلِ الْجَوْفِ مُنْقَعَا

۲۔ تَجَرَّعْتُهَا مِنْ عَاصِمٍ وَاحْتَسَيْتُهَا — فَاَعْظَمُ مِنْهَا مَا احْتَسَى وَ تَجَرَّعَا

۳۔ فَلَيْتَ الْمَنَايَا كُنَّ خَلَّفْنَ عَاصِمًا — فَعِشْنَا جَمِيْعًا اَوْذَهَبْنَ بِنَا مَعَا

۴۔ دَفَعْنَا بِكَ الْاَيَّامَ حَتّٰى اِذَا اَتَتْ — تُرِيْدُكَ لَمْ نَسْطِعْ بِهَا عَنْكَ مَدْفَعَا

۱۔ پس اگر ہیں غم اور بہنے والا آنسو۔ اُنھوں نے باطن سے مجتمع خون بہا دیا ہے۔

۲۔ میں نے عاصم کی وجہ سے اُن کو گھونٹ گھونٹ پیا اور نگل لیا اِس سے بڑھ کر وہ ہے جو اُس نے پیا اور نگلا۔

۳۔ پس کاش موتیں عاصم کو باقی رکھتیں تو ہم ساتھ جیتے یا ہمیں ساتھ لیجاتیں۔

۴۔ تیرے ذریعہ ہم نے مصائب کی مدافعت کی حتیّٰ کہ وہ جب آئے تیرے ارادے سے ہم اُن کو تجھ سے دفع نہ کر سکے۔

حضرتِ عائشہ کی عدم موجودگی میں اُن کے بھائی عبدالرحمان کی وفات ہوئی۔ جب وہ آئیں تو اُن کی قبر پر گئیں۔ آنحضور جب قبرستان میں دُعا پڑھتے تھے تو فرماتے تھے" اے مومنوں اور مسلمانوں کی بستی والو تم پر سلام ہو۔ اللہ رحم فرمائے ہمارے اگلوں پر اور پچھلوں پر اور انشاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ اے اللہ ہمیں اِن کا بدلہ عطا فرما اور ان کے بعد ہمیں کسی فتنہ میں مبتلا نہ کر۔ اہلِ قبور کو سلام کرنے پر یہ دلیل بھی ہے کہ آنحضور اور حضرتِ ابوبکر و عمر کو سلام کرنا مسنون ہے اور آنحضور شہداءِ اُحد کی قبروں پر بھی تشریف لے گئے' اُن کو سلام کیا اور اُن کے لئے دعا کی۔

امام مالک سے زیارتِ قبور کے بارے میں سوال کیا گیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ ابتداءً حضور نے منع فرمایا تھا پھر اجازت دیدی تھی تو اگر انسان ایسا کرے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ امام قرطبی نے کہا کہ اجازت اِس لئے دی گئی تاکہ زائر کو عبرت ہو۔ ہاں جو سفر سے واپس لوٹے اور اُس کا کوئی عزیز مر گیا ہو تو اُس کے لئے دعا اور رحمت کی درخواست کرنی

چاہیئے۔ اور شہداءِ اُحد کی قبروں پر حاضری دینی چاہیئے اور اُن پر اسی طرح سلام پڑھنا چاہیئے جیسا کہ آنحضور اور حضرتِ ابوبکر و عمر پر پڑھا جاتا ہے۔ بعض علماء نے زیارتِ قبور کے بارے میں "لَا بَأسَ" یعنی اگر کرلے تو کوئی مضائقہ نہیں کہا ہے۔ اِس لفظ سے شُبہ ہوتا ہے کہ وہ اِس کو صرف مباح کہہ رہے ہیں لیکن مباح اور سنّت میں کوئی تعارض نہیں ہے اور شاید اُن کے نزدیک زیارتِ قبور عیادتِ مریض کی طرح ہے یعنی اُن چیزوں کی طرح ہے جن کی اصل وضع عبادت کے لئے نہیں ہے بلکہ اُن کو کبھی تقرّب الی اللہ کی نیّت سے کرلیا جاتا ہے تو اُن پر ثواب مرتّب ہو جاتا ہے اور کبھی تقرّب کا قصد نہیں ہوتا تو اُن پر ثواب مرتّب نہیں ہوتا ہے۔ زیارتِ قبور میں قربت کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک وجہ قربت کی یہ ہے کہ زیارت کرنے والا عبرت اور آخرت کو یاد کرنے کے لئے زیارت کرے تو یہ زیارت ہر ایک کے لئے مستحب ہے۔ دوسری وجہ قربت کی یہ ہے کہ ترحّم اور دعا کے لئے زیارت کرے اور یہ اُن قبروں کے لئے ہے جو کسی رشتہ دار کی ہوں اور وہ زیارت کرنے والے کی عدم موجودگی میں مر گیا ہو جیسا کہ حضرتِ ابن عمر نے کیا جب وہ اپنے بھائی عاصم کی موت کے بعد وطن واپس ہوئے تھے۔ اِسی طرح اُن کا بیٹا اُن کی عدم موجودگی میں مرا تو آکر اُنھوں نے فرمایا مجھے اُس کی قبر بتاؤ اُن کو قبر بتائی گئی وہ وہاں پہنچے اور اُس کی مغفرت کی دعائیں کیں اور جیسا کہ حضرتِ عائشہ نے کیا۔ اُن کے بھائی عبدالرحمٰن کی وفات حُبشی گانوں میں ہوئی۔ یہ گانوں مکّہ سے بارہ میل ہے اُن کا جنازہ مکّہ لایا گیا اور اُن کو وہاں دفن کیا گیا۔ جب حضرتِ عائشہ مکّہ پہنچیں تو اُن کی قبر پر گئیں اور وہاں خنساء کے یہ دو شعر پڑھے ؎

وَكُنَّا كَنَدْمَانَيْ جَذِيْمَةَ حِقْبَةً — مِنَ الدَّهْرِ حَتّٰى قِيْلَ لَنْ يَتَصَدَّعَا

اور ہم ایک عرصہ دراز تک جذیمہ کے دو ہم مجلسوں کی طرح تھے یہاں تک کہ یہ کہا گیا کہ یہ دونوں جدا نہ ہوں گے۔

فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا كَاَنِّيْ وَ مَالِكًا — لِطُوْلِ اجْتِمَاعٍ لَمْ نَبِتْ لَيْلَةً مَعَا

پھر جب ہم جدا ہو گئے تو گویا کہ میں نے اور مالک نے باوجود اجتماع کے طول کے

ایک شب بھی ساتھ نہ گزاری تھی۔

اور پھر فرمایا اگر میں مرنے کے وقت موجود ہوتی تو اب قبر کی زیارت کو نہ آتی اور اگر میں اُس وقت ہوتی تو اِس جگہ دفن کراتی جہاں موت ہوئی تھی۔ ابن سعد نے "طبقات" میں ابن ابی مُلیکہ سے نقل کیا ہے کہ میں اپنے گھر سے حضرتِ عائشہ سے ملنے چلا تو وہ ایک جگہ سے آتی ہوئی ملیں۔ اُن کے ساتھیوں نے بتایا کہ وہ اپنے بھائی کی قبر کے پاس سے آرہی ہیں۔ "سیرِ کبیر" میں بھی مذکور ہے کہ حضرتِ عائشہ حج کرنے یا عمرہ کرنے مکہ تشریف لائیں تو اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر گئیں۔ حضرتِ عائشہ کا یہ فرمانا اگر میں موت کے وقت ہوتی تو اب قبر کی زیارت کو نہ آتی۔ یہ قبر پر حاضری کے عذر کے طور پر فرمایا اِس لئے کہ ایک حدیث سے بظاہر عورتوں کے قبرستان جانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ حضور نے فرمایا "قبروں پر جانے والی عورتوں پر خدا کی لعنت ہے۔"

ہمارا مقصد یہ ہے کہ حضور کی قبر کے علاوہ دیگر قبور کی زیارت بھی باعثِ ثواب ہے۔ اور بسا اوقات بعض احوال میں اِس زیارت کی تاکید ہو جاتی ہے جیسا کہ کسی رشتہ دار کی قبر کی زیارت۔ رشتہ داری کی وجہ سے اُس پر حاضری کی تاکید ہے۔ جس سے کوئی رشتہ نہ ہو اُس کی قبر پر حاضری بھی عبرت حاصل کرنے کے لئے اور رحم کی درخواست کرنے کے لئے مستحب ہے عام مسلمانوں کی قبور کا یہی حکم ہے۔ جب کوئی کسی ایک قبر کی زیارت کر لیتا ہے تو سنّت ادا ہو جاتی ہے۔ اِس کی مثال یہ ہے کہ نماز پڑھنا مطلقِ مسجد میں مطلوب ہے۔ کسی مسجد میں بھی نماز پڑھ لے گا تو یہ مقصد پورا ہو جائے گا۔ کسی خاص مسجد میں جانا ضروری نہیں ہے۔ جب آپ یہ سمجھ گئے کہ زیارتِ قبور کا معاملہ مسجد کی نماز کی طرح کا ہے تو زیارت کے لئے کسی خاص قبر کا قصد مناسب نہیں۔ ممکن ہے جن علماء نے زیارتِ قبر کے لئے سفر کو ممنوع قرار دیا ہے وہ اسی قسم کی زیارت ہو۔ ہاں اگر قبر سے برکت حاصل کرنا مقصود ہو جیسا کہ انبیاء کی قبور سے یا اُن لوگوں کی قبروں سے جن کے جنّتی ہونے کی شرع نے گواہی دی ہے تو اُن کے لئے سفر مستحب ہوگا۔ جیسا کہ مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی، مسجدِ بیت المقدس کے لئے سفر کرنا مستحب ہے۔ اور اگر بغیر کسی خاص حق کے کسی صاحبِ قبر کے لئے دعا کرنا مقصود ہو تو بھی اُس کے لئے کوئی خاص قبر متعیّن نہیں ہے۔

ہاں اگر اُس نے کسی خاص مُردے کے لئے دعا کی نذر کر لی ہو تو اُس کا پورا کرنا ضروری ہوگا اس لئے کہ اُس کا حق متعیّن ہو گیا۔ اب کوئی دوسری قبر اُس کے قائم مقام نہیں بن سکتی جیسا کہ کسی متعیّن فقیر پر صدقہ کرنے کی نذر کی ہو تو اُسی فقیر کو صدقہ دینا ضروری ہوگا۔ اگر کسی مخصوص قبر پر پہنچ کر دُعا کرنے کی نذر کی ہو تو قرینِ قیاس یہ ہے کہ اُس کی وفا ضروری ہوگی اِس لئے کہ دُعاء عند القبور مقصود ہے۔ جیسا کہ اہلِ بقیع کے لئے دُعا اِس صورت میں بھی اِس واجب کی ادائیگی کے لئے سفر کرنا درست ہوگا جبکہ نذر سے وجوب ہو چکا ہے۔ بغیر نذر کے سفر کرنا درست نہ ہوگا۔ اِس لئے کسی مخصوص قبر کے پاس پہنچ کر دعا کرنا شرع میں مطلوب نہیں ہے کیونکہ میّت کے حق کا اُس سے کوئی تعلّق نہیں ہے لیکن ادائے حق کے لئے جیسا کہ والدین کی قبر کی زیارت اُس کا بعینہٖ قصد کرنا مشروع ہے اِس کے لئے سفر کرنا جائز بلکہ مستحب ہوگا۔ اور سب سے بڑا حق نبی کا ہے تو اِس وجہ سے وہاں پہنچنے کے لئے بھی سفر مستحب ہوگا۔ یہ تقریر جب تھی جبکہ کوئی خاص دلیل قبر النبی کی زیارت کی نہ ہوتی۔ یہاں تو زیارت کے لئے سفر کرنے پر خلف وسلف کا اجماع ہے۔ اور کوئی شخص زیارتِ قبر النبی کی نذر کرے تو کیا اُس پر نذر لازم ہوگی۔ قاضی ابن کج نے تصریح کی ہے کہ اِس نذر کا پورا کرنا واجب ہوگا اور زیارت کرنا لازم ہوگا۔ اور العبدی المالکی نے اِس نذر کے لزوم کی تصریح کی ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر مستحب یا قُربت نذر سے واجب نہیں ہوتی اِس لئے کہ قُربت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قُربت تو وہ ہے جو اصلِ وضع میں عبادت نہیں ہے بلکہ وہ عملِ حَسَن یا اخلاقِ حَسَن ہے۔ شارع نے عموم فائدہ کی وجہ سے اُس کی ترغیب دی ہے۔ اِس میں کبھی اللہ کی رضامندی بھی مقصود ہوتی ہے تو ثواب مل جاتا ہے جیسا کہ مریض کی مزاج پُرسی، سفر سے آنے والوں کی ملاقات، سلام کو رواج دینا اِس قسم کی قُربت کے قدرے لازم ہونے میں دو قول ہیں۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ نذر کرنے سے اُس قُربت کا لزوم ہو جائے گا۔ اِس لئے کہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے "جس شخص نے مَنّت مانی ہو کہ وہ اللہ کی فرمانبرداری کریگا تو ضرور فرمانبرداری کرے" اِس قسم میں جنازے کی شرکت اور چھینکنے والے کو دعا دینا شامل

ہے۔ دوسری قسم عباداتِ مقصودہ کی ہے۔ عباداتِ مقصودہ وہ ہیں جن کی اصل وضع تقرب الی اللہ کے لئے ہے اور ان کا مخلوق کو مکلّف بنایا گیا ہے کہ بطور عبادت اُن کی ادائیگی کرے جیسے کہ نماز، روزہ، صدقہ اور حج ہے۔ یہ قسم نذر سے بالاجماع لازم ہوجاتی ہے بجز مستثنیٰ صورتوں کے بعض علماء نے تعبیر اِس طور پر کی ہے کہ قسمِ اوّل وہ ہے جس کو ابتداءً شرع نے واجب نہیں قرار دیا۔ دوسری قسم وہ ہے جس کو ابتداءً واجب قرار دیا ہے اور اُنھوں نے اعتکاف کو دوسری قسم میں داخل کیا ہے اگرچہ وہ ابتداءً واجب نہیں ہے اور اُنھوں نے کہا ہے کہ اعتکاف کے معنیٰ ایک جگہ ٹھہرنے کے ہیں اور اُس کی جنس شرعاً واجب ہے۔ وہ عرفات میں ٹھہرنا ہے اور قسمِ اول میں تجدید وضو کو داخل کیا ہے اِس لئے کہ شریعت میں بغیر حدث کے وضو واجب نہیں ہے اور وضو مقصود بالذّات بھی نہیں ہے بلکہ وہ نماز کی شرائط میں سے ہے۔ صحیح یہی ہے کہ تجدیدِ وضو نذر سے واجب ہوجائے گا۔ جو صورتیں مستثنیٰ ہیں اُن میں ایک یہ ہے کہ کسی واجب کی ایک صفت کو تنہا اپنے اوپر لازم کرنا جیسا کہ قرأت کو طول دینا یا فرض نماز کو جماعت سے ادا کرنا۔ اِس میں دو قول ہیں راجح قول یہی ہے کہ لزوم ہوجائے گا۔ یہ صورت بھی مستثنیٰ ہے کہ اُس میں کسی شرعی رخصت کا ابطال ہورہا ہو جیسے کہ سفر میں رمضان کے روزے کی نذر اُس میں بھی دو قول ہیں۔ راجح قول یہی ہے کہ لزوم نہ ہوگا۔ اِسی طرح مریض کا نذر کرنا کہ وہ تکلیف کے ساتھ کھڑے ہوکر ہی نماز ادا کرے گا یا روزے کی نذر کرنا کہ وہ مرض میں بھی افطار نہ کرے گا۔ اِس میں صحیح قول یہ ہے کہ لزوم نہ ہوگا۔ اگر کسی نے نفلوں میں قیام کی نذر مانی یا پورے سر کے مسح کرنے کی یا سر کے مسح کو تین بار کرنے کی منّت مانی یا سجدۂ تلاوت یا سجدۂ شکر کی منّت مانی تو رافعی نے اِن صورتوں میں لزوم و عدم لزوم دونوں کو جائز قرار دیا ہے۔ تیمّم کی نذر منعقد نہ ہوگی اِس لئے کہ اُس کا جواز ضرورت کے وقت ہے۔ اور اگر اُس نے کسی خاص جگہ نماز پڑھنے کی نذر کی تو وہ منعقد ہوجائے گی اور کیا یہ جگہ بھی متعیّن ہوجائے گی۔ اگر اُس نے مسجدِ حرام میں نماز پڑھنے کی منّت مانی تھی تو یہ جگہ لازم ہوجائے گی اور اگر اُس نے مسجدِ نبوی کی منّت کی تھی تو مسجد نبوی یا مسجد حرام متعیّن ہوں گی اور اگر مسجد اقصیٰ کی نیت کی تھی تو وہ یا دونوں

مسجدیں متعیّن ہوجائیں گی اور اگر اُس نے اِن کے ماسویٰ کی نیت کی تھی تو وہ جگہ متعیّن نہ ہوگی اور اگر اُس نے مسجد حرام میں جانے کی منّت مانگی تو منّت لازم ہوجائے گی اور اگر مسجدِ نبوی یا مسجدِ اقصیٰ پہنچنے کی نذر کی تھی تو اِس میں امام شافعی کے دو قول ہیں۔ اظہر قول یہ ہے کہ منّت لازم نہ ہوگی۔ امام شافعیؒ نے "الاُم" میں فرمایا ہے۔ بیت اللہ پہنچنے کی نیکی فرض ہے اور اِن دونوں جگہ پہنچنا نفل ہے اور اِس قول کی دلیل میں حضرتِ جابر ابن عبداللہ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ فتح مکّہ کے دن ایک شخص نے حضور سے عرض کیا کہ میں نے منّت مانی تھی کہ اگر بیت اللہ آپ نے فتح کر لیا تو بیت المقدس میں جاکر نماز پڑھوں گا تو حضور نے فرمایا۔ یہاں نماز پڑھ لے۔ اُس کے دوبارہ سوال پر بھی آنحضور نے یہی فرمایا۔ یہاں نماز پڑھ لے۔ تیسری بار سوال پر فرمایا۔ پھر تیرا جو جی چاہے وہ کر۔ یاد رکھو کہ اگر بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی منّت مانی ہو تو مسجد حرام میں نماز پڑھ لینے سے منّت پوری ہوجاتی ہے اِس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اِس حدیث سے یہ استدلال غلط ہوگا کہ مسجدِ بیت المقدس میں منّت ماننے سے لزوم نہ ہوگا اِس لئے کہ مسجدِ بیت المقدس کی نماز کی منّت مسجدِ حرام میں نماز ادا کرنے سے بدرجۂ اولیٰ ادا ہوجائے گی اِس لئے کہ دونوں مسجدیں مسجدِ نبی ہیں اور مکّہ کی نماز بیت المقدس کی نماز سے افضل ہے تو لامحالہ بیت المقدس میں نماز کی منّت مکّہ میں نماز پڑھنے سے ادا ہوجائے گی اور اگر کسی نے بیت المقدس تک جانے اور وہاں نماز پڑھنے کی منّت مانی تو یہ دو چیزیں ہوئیں۔ اگر بیت المقدس تک چلنے کی منّت کا لزوم نہ مانا جائے تو صرف نماز کا لزوم رہ جائے گا تو اُس کی منّت بیت الحرام میں نماز سے پوری ہوجائے گی اور اگر چل کر جانے کا بھی اُس کے ذمّہ لزوم مانا جائے تو بیت الحرام کی نماز سے منّت پوری نہ ہوگی ہاں اگر وہ اُس مسافت کی بقدر مکّہ کی طرف بھی مسافت طے کرلے جو اُس کے اور بیت المقدس کے درمیان تھی تو بے شک منّت پوری ہوجائیگی۔ حدیث میں اِس بات کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ اُس شخص نے بیت المقدس تک جانے کی بھی منّت مانی تھی یا صرف نماز کی ہی منّت مانی تھی اگر صرف نماز کی منّت مانی جائے تو مکّہ کی نماز سے اُس کی ادائیگی ہوجاتی ظاہر ہے اور اگر یہ مانا جائے کہ بیت المقدس میں نماز کی منّت میں لامحالہ بیت المقدس تک جلنے کی بھی منّت ہے تو بے شک اُس حدیث سے یہ ثابت ہو جائیگا کہ بیت المقدس جانے کی منّت

کا لزوم نہیں ہے جیسا کہ امام شافعی فرماتے ہیں۔ ہم نے اِس بحث کو بہت طویل کر دیا لیکن یہ بات ظاہر ہوگئی کہ بعض التزام تو وہ ہیں جو بلا خلاف منّت سے لازم ہو جاتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو صحیح قول کی بنا پر لازم ہو جاتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو صحیح قول کی بِنا پر لازم نہیں ہوتے اور تمہیں اِن میں سے ہر قسم کا ماخذ معلوم ہوگیا۔ صحیح یہ ہے کہ ہمارے نزدیک بھی کسی منذور کے لازم ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اُس کی جنس کا کوئی فرد واجب ہو اور —— یہی امامِ مالک کا مذہب ہے اور ہمارے اصحاب کا دوسرا قول یہ ہے کہ لزوم کی شرط یہ ہے کہ اُس کی جنس کا کوئی فرد واجب ہو اور یہ بھی امام صاحبؒ سے منقول ہے۔ جب تم یہ سمجھ گئے تو اب سمجھ لو کہ قبر النبیؐ کی زیارت ایک قُربت اور ثواب کی بات ہے۔ شریعت نے اُس کی ترغیب دی ہے اور اُس پر آمادہ کیا ہے اور یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اِس کے ثبوت کے بارے میں دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت عموم کی ہے ایک جہت خصوص کی ہے۔ خصوص کی جہت تو یہ ہے کہ خاص دلائل سے اُس کا قُربت ہونا ثابت ہے تو اب منّت ماننے سے اُس کا لزوم یقینی طور پر ثابت ہو جاتا ہے اور اُس کو اُن عباداتِ مقصودہ کے ساتھ لاحق مانا جائے گا جو صرف عبادت کے طور پر کی جاتی ہیں جیسا کہ نماز، صدقہ، روزہ، اعتکاف اِسی وجہ سے قاضی ابن کج نے فرمایا کہ اگر کسی نے منّت مانی کہ وہ قبر النبیؐ کی زیارت کرے گا تو اُس کے لئے بالاتفاق اُس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اور اگر منّت مانی کہ وہ غیر النبیؐ قبر کی زیارت کرے گا تو اُس میں دونوں صورتیں ہیں۔ قبر النبیؐ کی زیارت کی نذر کا لزوم اور اُس کی وفا کا ضروری ہونا اُن دلائل کی بنیاد پر ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ غیر النبیؐ کی قبر کی منّت میں لزوم و عدم لزوم ممکن ہے اُس وقت ہو جبکہ مطلقاً قبر کی منّت مانی ہو۔ اور اُس کو سفر سے آنے والوں کی زیارت کی منّت اور سلام کو رائج کرنے کی منّت کی طرح مانا جائے یعنی اُن چیزوں کی طرح جو اصل وضع میں قُربتِ مقصودہ نہیں ہیں اگرچہ مجرّد قُربت ہیں اور اِس صورت میں اصح یہ ہے کہ لزوم ہو جائیگا اور یہ ممکن ہے کہ اِس سے مراد کوئی معیّن قبر لی جائے۔ غیر انبیاء کی متعیّن قبر کی زیارت کوئی قُربت نہیں ہے۔ قبر النبیؐ کی زیارت کی منّت کا لامحالہ لزوم ہے اِس لئے کہ اُس میں وہ تمام باتیں موجود ہیں جن کی

وجہ سے زیارت مقصود ہوتی ہے۔ جو لوگ منذور کے وجوب کی یہ شرط لگاتے ہیں کہ اُس کی جنس کا کوئی فرد واجب ہو اور یہ کہتے ہیں کہ اعتکاف کا وجوب نذر سے اِس لئے ہو جاتا ہے کہ اُس کی جنس کا ایک فرد وقوف عرفہ واجب ہے اُن کے لئے کہا جائے گا کہ زیارت النبیؐ کی جنس کا بھی وجوب ہے اور وہ آنحضور کی زندگی میں ہجرت تھی[1] تو اب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ جو چیز نذر سے لازم ہوگی وہ قُربت ہوگی اور ہر قُربت کا لزوم نہیں ہے اور زیارتِ قبر النبیؐ ایسی قُربت ہے جو نذر سے واجب ہو جاتی ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ بعض علماء زیارتِ قبر النبیؐ کی منّت کا وجوب نہیں مانتے تو بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس کو قُربت نہیں مانتے ہیں۔ مجھے بعض باطل کی حمایت کرنے والوں کی یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ القاضی اسماعیل نے "مبسوط" میں لکھا ہے کہ امامِ مالک سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ اگر کوئی زیارتِ قبر النبیؐ کی منّت مانے تو اُس پر وجوب ہو جائے گا یا نہیں؟ اُنھوں نے فرمایا اگر اُس کا مقصود مسجدِ نبوی تھی تو وہاں جائے اور اُس میں نماز پڑھے اور اگر اُس نے قبر کا ارادہ کیا تھا تو عمل نہ کرے۔ اِس لئے کہ حدیث میں آیا ہے سواری کام میں نہ لائی جائے بجز تین مسجدوں کے۔ اب اگر یہ روایت صحیح ہے تو اِس کی اِس طرح تاویل ضروری ہے کہ اِس سے زیارتِ قبر النبیؐ کی قُربت ہونے کی نفی ثابت نہ ہو اِس لئے کہ خود امامِ مالک سے اور دیگر علماء سے اُس کا قُربت ہونا منقول ہے۔ ایک تاویل تو یہ ہے کہ اُس کو ایسی قُربت

---

[1] امام سُبکی نے یہ بتاتے ہوئے کہ آنحضور کی قبر کی زیارت کی اگر کسی نے نذر مانی تو نذر کا لزوم ہو جائے گا۔ یہ فرمایا کہ جن لوگوں کے نزدیک نذر کے لزوم کے لئے یہ ضروری ہے کہ اُس کی جنس کا کوئی فرد واجب ہو وہ یہ کہتے ہیں کہ اعتکاف کی نذر کا لزوم اِس وجہ سے ہو جاتا ہے کہ اُس کی جنس کا ایک فرد وقوف عرفہ واجب ہے اُن کے لئے کہا جائے گا کہ زیارت النبیؐ کی جنس سے ایک فرد کا وجوب ہے اور وہ آنحضور کی زندگی میں ہجرت تھی۔ امام سُبکی کی اِس تقریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہجرت کے وجوب کی علت زیارت النبیؐ کو قرار دے رہے ہیں۔ امام کی یہ بات غور طلب ہے۔ ہجرت کے وجوب کی اصل وجہ تو اُس لشکر میں شرکت تھی جو مدینہ طیبہ میں کفار سے جہاد کے لئے تیار کیا جا رہا تھا۔ نسائی میں ایک روایت ہے آنحضور نے فرمایا کہ ہجرت اُس وقت تک منقطع نہ ہوگی جب تک کہ کفار سے قتال جاری ہے۔ چنانچہ جب مقاتلہ کی کیفیت ختم ہوگئی اور مکّہ فتح ہوگیا تو آنحضور نے اعلان فرما دیا (لَا ہِجْرَۃَ بَعْدَ الْیَوْمِ) آج کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ غرضیکہ ہجرت کی علّت کفّار سے مقاتلہ اور اپنے دین پر آزادی سے عمل کر سکنا ہے نہ کہ حضور کی زیارت ورنہ فتح مکّہ کے بعد بھی جب زیارت النبیؐ باقی تھی تو حضور ہجرت کو کیوں ختم فرماتے۔ (مترجم)

مانا جائے کہ جس کا لزوم نذر سے نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اہلِ مدینہ اور آس پاس کے لوگوں کے لئے مسجدِ قبار جانا قُربت ہے لیکن منّت سے اُس کا وجوب محمد بن مسلمہ مالکی کے علاوہ کوئی نہیں مانتا ہے۔ دوسری تاویل یہ ہے کہ اِس حدیث کو اُس شخص کے لئے مانا جائے جو دُور سے آنے کی منّت مانتا ہے۔ جیسا کہ امامِ مالک کے اِس قول سے پتہ چلتا ہے کہ سواری کا استعمال صرف تین مسجدوں کے لئے کیا جائے تو مطلب یہ ہوا کہ اگر سفر کی منّت مانی ہے تو یہ منّت لازم نہیں ہے۔ لیکن اِس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مطلقِ سفر قُربت نہیں ہے۔ اِس کی مثال یہ ہے مسجدِ قبا کے قریب رہنے والوں کے لئے اُس کی زیارت قُربت ہے لیکن منّت سے اُس کا لزوم نہیں ہوتا ہے۔ یہ توجیہ تمام توجیہات میں امامِ مالک کے قواعد سے قریب تر ہے "التہذیب للمسائل المدوّنہ" میں مذکور ہے کہ جس نے یہ کہا میں مدینہ یا بیت المقدس پہنچوں گا یا یہ کہا میں مدینہ تک یا بیت المقدس تک پیدل جاؤں گا تو وہ یہ کہنا پورا نہ کرے جب تک اُس نے اِن دونوں جگہوں کی مسجدوں میں نماز کی نیّت نہ کی ہو یا اُن مسجدوں کا نام نہ لیا ہو اور یوں نہ کہا ہو کہ میں مسجدِ رسول یا مسجدِ بیت المقدس تک پیدل جاؤں گا۔ اِس صورت میں وہ سوار ہو کر جائے اور اُس پر کوئی ہَدی لازم نہ ہوگی اِس لئے کہ اِن مسجدوں کا نام لینا گویا کہ یہ کہنا ہے کہ میں اِن مسجدوں میں نماز پڑھوں گا۔ ہاں اگر کسی اور شہر کی مسجد میں نماز کی منّت مانی تو وہاں جانا ضروری نہیں ہے اپنے شہر کی مسجد میں نماز ادا کرے۔ اگر کسی نے منّت مانی کہ وہ سرحد کی نگرانی کرے گا یا روزہ رکھے گا۔ اگر وہ مقام ایسا ہے کہ وہاں جانا قُربت ہے تو اُس پر یہ منّت لازم ہوگی۔ جیسا کہ عسقلان ہے یا اسکندریہ ہے۔ اگرچہ وہ مدنی یا مکّی ہو۔ اور اگر کسی نے مکّہ یا بیت اللہ یا مسجدِ حرام یا کعبہ یا حجرِ اسود یا رُکن تک پیدل جانے کی منّت مانی تو یہ منّت لازم نہ ہوگی "تہذیب" کی اِس عبارت سے یہ بات واضح ہوئی کہ مدینہ تک جانا جبکہ مسجد کی تصریح نہ کی ہو یا وہاں جا کر نماز پڑھنے کا ذکر نہ کیا ہو اِس جانے کی اور اُس کے علاوہ دوسری چیزوں کی منّت کا کوئی لزوم نہیں ہے اگرچہ یہ قُربت ہیں۔ تیسری تاویل یہ ہے کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ زیارتِ قبر النبیؐ اُن احادیث کی بنیاد پر جو ہم نے شروع کتاب میں ذکر کر دی ہیں بالخصوص مطلوب ہے اور سلف و خلف

کے عمل کی بنیاد پر اور عام دلائل کی بنیاد پر بھی وہ مطلوب ہے۔ چونکہ زیارتِ قبور کے بارے میں جو عام احادیثِ صحیحہ مشہور ہیں اُن میں آنحضور کی قبر بھی داخل ہے۔ جہتہ اولیٰ یعنی بالخصوص مطلوب ہونے کی بنار پر منّت کے ذریعہ اُس کا لزوم ظاہر ہے ہاں دوسری جہت یعنی عام دلائل کی بنار پر مطلوب ہونے کے اعتبار سے منّت کے ذریعہ اُس کا لزوم مختلف فیہ ہے لیکن وہ قُربت بہرحال ہے اور دیگر قبور کی زیارت بھی اِسی طرح قُربت ہے لیکن منّت کے ذریعہ اُس کا لزوم نہیں ہوگا۔ معیَن قبر کی زیارت کی منّت اگر اُس کے لئے دعاء مقصود ہے یا اُس کے حق کی ادائیگی مقصود ہے تو میّت کے حق کی وجہ سے اُس کا بھی لزوم ہو جائے گا۔ اور اگر زیارت سے مقصد برکت حاصل کرنا ہے تو بھی آنحضور کی قبرِ مبارک کی منّت ـــــــ کا لزوم ہو جائے گا اور اگر عبرت حاصل کرنا مقصود ہے تو لزوم مختلف فیہ ہے اور اگر کوئی بھی مقصد معیّن نہیں کیا تو پھر لزوم نہ ہوگا۔ امامِ مالک نے شاید اسی حیثیت سے سائل کا جواب دیا ہے اور شاید امامِ مالک کو آنحضور کی قبر کی زیارت کے بارے میں جو خاص روایات ہیں وہ نہ پہنچی ہوں[1] اور وہ عام قبور والی احادیث کی بنیاد پر عدمِ لزوم کے قائل ہو گئے ہوں۔ چوتھی تاویل یہ ہے کہ قبر پر جانے سے صاحبِ قبر کی زیارت مقصود ہوتی ہے اور یہی زیارت ہے جس کو قُربت کہا جاتا ہے اور عام طور پر قبر کی زیارت کا مقصد صاحبِ قبر کی زیارت ہوتی ہے اور کبھی قبر کی زیارت کا مقصد اُس جگہ کی زیارت اُس کے شرف کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور یہ زیارت اگر اُس جگہ کی زیارت ہے جس کی شرافت پر شرع شاہد ہے تو یہ قُربت ہوگی ورنہ نہیں اور شاید امامِ مالک کا جواب اِسی بنیاد پر ہے جیسا کہ اُن کا استدلال دلالت بھی کرتا ہے کہ اُن کے مدِّنظر مکان کی زیارت ہے تو مطلب یہ ہوا کہ امامِ مالک کے نزدیک قبر کی زیارت اِس اعتبار سے کہ وہ سرزمین کی زیارت ہے قُربت نہیں ہے۔ قاضی عیاض نے امامِ مالک کے قول "زُرْتُ قبرَ النبیؐ" کی ممانعت کو اِسی معنیٰ پر محمول کیا ہوگا اور آنحضور کے قول "جس نے میری قبر کی زیارت کی"، کا مطلب یہ ہے کہ جس نے میری زیارت کی جبکہ میں قبر میں مدفون ہوں۔ یا یوں کہا جائے کہ حضور کی قبر کی زیارت بھی قُربت ہے چونکہ حضور نے فرمایا ہے۔

[1] امام مالک امامِ مدینہ اور اَعْلَمُ بِتِلْکَ الْمَسْئَلَةِ کو زیارتِ قبر النبی کی مخصوص روایات نہ معلوم ہوئی ہوں یہ بات قرینِ قیاس نہیں ہے۔ (مترجم)

"جس نے میری قبر کی زیارت کی" یہ خاص ہے بہ نسبت "کجاوے نہ کسو" والی روایت کے تو اس خاص کے ذریعہ اُس عام کی تخصیص کرلی جائے گی اور مطلب یہ ہوگا کہ "کجاوے نہ کسو" کی ممانعت سے حضور کی قبر کی زیارت "جس نے میری قبر کی زیارت کی" کی وجہ سے مستثنیٰ ہے۔ بہتر یہی ہے کہ حضور کے قول "جس نے میری قبر کی زیارت کی" کے معنیٰ یہی لئے جائیں کہ "جس نے میری زیارت کی جبکہ میں قبر میں ہوں" اور محض سرزمین کی زیارت کو قربت نہ مانا جائے جیسا کہ امام مالک کے قول کا مقتضیٰ ہے تو اِس سے امام مالک کے قول کی بھی وضاحت ہوجائے گی اور یہ بات بھی کہ امام کے قول کے معنیٰ زیارت کی قربت کی نفی نہیں ہے نہ یہ معنیٰ ہیں کہ زیارت کا سفر قربت نہیں ہے بلکہ یہ تو سب علماء کے نزدیک قربت ہی ہے۔ ہم چوتھے باب میں عبدی مالکی کا یہ قول تک نقل کرچکے ہیں کہ مدینہ تک زیارت کے لئے پیدل جانا، کعبہ اور بیت المقدس تک جانے سے زیادہ افضل ہے۔

چھٹا باب

زیارت کے سفر کے قربت ہونے کے بیان میں

زیارت کا قربت ہونا چند وجوہ سے ہے۔ کتاب اللہ میں ہے۔" اور اگر اُن لوگوں نے جس وقت اپنا بُرا کیا تھا آتے تیرے پاس پھر اللہ سے بخشواتے اور رسول اُن کو بخشواتا تو اللہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان" (نساء۔ ٦٤) پانچویں باب میں ہم اِس کے بارے میں پوری بحث کرچکے ہیں۔ اور آنا بہرصورت ثابت ہوجاتا ہے خواہ وہ قریب سے آنا ہو یا دور سے ہو۔ خواہ سفر کرکے آنا ہو یا بغیر سفر کے یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ یہاں مطلق آنے کا ذکر ہے تو اِس کی دلالت ہر آنے والے یعنی ہر فرد پر نہیں ہے اِس لئے کہ یہاں آنے کا ذکر شرط کی ضمن میں ہے لہٰذا وہ آنے والے تمام افراد پر صادق ہوگا۔ جس سے بھی آنا ثابت ہوگا اُس کے لئے اللہ تعالیٰ توّاب و رحیم ثابت ہوگا۔ زیارت کا قربت ہونا سنت سے بھی ثابت ہے۔ حدیث میں ہے۔" جس نے میری قبر کی زیارت کی" یہ عام ہے خواہ زیارت کرنے

والا قریب مقام سے آیا ہو یا دُور سے، خواہ سفر کرکے آیا ہو یا بغیر سفر کے، سب اِس عموم میں داخل ہیں۔ خاص طور پر اُس حدیث کے پیش نظر جس کی ابن السکن نے تصحیح بھی کی ہے یعنی "جو زیارت کرنے میرے پاس آیا اُس کو اس عمل میں سوائے زیارت کے اور کسی چیز نے نہیں لگایا" تو اِس سے تو بظاہر سفر کرکے آنے والا مراد ہے۔ اور یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اِس حدیث میں اُس آنے والے کا ذکر ہے جو حضور کی وفات کے بعد قبر پر حاضر ہوا ہے یا عموم کی وجہ سے یا اِس وجہ سے کہ مقصود ہی بعد الموت آنے والے کے لئے بشارت دینا ہے۔ تیسری وجہ سنت ہی سے ثبوت کی یہ ہے کہ اِس حدیث میں زیارت کی تصریح ہے اور زیارت کا لفظ چاہتا ہے کہ زیارت کرنے والا اپنی جگہ سے منتقل ہو کر اُس شخص کے پاس پہنچا ہے جس کی اُس کو زیارت کرنی ہے۔ جیسا کہ لفظ "وہ تیرے پاس آتے" جو آیت میں مذکور ہے کہ وہ چل کر آنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ بہرحال اِس زیارت کے معنیٰ میں ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل ہونا پایا جاتا ہے۔ جو شخص کسی شخص کے پاس مستقلاً رہتا ہو اُس کی ملاقات کو زیارت نہیں کہا جاسکتا اِس لئے زیارت میں ابتدائے سفر کی تصریح کی جاتی ہے۔ یہ کہا جاتا ہے میں نے فلاں شخص کی فلاں جگہ سے آکر زیارت کی یا یہ کہا جاتا ہے کہ ہم نے آنحضور کی مصر یا شام سے آکر زیارت کی تو زیارت کے لفظ میں سفر داخل ہے۔ اور جبکہ زیارت قربت ہوگی تو اُس کے لئے سفر بھی قربت ہوگا۔ آنحضور کا مدینہ سے باہر زیارتِ قبور کے لئے جانا ثابت ہے جبکہ قریب جگہ کی طرف نکلنا جائز ہے تو دور جگہ کی طرف جانا بھی جائز ہوگا۔ آنحضور مدینہ سے باہر بقیع میں زیارتِ قبور کے لئے تشریف لے گئے۔

ابو داؤد میں روایت ہے کہ حضور شہدائِ اُحد کی قبور کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تو جب غیر النبی کی قبر کی زیارت کے لئے نکلنا ثابت ہوگیا تو آنحضور کی قبر کی زیارت کے لئے سفر کرنا اور نکلنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔ چوتھی دلیل سلف و خلف کا اجماع اور اتفاق ہے۔ لوگ حج سے فارغ ہو کر ہمیشہ سے ہر سال آنحضور کی زیارت کے لئے مدینہ طیبہ جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ حج سے پہلے زیارت کرلیتے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے اور ہمارے بزرگوں نے دیکھا ہے اور علماء پُرانے زمانے سے یہ بات نقل کرتے چلے آئے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے تیسرے باب

میں بتایا ہے اور یہ ایسا یقینی معاملہ ہے کہ اُس میں شک کی گنجائش نہیں ہے۔ سب لوگ مدینہ پہنچنے کا قصد کرتے ہیں خواہ اُن کا حج کا راستہ ادھر سے گذرتا ہو یا نہ گذرتا ہو اِس مقصد کے لئے بڑی مسافت طے کرتے ہیں، رقم خرچ کرتے ہیں اور طرح طرح کی مشقّتیں برداشت کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ خلف و سلف کا اجماع اور اتّفاق جن میں علماء اور صلحاء داخل ہیں ناممکن ہے کہ کسی غلط بات پر ہو سکے۔ سب کا مقصد اِس فعل سے تقرّب الی اللہ ہوتا ہے۔ اور جو شخص زیارت کے لئے حاضر نہیں ہو سکتا اُس کو انتہائی رنج و قلق ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اُمّت کا یہ اجماع غلط بات پر ہے تو وہ خود خطا کار ہے اب اگر کوئی یہ کہے کہ وہ اِس سفر میں دوسری عبادت کا قصد بھی کر لیتے ہوں گے بلکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ ضرور ایسا کرتے ہوں گے اِس لئے کہ اکثر مصنّفین مناسک کی بحث میں یہ کہتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ قبر النبیؐ کی زیارت کے ساتھ ساتھ مسجد میں جانے کی اور وہاں نماز پڑھنے کی بھی نیت کر لے۔ منکرین اصلِ زیارت کے منکر نہیں ہیں بلکہ زیارتِ مستحبّہ کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ زیارت کے ساتھ مسجد کا بھی قصد کر لے۔ میں کہتا ہوں کہ اِس بارے میں یہ بحث کہ لوگ مدینہ کے سفر میں کس چیز کا قصد کرتے ہیں۔ مُنصف آدمی اگر اِس پر غور کرے گا اور لوگوں سے معلومات حاصل کرے گا تو سمجھ لے گا کہ لوگ جب مدینہ کا قصد کرتے ہیں تو وہ زیارت کا قصد کرتے ہیں اور راستہ طے کرتے ہوئے اُن کے دل میں زیارت کے علاوہ ثواب کی دیگر باتوں کا خیال تک بھی نہیں آتا ہے۔ اُن کی بڑی غرض زیارت ہوتی ہے۔ اگر وہاں زیارت کا معاملہ نہ ہوتا تو وہ وہاں کا سفر نہ کرتے۔ چنانچہ مسلمان بیت المقدس کا سفر بہت کم کرتے ہیں اگرچہ وہاں بھی نماز کی فضیلت احادیث سے ثابت ہے تو مدینہ جانے کا اصلی مقصد زیارت ہے۔ جس طرح مکۂ معظّمہ جانے کا اصلی مقصد حج اور عمرہ ہے۔

اب اگر سائل کو ہمارے بیان میں کوئی شک ہے تو وہ جانے والوں سے تحقیق کر لے۔ مصنّفین نے مناسک کے بیان میں جو طریقہ اختیار کیا ہے اُس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اُنھوں نے زیارت کے لئے مسجدِ نبوی کے قصد کو بمنزلہ شرط کے ذکر کیا ہے بلکہ اُن کا مقصود یہ ہے کہ زیارت کی قُربت کے ساتھ دوسری قُربتیں بھی حاصل کر لی جائیں۔ مسجدِ نبوی

کے قصد کی قُربت بھی حاصل کر لی جائے اور دیگر قُربات مثلاً شہدائے اُحد کی قبروں کی زیارت کا ثواب بھی حاصل کر لیا جائے۔ مصنّفین نے اِس خیال سے تنبیہ کی ہے کہ کہیں زیارت کو جانے والا دیگر قُربات کی نیت کو زیارت کے اجر کی کمی کا سبب نہ سمجھ بیٹھے۔ اِسی وجہ سے ابو عمرو ابن الصلاح نے تصریح کی ہے کہ دیگر قُربات کا قصد زیارت کے ثواب میں کوئی کمی پیدا نہیں کرتا ہے۔ اب اگر کوئی یہ سمجھے کہ مسجدِ نبوی کا قصد زیارت کے قصد کے لئے بمنزلہ شرط بیان کیا گیا ہے تو اُس کی غلطی ہے۔ پانچویں دلیل یہ ہے کہ قُربت کا وسیلہ بھی قُربت ہوتا ہے۔ شریعت کے قواعد سب اِس کے شاہد ہیں کہ مقاصد کے اعتبار سے وسائل کا اعتبار ہے۔ آنحضور نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتا دوں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہاری خطائیں معاف کر دے اور تمہارے درجات بلند کر دے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ضرور بتا دیجئے۔ فرمایا "ناپسندیدگی کی حالت میں وضوء کو مکمّل طریقہ پر کرنا۔ مسجد کی طرف زیادہ قدم چلنا۔ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہ تمہارے لئے بمنزلہ سرحد کی حفاظت کے ہے" زیادہ قدم چلنے کو جو شرف حاصل ہے وہ اِسی وجہ سے ہے کہ وہ عبادت کا وسیلہ ہے۔ آنحضور نے ارشاد فرمایا "نماز کا بڑا اجر اُس شخص کے لئے ہے جو دُور سے چل کر آئے"

ایک صحابی نے حضور سے عرض کیا کہ میرا گھر مسجد سے دُور ہے لیکن میں قریب کا گھر پسند نہیں کرتا ہوں۔ اِس لئے کہ دور کے گھر سے آنے جانے کا ثواب زیادہ ملے گا۔ حضور نے ارشاد فرمایا "اللہ نے تیرے اوپر کرم فرمایا ہے اور یہ چیز تجھے حاصل ہے"

حضرتِ جابر فرماتے ہیں۔ ہمارے مکانات مسجدِ نبوی سے دُور تھے۔ ہم نے یہ ارادہ کیا وہ مکان فروخت کر کے مسجد کے قریب مکان بنائیں۔ حضور نے منع فرمایا اور فرمایا "ہر قدم پر تمہارا ایک درجہ بلند ہوتا ہے" حضور نے فرمایا "جو شخص گھر سے وضو کر کے نماز کے لئے نکلتا ہے اُس کے ہر دو قدموں میں سے ایک سے اس کا ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور دوسرے سے اُس کا ایک رُتبہ بلند ہوتا ہے" آنحضور نے ارشاد فرمایا "جو شخص صبح کو مسجد کو جاتا ہے یا شام کو اللہ تعالیٰ اُس کے لئے صبح و شام کی مہمانی کا کھانا تیار فرما دیتے ہیں" آنحضور نے ارشاد فرمایا "جو شخص گھر سے وضو کر کے فرض نماز کے لئے نکلتا ہے اُس کو وہی ثواب ملتا ہے جو احرام باندھے ہوئے حاجی کو

اور جو شخص چاشت کی نماز کے لئے نکلتا ہے تو اُس کو عمرہ کرنے والے کا سا ثواب ملتا ہے۔" آنحضور نے ارشاد فرمایا "جو لوگ تاریکیوں میں چل کر مسجدوں میں آتے ہیں اُن کو قیامت کے دن کے مکمل نور کی بشارت دے دو" ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہی لوگ رحمت میں غوطہ لگانے والے ہیں۔

آنحضور نے ارشاد فرمایا "جس نے غسل کیا اور خوب غسل کیا اور صبح کو روانہ ہوا اور خوب صبح کو روانہ ہوا اور امام کے قریب بیٹھا اور کوئی بیہودہ کام نہیں کیا اُس کو ہر قدم پر ایک سال کے قیام وصیام کا ثواب ملے گا" اور ایک روایت میں ہے کہ وہ پیدل چلا، سوار نہ ہوا۔ آنحضور نے ارشاد فرمایا "جو شخص اپنے مریض بھائی کی مزاج پرسی کے لئے چلا وہ جنّت کی منزل میں چلا اور وہ جب وہاں جاکر بیٹھتا ہے تو رحمتِ خداوندی اُس کو ڈھانپ لیتی ہے" آنحضور نے ارشاد فرمایا "جس شخص نے کسی مریض کی مزاج پرسی کی یا اپنے بھائی کی زیارت کی تو آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے تُو پاکیزہ بن گیا اور تیرا چلنا پاک بنا اور تُو نے جنّت کی منزل میں اپنا ٹھکانا بنا لیا" یہ تمام احادیث اِس بات کو واضح کرتی ہیں کہ قربت کا وسیلہ بھی قربت ہے۔ اِس امر میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ شریعت ایسی باتوں سے پُر ہے قرآن اِس پر گواہ ہے۔

قرآن میں مذکور ہے۔ "اور جو شخص نِکلے اپنے گھر سے وطن چھوڑ کر طرف اللہ کی اور رسول کے پھر پالیوے اُس کو موت تو بڑا ثواب ہے اُس کا اوپر اللہ کے۔" (النسار۔۱۰۰)

یہ آیت ہمارے مدّعیٰ کی بہترین دلیل ہے۔ کیونکہ زیارتِ رسول کے لئے جو شخص گھر سے مسافر بن کر نکلا وہ ایک درجہ میں اللہ اور اُس کے رسول کا مہاجر ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے "یہ اِس واسطے نہ کہیں پیاس کھینچتے ہیں نہ محنت اور نہ بھوک اللہ کی راہ میں اور نہ پاؤں پھیرتے ہیں کہیں جس سے خفا ہوں کافر اور نہ چھینتے ہیں دشمن سے کچھ چیز مگر لکھا جاتا ہے اِس پر اُن کو نیک عمل۔ تحقیق اللہ نہیں کھوتا حق نیکی والوں کا۔ نہ خرچ کرتے ہیں کچھ خرچ چھوٹا یا بڑا اور نہ کاٹتے ہیں کوئی میدان مگر لکھتے ہیں اُن کے واسطے کہ بدلہ دے اُن کو اللہ بہتر کام کا جو وہ کرتے تھے" (التوبہ۔۱۲۰ و ۱۲۱)

اِس آیت میں جس قدر باتیں ہیں وہ ساری اُن کے نامۂ اعمال میں لکھ دی گئیں اور اُن کا اجر اُن کے لئے مقرّر کر دیا گیا کیونکہ یہ ساری چیزیں جہاد کا وسیلہ تھیں بلکہ جہاد کی جو کچھ شرافت ہے وہ بھی اِسی لئے ہے کہ وہ وسیلہ اور سبب ہے اللہ کے کلمہ کی سر بلندی کا۔ اصولیین نے اِس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ جو شخص دُور سے آکر حج کرے گا اُس کا حج مکّی کے حج سے افضل ہے اور حدیثِ قدسی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے "برداشت کرنے والے میری وجہ سے جو کچھ برداشت کرتے ہیں وہ میری آنکھوں کے سامنے ہے" اِس میں کوئی شک نہیں جو شخص کسی قُربت کے لئے کسی جائز چیز کو وسیلہ بنائے جس میں مشقّت ہو جیسا کہ سفر تو وہ اِس مشقّت کو اللہ کے لئے برداشت کرتا ہے۔ لہٰذا وہ اِس کا عمل اللہ کے سامنے ہے اور اللہ تعالےٰ اُس کو دیکھ رہا ہے اور اُس کی اِس کوشش میں اللہ تعالےٰ اُس کو جزا دے گا۔ کسی قُربت کا وسیلہ اگر جائز کام ہے اور اُس میں مشقّت بھی نہیں ہے جبکہ وہ وسیلہ ہے تو اُس کا بھی عمل کرنے والے کو اجر ملے گا۔ مثلاً کوئی شخص سوتا ہے تاکہ تہجّد کی نماز کی اُس میں طاقت آجائے۔ تو اِس نیند کا بھی اُس کو ثواب ملے گا۔ اِسی لئے ایک صحابی کا قول ہے۔ "مجھے تو اپنی نیند میں بھی اللہ سے ثواب کی اِسی طرح اُمید ہے جس طرح تہجّد کی نماز میں" علمار نے اِس قسم کے ثواب کے بارے میں بحث کی ہے کہ وہ نیت پر ہے یا عمل پر صحیح یہی ہے کہ عمل پر ہے۔ آنحضور کا فرمانا بھی یہی بتاتا ہے۔ آنحضور کا ارشاد ہے "تو جو خرچہ اپنی بیوی پر کرے گا حتّیٰ کہ جو لقمہ بھی تو اُس کے مُنہ میں دے گا اور اُس سے تیرا مقصد اللہ کی رضامندی ہو اِس سے تیرا رُتبہ بڑھے گا" اِسی طرح ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ "اگر وہ اپنی شہوت حلال جگہ سے پوری کر رہا ہے تو اِس کا بھی اُس کو ثواب ملے گا"

خلاصہ یہ ہے کہ عبادات چار قسم کی ہیں۔ ایک وہ عبادات جن کی وضع ہی عبادت کے طور پر ہے جیسا کہ روزہ، نماز، صدقہ، حج وغیرہ۔ جب یہ صحیح طور پر ادا کر دی جائیں تو وہ لامحالہ قربت ہوں گی۔ اِن کا وجود شرعی اعتبار سے قُربت کے سوا نہیں ہو سکتا۔ دوسری قسم وہ عبادات ہیں جو مصلحتوں کی بنار پر شرع کا مطلوب ہیں جیسے اچھّے اخلاق، سلام وغیرہ اگر یہ امرِ خداوندی کے تحت وجود میں لائی جائیں تو قُربت ہیں اگر یہ نیت نہ ہو تو یہ منجملہ مناجات

کے ہیں۔ تیسری قسم وہ عبادات ہیں جو بطور توسّل کے کی جاتی ہیں جیسا کہ چلنا وغیرہ تو اُن کا حکم مقصود کے حکم کے تابع ہے۔ اگر مقصد حرام ہے تو اُس کے لئے چلنا بھی حرام ہوگا اور اگر مقصد مباح ہے تو اُس کے لئے چلنا بھی مباح ہوگا اور اگر مقصد قُربت ہے تو اُس کے لئے چلنا بھی قربت ہوگا۔ اگر اُن کا وجود بے مقصد ہے تو وہ عبث ہیں۔ اِس قسم میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب اُن کا مقصود قُربت ہو تو یہ بھی قُربت ہوں گی۔ چوتھی قسم وہ عبادات ہیں جن کی وضع مباح ہے اور مقصود مصالحِ دنیا حاصل کرنا ہے جیسا کہ کھانا، پینا، سونا جسمانی مصلحت کے لئے۔ اب یہ بغیر کسی نیت کئے جائیں یا دنیوی نیّت سے کئے جائیں تو مباح ہیں اور اگر دینی مصلحت سے کئے جائیں تو مُوجبِ اجر ہیں۔ اِن کا اجر نیّت پر ہے یا عمل پر جو نیّت کے ساتھ ہو۔ اِن باتوں سے یہ ثابت ہوگیا کہ قُربت کا وسیلہ بھی قُربت ہوتا ہے۔ سفر زیارت کے قصد سے زیارت کے وسیلہ سے تو زیارت کی طرح وہ بھی قُربت ہوگا۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ زیارت قُربت ضرور ہے لیکن قریب شخص کے لئے ہے نہ کہ دُور سے آنے والے کے لئے، تو ایسی صورت میں سفر قُربت نہ ہوگا۔ اِس کے بارے میں ہم پہلے بتا چکے ہیں۔

کہ زیارت بہر حال قُربت ہے۔ قریب کے لئے بھی اور دُور سے آنے والے کے لئے بھی۔ زیارت کے مطلق دلائل کو قریب کے لئے خاص کرنا غلطی اور خطا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ نماز مطلقاً قُربت ہے اور اُس کے لئے سفر قُربت نہیں ہے بجز تین مسجدوں کے اس کا جواب سمجھ لیجئے مطلقِ نماز قُربت ہے اور تین مسجدوں کے علاوہ کسی معیّن مسجد کی نماز قُربت نہیں ہے لہٰذا اس کے لئے سفر کرنا بھی قُربت نہ ہوگا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اِس اصول کے مطابق تو مَنّت ماننا قُربت ہونا چاہیئے چونکہ وہ وسیلہ ہے اِس بات کا کہ ایک نفلی عبادت کو واجب بنا دیتی ہے اور واجب نفل سے افضل ہے حالانکہ منّت کو مکروہ قرار دیا گیا ہے اِس لئے کہ آنحضور نے منّت ماننے سے روکا ہے اور فرمایا ہے۔ "وہ خیر کا سبب نہیں ہے بلکہ بخیل سے مال خرچ کرانے کی ایک تدبیر ہے"۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ نفل کو واجب بنانا قُربت نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے اِس لئے کہ اِس صورت میں اندیشہ یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر وہ یہ نفل نہ ادا کر سکا تو گنہگار ہوگا اور اِس نفل کی ادائیگی بغیر اِس منّت کے بھی ہو سکتی ہے تو منّت

سے اُس نے ایک خطرہ مول لیا اور کوئی فائدہ نہ ہوا۔

دوسری بات یہ یاد رکھئے کہ قُربت کے وسیلہ کو قُربت قرار دیا گیا ہے۔ اِس حیثیت سے کہ وہ اُس مطلوب تک پہنچا دینے والا ہے لیکن کبھی اُس میں ایسا عارض پیدا ہو جاتا ہے جو اُس کو مکروہ بنا دیتا ہے۔ جیسا کہ کوئی غصب شدہ زمین پر چل کر مسجد میں جائے تو یہ چل کر جانا اِس عارض کی وجہ سے قُربت نہ رہے گا کہ وہ غصب کردہ زمین پر چلا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ بات یقینی طور پر کیسے کہی جا سکتی ہے جبکہ اصولیین میں اِس بارے میں اختلاف ہے کہ کسی چیز پر امر اُس کے موقوف علیہ پر بھی امر ہے یا نہیں؟ اور اِس کا ہی نتیجہ یہ ہے کہ اِس بارے میں اختلاف ہوگا کہ مستحب چیز کا وسیلہ بھی مستحب ہے یا نہیں؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ بتا دینگے کہ کسی فعل کا قُربت ہونا اعم ہے اِس سے کہ وہ مامور بہ ہو اور ہم پہلے یہ بات سمجھا چکے ہیں کہ یہ سفر مستحبًا مامور بہ ہے۔ اب ہم یہ کہتے ہیں کہ مامور بہ کی تکمیل جس چیز پر موقوف ہو وہ منقسم ہے اُس چیز کی طرف جو اُس کے وجود کے لئے شرط ہے اور اُس چیز کی طرف جو اُس کے وجود کے علم کے لئے شرط ہے جیسا کہ سر کے جزء کا دھونا چہرے کے دھونے کے علم کے لئے اور اختلاف دوسری قسم میں زیادہ سخت ہے اور ہم اس کے درپے نہیں ہیں۔ قسمِ اول یعنی وہ کہ جو مامور بہ کے وجود کے لئے شرط یا سبب ہے جس کو ہم بیان کر رہے ہیں اور اُس کو ہم مامور بہ کا مقدمہ بھی کہہ سکتے ہیں تو جمہور اِس بارے میں متفق ہیں۔ وہ مامور بہ اور مقصد کے وجوب کے لئے واجب ہے اور اِس بارے میں دو گروہ مخالف ہیں۔ ایک گروہ تو شرط میں مخالف ہے اور سبب میں مخالف نہیں ہے۔ اور ایک گروہ شرط اور سبب دونوں میں مخالف ہے۔

اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا تم یہ کہتے ہو کہ زیارت کے لئے ہر سفر مستحب ہے یا یہ کہتے ہو کہ مطلقِ سفر مستحب ہے اِس کا جواب یہ ہے کہ اصولِ فقہ میں یہ بات طے شدہ ہے کہ ماہیت کلیّہ پر امر اُس کی کسی جُزئی پر نہیں ہوتا ہے لیکن جزئیات میں سے کوئی جزئی غیر معیّن مامور بہ ہوتی ہے۔ اِس لئے کہ کُلّی پر عمل اُس کے بغیر ممکن نہیں ہے اور مخاطب کو کسی جزئی کے اختیار کرنے کا حق ہے۔ اب جب کہ وہ کسی معیّن جزئی پر عمل کرے گا وہ امر

کی ذمّہ داری سے سبکدوش ہوجائے گا اور سمجھا جائے گا کہ اُس نے مامور بہ پر عمل کرلیا ہے۔ تو ہر وہ سفر جو زیارت کے ارادے سے ہو اور اُس کے ساتھ کسی حرام یا مکروہ کا تعلّق نہ ہو تو وہ قرُبت ہوگا کیونکہ وہ ایک قرُبت تک پہنچانے والا ہے اور اُس کے ذریعہ مامور بہ سفر ادا ہوجاتا ہے اِس لئے کہ وہ اِس جزئی کے ضمن میں حاصل ہوگیا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ معیّن سفر مامور بہ ہے اِس لئے کہ امر کا تعلّق تو کُلّی سے ہے اور یہ جزئی ہے لیکن اِس کو قربت قرار دیا جائے گا کیونکہ اِس کے ذریعہ قرُبت کا ارادہ کیا ہے اور یہ اِس کا وسیلہ ہے تو قرُبت کُلّی اور جزئی دونوں پر صادق آتا ہے اور طلب کا تعلّق کُلّی سے ہے اور معیّن سفر زیارت کا وسیلہ ہے اور شرط نہیں ہے۔ مطلقِ سفر زیارت کا وسیلہ اور شرط ہے اور مطلقِ سفر شرط ہے۔ اور جب کبھی اُس سے توسّل کا ارادہ نہیں ہوتا تو اُس کو وسیلہ نہیں کہا جاتا ہے۔ اب اگر تم یہ کہو کہ مقدّمہ وسیلہ ہے یا غیر وسیلہ ہے۔ میں کہوں گا کہ مقدّمہ وہ ہوتا ہے جس پر شئے موقوف ہو اور تم نے اِس میں اصولیوں کا خلاف جان لیا ہے کہ اِس شئے کے وجوب سے مقدّمہ کا وجوب ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اور اِس میں اِس سے بحث نہیں کہ وہ قرُبت ہے یا نہیں؟ اِس لئے کہ جو موقوف علیہ ہوتا ہے کبھی اُس میں قرُبت کی نیّت کرلی جاتی ہے تو وہ قرُبت بن جاتا ہے ورنہ وہ قرُبت نہیں ہوتا۔ اب اگر کوئی شخص مکّہ کا سفر کسی بُرے کام کے لئے کرے پھر حج کرے تو اُس کا سفر قرُبت نہ ہوگا لیکن اُس سے امر کا سقوط ہوجائے گا چونکہ وہ سبب اُس کے وجوب کا مقتضی تھا وہ زائل ہوگیا۔

وسیلہ کے بارے میں جوہری نے لکھا ہے کہ وسیلہ وہ ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے تقرّب حاصل کیا جائے اِس کی جمع وُسُلُ اور وسائل ہے اور توسیل و توسّل کے ایک ہی معنیٰ ہیں۔ تو جب مقدّمہ پر وسیلہ کا اطلاق کیا جائے وہ اِس حیثیت سے ہوگا کہ اُس کے ذریعہ تقرّب حاصل ہوا ہے نہ کہ اِس حیثیت سے کہ وہ موقوف علیہ ہے بلکہ کبھی مقصد معیّن وسیلہ پر موقوف ہوتا ہے۔ تو اِس میں بھی پہلے والا اختلاف ہوگا اور کبھی بعینہٖ اِس پر مقصد موقوف نہیں ہوتا ہے بلکہ اِس سے عام چیز پر موقوف ہوتا ہے تو مقدّمہ پر وسیلہ کا اطلاق اُس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ تقرّب کی نیّت نہ کی ہو۔ اور اگر تقرّب کی نیّت نہ کی

تو اُس کو وسیلہ مجازاً کہا جاتا ہے۔ اور اصولیوں کے نزدیک مقدّمہ سے مراد موقوف علیہ ہوتا ہے۔ خواہ اُس میں توسّل کی نیّت کی ہو یا نہ کی ہو تو ان دونوں میں عموم و خصوص من وجہٍ کی نسبت ہے۔ اور اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ مقدّمہ وسیلہ کے مترادف ہے تو پھر وہ قرُبت نہ ہوگا جب تک کہ اُس کے ذریعہ کسی قرُبت کا قصد نہ کیا جائے تو ہمارا یہ کہنا کہ قرُبت کا وسیلہ قرُبت ہے اِسی معنیٰ کے اعتبار سے ہے۔ اِس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ کسی عمل کا قرُبت ہونا اُس کے واجب اور مستحب ہونے کے علاوہ ہے اِس لئے ایجاب یا ندُب کا حکم ماہیّت کلّیہ پر ہوتا ہے اور جو چیز خارج میں مشخّص ہے تو طلبِ خاص اُس سے متعلق نہیں ہے تو خاص اُس پر واجب ہونے کا حکم نہ ہوگا ہاں وہ اپنے ضمن میں واجب تک پہنچا دینے والی ہے۔ جب تم یہ سمجھ گئے تو اب سمجھو یہاں چند اعتبارات ہیں۔ ایک مطلقِ سفر ہے دوسرے مدینہ کا سفر ہے۔ تیسرے مدینہ کا سفر قرُبت کی نیّت سے کرنا ہے تو پہلی دو قسمیں نہ مطلوب ہیں نہ قرُبت ہیں۔ تیسری قسم مطلوب اور قرُبت ہے۔ قرُبتِ مقصودہ کے تفاوت سے اُس کے مراتب مختلف ہیں اِس لئے کہ کبھی تو مقصود صرف زیارت ہوتی ہے اور کبھی اُس کے ساتھ دوسری قرُبتوں کی نیّت ہوتی ہے جیسے کہ مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنا۔ شہدائے اُحد کی زیارت کرنا اور کبھی اُن کا مجموعہ ہوتا ہے یا اُن میں قدرِ مشترک اور وہ مطلقِ قرُبت ہے۔ اور یہ چاروں صورتیں قرُبت کی ہیں۔ کیونکہ مدینہ کا سفر قرُبت اِس لئے نہیں ہے کہ وہ مطلقِ سفر ہے یا مدینہ کا سفر ہے بلکہ اِس بنیاد پر قرُبت بنا ہے کہ قرُبت کا قصد کیا ہے تو اب جہاں کہیں قرُبت کا قصد ہو قرُبت ثابت ہوجائے گی۔ چاروں میں سے ہر ایک پر قرُبت کا حکم لگانے میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ بطور کُلّی کے ہو یا مشخّص جزئی کے ہو لیکن اُس کے مطلوب یا مستحب ہونے کا حکم بخصُوصہٖ وہ اُن میں سے کسی مشخّص پر نہیں ہے۔ اُس کا تعلّق اُن میں سے کسی ایک غیر متعیّن پر ہے اور جب اُس کا وجود ہوجائے گا تو وہ قرُبت ہوگا۔ اور مامور بہ اُس کے ضمن میں ادا ہوجائے گا۔ اب اگر تم یہ کہو کہ سفر کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اِس میں مسافر نے زیارت کے ساتھ کسی دوسری عبادت کا بھی قصد کرلیا ہو۔ جیسا کہ مسجدِ نبوی میں نماز یا اعتکاف، تو اُس کے قرُبت ہونے میں تو اشکال نہیں ہے اور

دوسری صورت سفر کی یہ ہے کہ محض زیارت کی نیت ہو۔ یہ صورت اور جس سفر میں کوئی نیت ہی نہ ہو اختلاف اور بحث اُس صورت میں ہے اور آپ کا یہ کہنا کہ قربت کا وسیلہ قربت ہوتا ہے۔ اِس میں ہمیں اعتراض ہے اِس لئے کہ کسی شئ اعم پر موقوف ہونے سے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اخص پر بھی موقوف ہو اور وہ شخص جو دُور ہے اُس کی زیارت تو مذکور تینوں قسموں پر موقوف ہے نہ کہ صرف قسمِ ثانی پر تاکہ تمہارا دعویٰ مکمل ہو سکے۔ میں کہتا ہوں یہ بات اِس طرح نہیں ہے اِس لئے کہ اگر تم اِس بات کے قائل ہو کہ قربت کا وسیلہ قربت ہوتا ہے تو نہ اِس استدلال کی ضرورت ہے نہ تقسیم کی اور اگر تم یہ کہو کہ قربت کا وسیلہ قربت نہیں ہوتا تو تمہارے پاس اُن دلیلوں کا کوئی جواب نہیں ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ پھر تم پر یہ لازم ہوگا کہ زیارت کے سفر کے ساتھ اور کسی قربت کی نیت کر لی جائے تو بھی وہ سفر قربت نہ ہو اور اگر تم یہ کہتے ہو کہ قربت کا وسیلہ قربت ہے تو جب ثابت ہو چکا کہ زیارت قربت ہے تو سفر کے بارے میں کیا اعتراض ہے۔

ساتواں باب

مخالف کے شبہات کے دفعیہ اور اُس کے کلمات کی تلاش کے بیان میں

اِس میں ۲ دو فصلیں ہیں

فصلِ اوّل شبہات کے بیان میں اور اِس میں تین شبہے ہیں

پہلا شبہہ: "نہ کسے جائیں کجاوے مگر تین مسجدوں تک" مخالف کو یہ وہم ہو گیا کہ یہ حدیث زیارت کے سفر کی مخالفت کے لئے ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ہم اوّلاً حدیث کے الفاظ ذکر کرتے ہیں۔ پھر انشاء اللہ اُس کے معنیٰ بتائیں گے۔ یہ حدیث متفق علیہ صحیح ہے۔ حضرتِ ابو ہریرہ نے آنحضور سے مختلف الفاظ سے روایت کی ہے۔ مشہور لفظ یہ ہے "کجاوے نہ کسے جائیں مگر تین مسجدوں تک۔ میری یہ مسجد اور مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ" اِن الفاظ کے ساتھ

سفیان ابن عیینہ نے امام زہری سے روایت کی ہے۔ مَعْمر نے امام زُہری سے بایں الفاظ روایت کی ہے کہ تین مسجدوں کی طرف کجاوے کسے جائیں۔ امام زہری کے علاوہ دوسرے طریقہ سے یہ الفاظ منقول ہیں۔ جز ایں نیست کہ سفر کیا جاتا ہے تین مسجدوں، مسجدِ کعبہ اور میری مسجد اور ایلیاء کی مسجد کی جانب۔ اِن تینوں روایتوں کو مسلم نے حضرتِ ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے اور ابو سعید خدری سے یہ الفاظ منقول ہیں۔ کجاوے نہ کسو مگر تین مسجدوں کی جانب۔ میری یہ مسجد اور مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ۔ نیز ابو سعید خدری سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں۔ جز ایں نیست کہ کجاوے کسے جاتے ہیں تین مسجدوں کی جانب۔ مسجدِ ابراہیم، مسجدِ محمدؐ، مسجدِ بیت المقدس حضرتِ ابن عمر نے بھی آنحضور سے روایت کیا ہے۔ کجاوے نہ کسو مگر تین مسجدوں کی جانب مسجدِ حرام مسجدِ مدینہ اور مسجدِ بیت المقدس۔ اب ہم اِس کے معنیٰ بیان کرتے ہیں یہ استثناء متصل ہے اِس کی تقدیر یہ ہوگی۔ کسی مسجد کی طرف کجاوے نہ کسے جائیں مگر تین مسجدوں کی جانب یا تقدیر یہ ... ہوگی۔ کجاوے نہ کسے جائیں کسی مکان کی طرف مگر تین مسجدوں کی طرف۔ یہ دونوں تقدیریں ضروری ہیں تاکہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل ہو جائے۔ اور اِن دونوں تقدیروں میں پہلی تقدیر یعنی مسجد کی تقدیر زیادہ بہتر ہے اِس لئے کہ مسجد مساجد کی جنس قریب ہے اور اُس میں زیادہ تخصیصات بھی نہ کرنی پڑیں گی۔

یاد رکھو سفر میں ۲ دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ چیز جو سفر کرنے پر برانگیختہ کرتی ہے جیسے حج یا جہاد یا طلبِ علم یا والدین کی زیارت یا ہجرت وغیرہ۔ دوسری چیز وہ مکان ہوتا ہے جو سفر کا منتہیٰ ہوتا ہے جیسے مکّہ یا مدینہ یا بیت المقدس یا اور کوئی جگہ خواہ کوئی غرض ہو۔ اِس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ عرفات کے میدان کے لئے کجاوے کسنا حج کے افعال کے لئے واجب ہے اِس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے حالانکہ وہ تین مسجدوں میں داخل نہیں ہے جداگانہ مقام ہے۔ اِسی طرح طلبِ علم کے لئے سفر کرنا اور کجاوہ کسنا بالاجماع جائز ہے خواہ کوئی مکان ہو۔ اِن مساجدِ ثلاثہ کے علاوہ کسی مکان کا سفر کبھی مستحب کبھی واجب علی الکفایہ اور کبھی فرضِ عین ہوتا ہے۔ اِسی طرح جہاد کے لئے سفر اور خاص حالات میں بلادِ کفر سے بلادِ اسلام کی طرف ہجرت، اِسی طرح والدین کی زیارت کے لئے

سفر اور بھائیوں کی ملاقات کے لئے، تجارت کے لئے سفر بالاتفاق جائز ہے۔ حالانکہ وہ مساجد ثلاثہ کے لئے سفر نہیں ہے۔ اصل معنیٰ اِس حدیث کے یہی ہیں کہ مساجد میں سے صرف اِن تین مسجدوں کی طرف سفر کرنا چاہیئے یا مقامات اور مکانوں میں سے صرف اِن تین مسجدوں کی طرف سفر کرنا چاہیئے۔ اب دونوں تقدیروں پر اگر مساجد یا امکنہ غایتِ سفر ہیں اور باعث سفر کوئی اور چیز ہے۔ مثلاً علم حاصل کرنا وغیرہ تو یہ سفر ہر مسجد اور ہر مکان کی طرف جائز ہوگا تو حدیث کی یہ مُراد نہیں ہو سکتی۔ پھر اِس تقدیر پر قصدِ زیارت النبیؐ سے سفر کی غایت مسجد نبوی ہوگی اِس لئے کہ وہ قبر شریف کے ساتھ ملحق ہے تو زیارت النبیؐ کے لئے سفر کی غایت تینوں مسجدوں میں ایک مسجد ہوئی اور اگر مساجد اور امکنہ کو علّتِ سفر قرار دیا جائے تو علّت کے معنیٰ یہ ہوئے کہ اِن مقامات کی تعظیم کی وجہ سے سفر کیا جا رہا ہے اور اِن میں داخل ہو کر تبرّک حاصل کرنا مقصود ہے اور یہ اِس اعتبار سے ہوگا کہ سفر کرنے والا اُس سرزمین کو دوسری سرزمینوں سے افضل قرار دے رہا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ سفر کی ممانعت دو۲ شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔ ایک تو یہ کہ غایتِ سفر مساجدِ ثلٰثہ کے علاوہ اور کوئی مقام ہو اور دوسرے یہ کہ علّتِ سفر اُس مکان و مقام کی تعظیم ہو تو اب زیارت النبیؐ کے لئے سفر کی غایت مسجدِ نبوی ہے۔ اور اُس کی علّت اُس سرزمین میں مدفون کی تعظیم ہے نہ کہ اُس مقام کی تو اِس کو ممنوع کیسے قرار دیا جا سکتا ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ مطلوب سفر کے دو۲ سبب ہیں ایک تو یہ کہ غایت تینوں مسجدوں میں کوئی مسجد ہو۔ دوسرے یہ کہ عبادت مقصود ہو اگرچہ وہ سفر مساجدِ ثلٰثہ کے علاوہ کے لئے ہو تو آنحضور کی قبر کی زیارت کے سفر میں دونوں باتیں جمع ہیں تو یہ سفر بدرجۂ اولیٰ جائز ہونا چاہیئے اور وہ سفر جو اِن اماکن کے علاوہ کے لئے ہو اور اُس میں اُس جگہ کی تعظیم مدِّ نظر ہو وہ اِس روایت کا مصداق ہوگا اور ممنوع ہوگا۔ اِسی لئے روایت ہے کہ بعض تابعین نے حضرت ابن عمر سے کوہِ طور کی زیارت کے سفر کا مسئلہ معلوم کیا تو اُنھوں نے ممانعت کی یہی روایت پڑھی اور اُس کو سفر سے روکا

اور فرمایا کوہِ طور کو چھوڑ وہاں نہ جا۔ مساجدِ ثلٰثہ کے علاوہ کسی دوسری مسجد کے لئے سفر کر کے جانے کے بارے میں فقہائے کلام کیا ہے۔ امام الحرمین نے اسے شیخ ابو محمد سے نقل کیا ہے کہ وہ مساجدِ ثلٰثہ کے علاوہ کسی مسجد کے لئے سفر کرنے سے منع کرتے تھے اور بسا اوقات کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ سفر مکروہ ہے اور کبھی کہہ دیتے تھے حرام ہے۔ شیخ ابو علی نے فرمایا کہ یہ سفر نہ مکروہ ہے نہ حرام، ہاں حضور نے یہ واضح کر دیا ہے کہ قُربت صرف مساجدِ ثلٰثہ کے سفر میں ہے۔ کسی دوسری مسجد کے لئے سفر کرنے میں کوئی قُربت نہیں ہے۔ دونوں قولوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اگر مساجدِ ثلٰثہ کے علاوہ کسی دیگر مسجد کے سفر میں اُس مسجد و مکان کی تعظیم مقصود ہے تو پھر ابو محمد کا قول صحیح ہے۔ اور اگر تعظیم مقصود نہیں ہے تو پھر شیخ ابو علی کے قول کو ترجیح ہے۔

قاضی عیاض نے بعض فقہاء کا قول نقل کیا ہے کہ اگر یہ سفر منّت مان کر کرے تو ممنوع ہے اور اگر نیک لوگوں کے نشانات دیکھنے کے لئے محض فضیلت کی بُنیاد پر سفر کرے تو ممنوع نہیں ہے۔ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم بغیر نذر کے مسجدِ قباء کا سفر فرماتے تھے۔ مساجدِ ثلٰثہ کے علاوہ کسی اور مسجد کے لئے سفر کی نذر کے بارے میں تین مذہب ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ یہ درست نہیں ہے۔ یہ ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے۔ دوسرا مذہب لیث ابن سعد کا ہے وہ مطلقاً جائز کہتے ہیں۔ تیسرا مذہب ہے کہ یہ نذر لازم ہوگی جبکہ کجاوہ کسنا نہ ہو۔ یہ مذہب محمد بن سلمہ مالکی کا ہے۔ امامِ مالک نے نقل کیا ہے کہ حضرتِ ابن عباس سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی شخص پیدل مسجد قباء جانے کی مَنّت مانے تو یہ مَنّت لازم ہوگی یا نہیں۔ اُنھوں نے فرمایا لازم ہو جائے گی اور اُس کو حکم دیا جائے کہ وہ پیدل جائے۔

عبدالملک نے "کتاب الواضحہ" میں لکھا ہے۔ یہی حکم اُس شخص کا ہے جس نے اُس مسجد میں جانے کی منّت مانی جس میں وہ پنجوقتی نماز یا جمعہ پڑھتا تھا۔ جو مساجد دُور ہوں اُن میں جانے کی منّت لازم نہ ہوگی نہ پیادہ پا جانے کی نہ سوار ہو کر جانے کی۔

اِسی طرح ابن وہب وغیرہ نے امامِ مالک سے مساجدِ ثلٰثہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ اگر مسجدِ حرام کے بارے میں منّت مانی ہے پیدل جانے یا سوار ہو کر جانے کی تو اُس پر

وہ منّت لازم ہوجائے گی اور بقیہ دونوں مسجدوں کے بارے میں منّت لازم نہ ہوگی اور اُس پر یہ لازم ہوگا کہ وہ اِن دونوں مسجدوں میں نماز پڑھنے کے لئے سوار ہوکر جائے۔ یہ مسائل تو بعینہٖ کسی مکان کے قصد کے بارے میں یا ایسی عبادت کے قصد کے بارے میں ہیں جو دوسری جگہ بھی ادا ہوسکتی تھی لیکن بغیر منّت کے کسی غرض کی وجہ سے سفر کرنے کے بارے میں نہ تحریم کا قول ہے نہ کراہت کا۔

امامِ نووی نے مسلم کی شرح میں فرمایا ہے۔ مساجدِ ثلٰثہ کے علاوہ کجاوے کسنے اور سفر کرنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ مثلاً نیک لوگوں کی قبروں پر جانے اور فضیلت والی جگہوں کے بارے میں ہمارے اصحاب میں سے شیخ ابو محمد نے فرمایا۔ یہ سفر حرام ہے۔ اور قاضی عیاض نے اُس کے مختار ہونے کی جانب اشارہ کیا ہے اور ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب جو کہ امام الحرمین اور محقّقین نے اختیار کیا ہے کہ "نہ حرام ہے نہ مکروہ بلکہ مراد یہ ہے کہ پوری فضیلت تین مسجدوں کے سفر میں ہے۔ امام رافعی اور نووی نے شرح مسلم کے علاوہ دوسری جگہ جو نقل کیا ہے اُس میں نیک لوگوں کی قبروں کا ذکر نہیں ہے۔ اُس میں ان کا وہی مطلب ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ امام نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص مسجدِ حرام کے علاوہ کسی مسجد میں جانے کی منّت مانے تو علماء نے کہا ہے کہ منّت لازم نہ ہوگی اُس لئے کہ مساجدِ ثلٰثہ کے علاوہ کسی مسجد کا قصد کوئی قُربت نہیں ہے اور جو قُربت اور عبادت مقصودہ نہ ہو تو اُس کی منّت سے لازم نہیں ہوتی۔ اور میرے شیخ مساجدِ ثلٰثہ کے علاوہ کجاوہ کسنے سے منع کرتے تھے۔ اِسی طرح رافعی نے فرمایا۔ اگر کوئی مساجدِ ثلٰثہ کے علاوہ کسی مسجد کے جانے کی منّت مانے گا تو وہ منّت لازم نہ ہوگی۔ اور اِسی طرح کی بات امام نووی نے شرح مہذّب میں کہی ہے۔ دیگر مساجد میں صحیح اغراض کے لئے جانا اور دیگر مقامات کی زیارت کے لئے جانا، علم حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا، جہاد کے لئے سفر کرنا اِس کے بارے میں ابو محمد نے کچھ نہیں کہا اور اُن کی طرف ممانعت کو منسُوب کرنا درست نہیں ہے۔ اِسی طرح قاضی عیاض نے "اکمال" میں کہا ہے کہ آنحضور کے قول "کجاوہ نہ کسو" میں اُن مساجد کی تعظیم کا بیان ہے اور اُن کی طرف خصوصیت سے سفر کرنے کا

اشارہ ہے۔ اِس لئے کہ یہ انبیاء کی مساجد ہیں اور اِن میں عبادت کرنے کی فضیلت ہے اور اِن میں عبادت کا ثواب چند گُنا ہے اور اِن میں جانے کی منّت کا لزوم ہے بخلاف دیگر مساجد کے کہ اُن کی طرف سفر کرنا ممنوع ہے۔ خواہ منّت مان کر سفر کرے یا بغیر منّت کے سفر کرے۔ ہاں محمد بن مسلمہ نے مسجدِ قبا کو اِن تینوں مسجدوں کے ساتھ ملحق کیا ہے۔ قاضی عیاض کے اِس کلام میں عام قبروں کی زیارت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اُس میں تو صرف مساجدِ ثلٰثہ کے علاوہ دیگر مساجد کے سفر کی بات ہے۔

ابن قدامہ حنبلی نے "کتاب المغنی" میں کہا ہے کہ اگر کوئی زیارت قبور کے لئے سفر کرے یا دیگر متبرک جگہوں کا سفر کرے تو اُس کو سفر کی رخصتیں حاصل نہ ہوں گی اُس لئے کہ یہ سفر ممنوع ہے۔ حضور کا ارشاد ہے "کجاوے نہ کسو"۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ سفر مباح ہے اِس میں سفر کی رخصتیں حاصل رہیں گی۔ اِس لئے کہ آنحضور مسجدِ قباء پیدل اور سوار ہوکر تشریف لے جایا کرتے تھے اور قبور کی بھی زیارت کرتے تھے اور فرمایا "اِن قبروں کی زیارت کیا کرو یہ تمہیں آخرت کی یاد دلائیں گی"۔ آنحضور کا فرمان "کجاوے نہ کسو" کے معنیٰ دیگر مساجد کے سفر کی فضیلت کی نفی ہے نہ کہ حرمت کا بیان اور سفر کی مباح ہونے کے لئے فضیلت شرط نہیں ہے اور نہ قصرِ صلوٰۃ وغیرہ کے لئے فضیلت والا سفر شرط ہے اور فضیلت کا نہ ہونا سفر کو حرام بھی نہیں کرتا ہے۔ میں نے ابنِ قدامہ کے کلام کا مطالعہ کیا لیکن مجھے ابنِ عقیل کا یہ قول نہیں ملا۔ ممکن ہے اُن کا یہ قول مشاہد کے دیکھنے کے بارے میں ہو تو پھر یہ قول ہمارے مخالف نہیں ہے اِس لئے کہ اُس میں امکنہ کا قصد ہوا اور ہماری بحث محض میّت کی زیارت کے قصد کے سفر سے ہے جس میں مکان مقصود نہ ہو۔ اُن کا موضوع وہ قبریں ہیں جن پر مشاہد تعمیر کئے گئے ہیں اور آنحضور کی قبر اُس میں داخل نہیں کیوں کہ جس جگہ وہ ہے اُس کو مشہد نہیں کہا جاتا ہے۔ اور اگر یہی کہا جائے کہ آنحضور کی قبرِ شریف بھی کلام کے مدلول میں داخل ہے تو پھر قبر النبیؐ کی تخصیص کر لی جائے گی اور اُن کے کلام کو قبر النبیؐ کے ماسوا پر محمول کیا جائے گا اور تخصیص کی دلیل وہ دلائل ہیں جو خصوصاً آنحضور کی قبر کی زیارت کے بارے میں ہیں اور اُس کے لئے سفر پر امّت کا اتفاق ہے۔ اور اگر

ابن عقیل نے اِن دلائل کو معتبر نہ سمجھا ہو اور وہ آنحضور کی قبرِ مبارک کو بھی اپنے کلام کے مدلول میں شامل کرتے ہوں تو پھر اُن کا قول یقیناً مردُود ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ جواز کی تقریر اِس بات پر مبنی ہوئی کہ سرزمین کا قصد نہ ہو بلکہ اُس ذات کا قصد ہو جو اُس سرزمین میں مدفون ہے تو زیارتِ قبرالنبیؐ میں بھی سرزمین کا قصد ضرور ہے اِس لئے کہ درود و دعا تو دور سے بھی ہو سکتی تھی اِس کے بارے میں یہ سمجھ لیجئے کہ اگر سرزمین کا قصد اُس شخصیت کی وجہ سے ہے جو اُس سرزمین میں مدفون ہے تو ہم اُس کی فضیلت کے مُنکر نہیں ہیں ہاں صرف سرزمین کا قصد یا ایسی چیز کا قصد جس کی تعظیم شرعاً نہیں ہے وہ ممانعت میں داخل ہے۔ پھر یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ زیارت میں سرزمین کا دخل ضرور ہو بلکہ بسا اوقات سرزمین کا تصوّر بھی نہیں ہوتا محض اُس شخصیت کا تصوّر ہوتا ہے جو اُس کے اندر مدفون ہے اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ زیارت کا مقصد دُور سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اِس لئے کہ مُردے کے ساتھ بھی زندہ کا سا معاملہ ہوتا ہے۔ دیکھو جب آنحضور حضرتِ عائشہ کی باری کی رات میں بقیع تشریف لے گئے تو وہاں کافی دیر تک کھڑے رہے پھر تین بار ہاتھ اُٹھا کر دعائیں مانگیں۔ حضرتِ عائشہ کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل آئے اور کہا خدا کا تمہیں حکم ہے کہ بقیع جا کر اہلِ بقیع کی مغفرت کی دعا کرو۔

حضرتِ عائشہ فرماتی ہیں۔ میں نے آنحضور سے دریافت کیا کہ میں کس طرح دعا کیا کروں۔ آنحضور نے فرمایا۔ یوں کہا کرو "اے اِس آبادی کے ساکنوں، مومنوں اور مسلمانوں تم پر سلام ہو۔ خدا ہمارے پہلے جانے والوں اور بعد کے جانے والوں پر رحم فرمائے اور ہم بھی انشاءاللہ تمہارے پاس پہنچنے والے ہیں" اب دیکھو آنحضور خدا کے حکم سے بقیع تشریف لے گئے اور وہاں جا کر مغفرت کی دعا کی اور دُور سے دعا کر دینے پر اکتفا نہ کیا۔ آنحضور کا یہی فعل قبرستان جانے اور مُردوں کی زیارت کرنے اور اُن کے لئے مغفرت کی دعا کرنے کی اصل ہے۔ حضرتِ عائشہ کا یہ کہنا کہ میں کس طرح دُعا کیا کروں۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ اگر میں پھر کبھی قبرستان جاؤں تو کیسے استغفار کروں۔ اِس سے یہ بھی ثابت ہے ہوا کہ عورتوں کو زیارت کے لئے قبرستان جانا ممنوع نہیں ہے ورنہ آنحضور بجائے دعا سکھانے کے ممانعت فرما دیتے۔ کچھ لوگوں نے

بعض علماء کی طرف سے کچھ فتاویٰ مجھے لا کر دیئے۔ نہ معلوم وہ من گھڑت فتاویٰ ہیں یا واقعی ایسے لوگوں کے ہیں جو نام نہاد عالم ہیں اور حقیقتاً جاہل ہیں۔ اُن میں سب سے پہلا فتویٰ ایک مالکی کا ہے جس میں تحریر ہے کہ ابو محمد جوینی نے اپنی کتابوں میں تصریح کی ہے کہ زیارتِ قبور کے لئے سفر کرنا حرام ہے۔ اور اِسی کو قاضی عیاض نے اپنی کتاب "اِکمال" میں اختیار کیا ہے۔ اور وہ اِس نقل میں بالکل جھوٹا ہے۔ نہ شیخ ابو محمدؒ نے یہ کہا نہ قاضی عیاض نے۔

دوسرا فتویٰ ایک شافعی کا ہے۔ اُس نے کہا ہے کہ علماء کے کلام سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ زیارتِ قبور کوئی عبادت اور اطاعت نہیں ہے۔ اگر سمجھ سے مراد اُس کی اپنی سمجھ ہے تو کوئی مضائقہ نہیں یہ اُس کی سمجھ نہیں ہے بلکہ کج فہمی ہے۔ ہمارے نزدیک تو علماء اِس کے برخلاف سمجھتے ہیں۔ اِس مفتی نے پھر یہ کہا۔ جو شخص اِن تین مساجد کے علاوہ سفر کرنیکے جواز کا اعتقاد رکھے یا وجوب کا یا استحباب کا تو وہ صریح نہی کی مخالفت کرتا ہے اور نہی کی مخالفت گناہ ہے یا کفر ہے منہی عنہ کے اعتبار سے اور اُس کے وجوب اور اُس کی تحریم کے اعتبار سے، اِس کلام کو پڑھ کر ہنسی آتی ہے۔ اُس نے منہی عنہ کو واجب اور حرام کی طرف منقسم کیا ہے۔

تیسرا فتویٰ بھی پہلے فتوے کی ہو بہو نقل ہے۔ چوتھا فتویٰ بھی اِسی طرح کی خرافات کا مجموعہ ہے۔ جس کے ذکر سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ مخالف نے جو اِس حدیث سے استدلال کیا ہے اُس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ امام ابن تیمیہ کو صرف زیارتِ قبرالنبیؐ کے سفر سے اختلاف ہے نفسِ زیارت سے نہیں ہے لیکن یہ وہم صحیح نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہ سفر اور نفسِ زیارت دونوں کے مُنکر ہیں۔ جیسا کہ ہم آئندہ واضح کر دینگے۔ اُن کا کہنا تو یہ ہے کہ اِس طریقہ پر زیارت ہی بدعت ہے اور یہ غیر اللہ کی تعظیم کی صورت ہے جو شرک کی طرف مفضی ہے اور جو چیز ایسی ہو گی وہ لامحالہ ممنوع ہو گی چونکہ وہ سفر اور زیارت دونوں کو ممنوع قرار دیتے ہیں اِسی لئے جو احادیث زیارت کے سلسلہ کی ہیں اُن کو "ضعیف" ہی نہیں بلکہ موضوع قرار دیتے ہیں۔ اور اپنی بات میں آنحضور کے قول "میری قبر کو عید نہ بناؤ" اور آنحضور کے قول "خدا کی لعنت ہے یہود اور نصاریٰ پر انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا ہے" سے استدلال کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں اور اُن کا یہ عقیدہ توحید

کی محافظت پر مبنی ہے۔ یہ باتیں اُن کے کلام میں مذکور ہیں۔ میں نے اُن کے قلم کا لکھا ہوا ایک فتویٰ بھی دیکھا ہے اُس میں کی کچھ باتیں ذکر کرتا ہوں۔ لکھا ہے۔

کسی قبر کے پاس عرفہ کے دن جاکر عرفہ منانا وہ تو اِس سے بھی بڑا گناہ ہے یہ تو بدعت اور شرک ہے اِس لئے کہ اصل سفر ہی قبور کی زیارت کے لئے جائز نہیں ہے۔ اور کوئی عالم بھی اُس کو مستحب نہیں کہتا ہے۔ اِسی لئے اگر اُس کی کوئی مِنّت مانے تو اُس پر وہ مِنّت لازم نہ ہوگی۔ یہ متفق علیہ بات ہے۔ اِس کے بعد لکھا ہے کہ اِسی وجہ سے کوئی صحابی اور کوئی تابعی فتح شام کے بعد یا فتح شام سے قبل حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ کی قبر کی زیارت کے لئے نہیں گیا۔ نہ شام میں واقع دیگر انبیاءَ کی قبروں کی زیارت کے لئے گیا۔ نہ حضور نے معراج کی رات میں قبروں کی زیارت کی۔ وہ حدیث جس میں معراج کے سلسلہ میں یہ مذکور ہے کہ جبرئیل نے کہا تھا کہ "یہ تمہارے باپ ابراہیم کی قبر ہے اِس کی زیارت کرو۔ یہ تمہارے بھائی عیسیٰ کی پیدائش کی جگہ ہے یہاں اُترو اور نماز پڑھو" محض جھوٹ ہے جس میں سچّائی کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے۔ وہ صحابہ جنھوں نے شام کی سکونت اختیار کی یا وہ صحابہ جو حضرتِ عمر کے ساتھ شام پہنچے کبھی اِن قبروں کی زیارت کے لئے نہیں گئے۔

اِس کے بعد ابن تیمیّہ نے لکھا۔ صحابہ نے آنحضور کے آثار کو نہ مسجد بنایا نہ مزار، وہ نہ غارِ حرار کی زیارت کرتے تھے نہ غارِ ثور کی۔ یہاں تک کہ قبر النبیؐ کی زیارت کے بارے میں بھی حضور کا کوئی لفظ ثابت نہیں ہے۔ حضور سے آیت کے مطابق یہ حکم ثابت ہے۔ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو درود بھیجو اوپر اُس کے اور سلام بھیجو" (سورہ احزاب - آیت ۵۶) پھر ابن تیمیّہ نے لکھا۔ اِسی وجہ سے صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں کوئی مشہد نہ تھا جس کی زیارت کی جاتی ہو، نہ کسی نبی کی قبر پر نہ غیر نبی کی قبر پر، چہ جائیکہ اُس کے لئے سفر کیا جاتا ہو نہ حجاز میں، نہ شام میں، نہ یمن میں، نہ عراق میں، نہ مصر میں اور نہ مشرق میں۔ پھر لکھا اِسی وجہ سے قبروں کی زیارت دو قسم کی ہوگئی۔ ایک شرعی زیارت، ایک بدعی زیارت۔ شرعی زیارت کا مقصد اگر مومن کی قبر ہے تو اُس کے لئے دعا و سلام کرنا ہے اور موت کی یاد دہانی ہے، خواہ وہ مومن مُردے کی قبر ہو یا کافر کی۔ مومن کی قبر کی زیارت خواہ وہ نبی کی ہو یا غیر نبی کی ایسی ہی ہے جیسے کہ اُس کے جنازہ کی نماز۔ دونوں صورتوں میں اُس کے لئے دعا کی جاتی ہے۔ بدعی زیارت وہ ہے

جو نصاریٰ کی زیارت کی طرح ہے۔ جس کا مقصود شرک ہے۔ جیسا کہ اُس صاحبِ قبر سے ضروریات مانگنا یا اُس کو چھُونا اور چُومنا یا اُس کو سجدہ کرنا، یہ سب وہ کچھ ہے جس کا نہ اللہ نے حکم دیا نہ رسول نے اور نہ مسلمانوں کے کسی امام نے اِس کو مستحب گردانا، نہ سلف یہ کرتے تھے، نہ آنحضور کی قبر کے پاس، نہ کسی دوسری قبر کے پاس، نہ وہ اللہ کو قسم دیتے تھے نہ اُس کی کسی مخلوق کی، نہ نبی کی نہ غیر نبی کی، نہ وہ مُردے سے سوال کرتے تھے اور نہ غائب سے اور نہ وہ کسی میّت یا غائب سے مدد چاہتے تھے خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی، بلکہ اُن میں سے غیر اللہ سے کسی شے کا سوال ہی نہیں کرتے تھے۔

ابن تیمیّہ کا جو کلام میں نقل کرنا چاہتا تھا وہ نقل کردیا۔ میں اُن کے قلم کو خوب پہچانتا ہوں۔ اِس عبارت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اُن کا اختلاف زیارت اور زیارت کے سفر دونوں میں ہے۔ البتّہ کلام میں خبط ہے۔ کلام کا شروع چاہتا ہے کہ اُن کے نزدیک مطلق زیارت ممنوع ہے اور آخری کلام میں یہ ہے کہ زیارت اگر سلام و دعا کے لئے ہو تو جائز ہے اور زیارت کی دوسری قسم جائز نہیں۔ ہاں انھوں نے زیارت کی تیسری قسم کو بالکل حذف کردیا کہ زیارت تبرّک کے لئے ہو شرک کے لئے نہ ہو۔ دراصل زیارت کی تین قسمیں ہیں ایک سلام اور دعا کے لئے۔ زیارت کی اِس قسم کو ابن تیمیّہ نے جائز قرار دیا اور اِس کو شرعی زیارت کہا ہے۔ جس کے نتیجہ میں اُن کے لئے ضروری ہوگیا کہ وہ اِس زیارت کے سفر کو بھی جائز قرار دیں۔ اگر وہ کجاوہ نہ کسنے والی روایت سے دونوں میں فرق کریں تو ہم اِس کا جواب ذکر کرچکے ہیں۔

زیارت کی دوسری قسم یہ کہ زائر اپنے لئے برکت حاصل کرے اور دعا کرے۔ ابن تیمیّہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اِس کو تیسری قسم یعنی بدعی زیارت میں داخل کرتے ہیں۔ اور یہ اُن کا بالکل غلط خیال ہے۔ دین اور سلفِ صالحین کے طرزِ عمل سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بعض نیک مُردوں سے برکت حاصل کی جاسکتی ہے تو ظاہر ہے کہ انبیاء اور مرسلین کی قبروں کی زیارت سے برکت بدرجۂ اولیٰ حاصل کی جاسکتی ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ اِس معاملہ میں انبیاء اور عام مسلمانوں کی قبریں ایک سا حکم رکھتی ہیں تو اُس نے بہت ہی غلط بات کہی اور اِس

بات کا بطلان بالکل ظاہر ہے۔ اور اُس نے نبی کا درجہ گھٹا کر عام مسلمانوں کی برابر کر دیا جو یقینی طور پر کفر ہے اِس لئے کہ جو نبی کے مَاوَجَب رتبہ کو کم کرے تو وہ یقیناً کافر ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ نبی کا رتبہ گھٹانا نہیں ہے بلکہ مَاوَجَب تعظیم سے زیادہ تعظیم کرنے کو روکنا ہے اِس پر میں یہ کہوں گا کہ یہ جہالت کی بات اور بے ادبی ہے۔ ہم پانچویں باب کے شروع میں اِس پر کافی بحث کر چکے ہیں اور ہم یقینی طور پر کہتے ہیں کہ آنحضور زندگی میں اور موت کے بعد بھی اِس سے زیادہ تعظیم کے مستحق ہیں۔ جس کے دل میں ایمان کا ایک ذرہ بھی ہوگا وہ اِس میں شک نہ کرے گا۔ رہا زیارت کی تیسری قسم کا معاملہ ہم اُس کے کرنے سے پناہ مانگتے ہیں۔ اور جو اُس کو اختیار کرے اُس سے اپنی براءت کرتے ہیں۔ اور ہمارا عقیدہ[1] ہے کہ کوئی مسلمان بھی جو آنحضور کی قبر کی زیارت کرتا ہے تیسری قسم شرک والی اختیار نہیں کرتا ہے اِس لئے کہ آنحضور نے یہ دعا مانگی ہے۔ اے خدا میری قبر کو بُت نہ بنا دینا جس کی عبادت کی جائے اور آنحضور کی دُعا لامحالہ مقبول ہے اور آنحضور نے فرمایا ہے۔ شیطان اِس بات سے مایوس ہوگیا ہے کہ جزیرۂ عرب میں اُس کی پوجا کی جائے۔ ہمارا یقین ہے کہ زیارت قبر النبیؐ کرنے والا کوئی شخص بھی شرک نہ کرے گا۔ رہا قبر النبیؐ کو چھونا اور بوسہ دینا اور سجدہ کرنا اور اِس طرح کے دوسرے افعال بعض جاہل کر بیٹھتے ہیں۔ جو ایسا کرتا ہے اُس کے اِس فعل کی بُرائی کی جائے اور اُس کو زیارت کے آداب سِکھائے جائیں لیکن اُس کی وجہ سے اصل زیارت کو ممنوع نہیں قرار دیا جاسکتا ہے اور

---

[1] امام سبکی نے فرمایا۔ اور ہمارا عقیدہ ہے کہ (زیارت کی) تیسری قسم شرک والی کوئی اختیار نہیں کرے گا اِس لئے کہ آنحضور نے دُعا کی ہے "اللہ میری قبر کو بُت نہ بنا دینا جس کی پُوجا کی جائے" اور آنحضور کی یہ دعا لامحالہ مقبول ہے۔ نیز آنحضور نے فرمایا ہے کہ "شیطان اس سے مایوس ہوگیا ہے کہ جزیرۂ عرب میں اس کی پُوجا کی جائے"۔ امام کی اس تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اِس کا امکان ہی نہیں ہے کہ آنحضور کی قبر مبارک کے ساتھ کوئی مشرکانہ طرزِ عمل اختیار کیا جاسکے۔ معلوم نہیں امام سبکی کس ماحول میں اِس قسم کی بات لکھ رہے ہیں۔ اگر وہ مسلمانوں کے آجکل کے احوال دیکھتے کہ وہ کونسا مشرکانہ عمل ہے جو وہ اولیاء اللہ کی قبور کے ساتھ نہ کر رہے ہوں تو موقع ملنے پر آنحضور کی قبر مبارک کے ساتھ کیا کیا نہ کرینگے تو کبھی اس طرح کی بات تحریر نہ فرماتے۔ آج بھی جزیرۃ العرب میں کفر کی کونسی قسم ہے جو موجود نہیں ہے اور کونسا شیطانی عقیدہ ہے جو وہاں نہ پایا جاتا ہو۔ اگر امام سبکی ان چیزوں کو پیشِ نظر رکھتے ہیں تو کبھی بھی شیطان کے مایوس ہونے کی بات نہ کرتے۔ وہ حضور کا فرمودہ ایک وقت تک کے لئے تھا۔ خود حضور نے فِتن کی احادیث میں ان کُفریات اور شیطانی اعمال کا ذکر فرما دیا ہے جو جزیرۃ العرب میں ظہور پذیر ہوں گے نیز آنحضور کی ہر دعا کی مقبولیت یقینی نہیں ہے۔ (مترجم)

نہ اِس کے سفر کو ناجائز قرار دیا جاسکتا ہے بلکہ جہالت سے اُس نے جو غلط افعال کیے ہیں اُن کی مذمت کے ساتھ اُس کا زیارت کرنا اور زیارت کے لئے سفر کرنا قابلِ تعریف[1] ہوگا۔ آنحضور کی قبر کے پاس اپنی ضروریات طلب کرنا، اِس مسئلہ کو ہم استعانت کے باب میں بیان کرینگے۔

اب ہم دوسرے اور تیسرے شُبہ پر گفتگو کرتے ہیں جن پر ابن تیمیہ کا کلام مبنی ہے۔ دوسرا شُبہ یہ ہے کہ زیارت کا سفر غیر مشروع ہے اور ایسی بدعت ہے جس کو نہ کسی عالم نے پسند کیا نہ صحابہ نے، نہ تابعین نے۔ اِس کے بارے میں ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ حضرتِ بلال نے شام سے مدینہ طیبہ کا سفر محض زیارتِ قبر النبیؐ کے لئے کیا تھا اور حضرتِ عمر ابن عبدالعزیز شام سے قاصد روانہ کرتے تھے تاکہ وہ اُن کی طرف سے قبر النبیؐ پر صلوٰۃ وسلام پڑھے اور یہ کہ ابنِ عمرؓ قبر النبیؐ پر پہنچ کر سلام پڑھتے تھے اور پھر حضرتِ ابو بکر اور حضرتِ عمرؓ کی قبروں پر سلام پڑھتے تھے۔ یہ سارے واقعات اِس بات کی تکذیب کرتے ہیں کہ زیارت قبر النبیؐ اور اُس کے لئے سفر کرنا بدعت ہے۔ اگر اُن سے اِس عام ممانعت کے لئے ثبوت مانگا جائے اور اِس دعوے پر اُن سے دلیل طلب کی جائے تو وہ کبھی پیش نہ کرسکیں گے۔ ایک صاحبِ علم کے لئے کب درست ہے کہ وہ محض اپنے چند گمانوں کی بنیاد پر اُس بات کا انکار کر دے جس پر شرقاً و غرباً ہر زمانہ میں مسلمان متفق رہے ہوں اور پچھلے اُس پر اگلوں کا عمل دیکھتے آئے ہوں اور وہ اُس کو بیک جُنبشِ قلم بدعت لکھ ڈالے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ سلف کا زیارت کی قسم اول پر عمل تھا وہ حاضری کے وقت صرف صلوٰۃ وسلام و دعا پر اکتفا کرتے تھے نہ کہ زیارت کی دوسری اور تیسری قسم پر۔ یہ محض اُس کا دماغی اختراع ہوگا۔ اُس کو کیسے معلوم ہوا کہ سلف صرف زیارت کی قسم اوّل پر جو شرعی ہے عامل تھے اور خلف سب بالاتّفاق قسمِ ثانی پر جو بدعت ہے، عامل ہیں اِس لئے کہ باطنی ارادوں کا تو خدا ہی جاننے والا ہے۔ کسی کو یہ حق کہاں سے مِل گیا کہ وہ یہ کہہ دے کہ سلف میں سے کوئی قبر النبیؐ سے برکت حاصل نہیں کرتا تھا اور خلف

---

[1] اِس مقام پر امام سُبکی کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قبر النبیؐ کی زیارت کا سفر کرے اور وہاں جاکر قبر کو سجدہ کرے تو سجدہ کرنے کی مذمت کی جائے گی اور یہ سفر اُس کا قابلِ تعریف ہوگا۔ یہ تقریر بھی ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ وہ سفر جو گناہ کا ذریعہ بنا وہ کیسے قابلِ تعریف ہوسکتا ہے۔ مترجم

سب کے سب زیارت کی بدعی قسم اختیار کرتے ہیں۔

پھر آگے چل کر ابن تیمیہ نے کہا کہ قبر النبیؐ کی زیارت کے لئے جو سفر کرتا ہے وہ اُس کو قُربت سمجھ کر کرتا ہے اور جبکہ ایسا ہے تو یقیناً اُس کا سفر حرام ہے۔ حضرتِ بلال اور بعض دوسرے سلف نے جو سفر کیا اگر وہ محض سلام کے لئے ہی تھا وہ اُس کو یقیناً قُربت سمجھتے تھے۔ اگر ابنِ تیمیہ کو ذرا بھی احساس ہوتا کہ حضرتِ بلال اور بعض دیگر سلف نے سفر کیا ہے تو وہ کبھی اِس سفر پر حرام ہونے کا فتویٰ نہ دیتے۔ بس اُن کے خیال میں تو یہ جم گیا ہے کہ سفرِ زیارت میں شرک پوشیدہ ہے اور اِسی بنیاد پر اُنھوں نے اِس طرح کی غلط باتیں کہہ ڈالیں۔ اُن کا یہ دعویٰ کہ اگر کوئی اِس سفر کی مَنّت مانے گا تو بلا اختلاف اُس پر یہ مَنّت لازم نہ ہوگی۔ یہ محض اُن کا دعویٰ ہے۔ اِس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگر ہم اُن سے مطالبہ کریں کہ وہ ائمہؒ کا اِس طرح کا اتّفاق دکھائیں کس جگہ پر منقول ہے اور اس میں یہ تصریح دکھائیں کہ اِس طرح کے سفر کی مَنّت خواہ قبر النبیؐ کے لئے ہو یا غیر النبیؐ کی قبر کے لئے وہ مَنّت واجب نہ ہوگی۔ جب وہ ایسا کر پائیں گے تب اُن کا مقصد پورا ہو سکے گا اور وہ یہ کبھی نہ کر پائیں گے۔

ہم پہلے یہ بات نقل کر چکے ہیں کہ زیارتِ قبر النبیؐ کی مَنّت لازم ہو جاتی ہے تو اِسی طرح اُس کے لئے سفر کی مَنّت بھی لازم ہوگی۔ ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ صحابہ نے جب شام کو فتح کیا تو انھوں نے حضرتِ ابراہیم کی قبر اور دیگر انبیاء کی قبور کی زیارت کے لئے کبھی سفر نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اِس لئے ہوا ہو کہ کسی نبی کی قبر یقینی طور پر متعیّن نہیں ہے۔ صرف آنحضور کی قبرِ مبارک متعیّن ہے۔ اور ان کا یہ کہنا کہ آنحضور نے لیلۃ المعراج میں کسی نبی کی قبر کی زیارت نہیں کی تو اِس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آنحضور اِس سفر میں دیگر اہم امور میں مشغول رہے ہوں۔ اور جبکہ یہ ثابت ہے کہ حضور نے مدینہ طیبہ میں قبور کی زیارت کی ہے تو محض معراج کی رات میں زیارت نہ کرنے سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ یہ سنّت نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہؒ کا یہ کہنا کہ معراج والی وہ حدیث جس میں مذکور ہے۔ اُترو یہ تمہارے باپ ابراہیم کی قبر ہے وغیرہ وغیرہ، کذب[1] ہے۔ یہ بالکل صحیح کہا ہے۔ اِس حدیث کا راوی بکر بن زیاد باہلی ہے جس کو ابن حبّان

(حاشیہ آگے)

نے شیخ دجّال کہا ہے۔ اِس حدیث کو رمیلی نے بھی ذکر کیا ہے جس کو سمعانی نے حافظ اور مکثر کہا ہے۔ رمیلی نے اپنی کتاب "فضائل زیارتِ قبرِ ابراہیم" میں اِس حدیث کے ساتھ دیگر آثار بھی جمع کئے ہیں۔

اِس حدیث کا ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ ورنہ اِس حدیث کے موضوع ہونے سے ہمارے مقصود پر کوئی اثر نہیں پڑتا — جبکہ ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ کسی خاص وقت میں زیارت نہ کرنا اُس کے استحباب کی نفی نہیں کرتا ہے۔ ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ صحابہ اِن مقامات اور آثار کی زیارت نہیں کرتے تھے، اگر صحیح بھی ہو تو ہمارے خلاف نہیں ہے۔ ہمارا مقصود تو اِن مقامات میں مدفون شخصیتوں کی زیارت ہے، نہ کہ مقامات کی زیارت کو ثابت کرنا۔ اور ہم پہلے دونوں باتوں کا فرق واضح کر چکے ہیں۔ ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ آنحضور سے لفظِ زیارت کا ثبوت نہیں ہے۔ اِس دعوے کا باطل ہونا ہم ثابت کر چکے ہیں اور ایسی احادیث ذکر کر چکے ہیں جن میں زیارت کا ذکر موجود ہے۔ ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں نبی یا غیر نبی کی قبر پر کوئی مشہد نہ تھا کہ اُس کی زیارت کی جاتی — چہ جائیکہ اُس کے لئے سفر ہوتا اگر اِس سے اُن کا مقصد یہ ہے کہ مشہد کے نام کے ساتھ کسی نبی یا غیر نبی کی قبر موسوم نہ تھی تو یہ درست ہے۔ حضور کی قبرِ مبارک کو مشہد نہیں کہا جاتا ہے۔ اور اگر اُن کا مطلب یہ ہے کہ اُس زمانہ میں کسی قبر کی زیارت نہ ہوتی تھی تو یہ باطل ہے۔ آنحضور کی قبر کی زیارت

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

[1] معراج والی وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ "اُترو یہ تمہارے باپ ابراہیم کی قبر ہے" کے متعلق امام سُبکی نے ابن تیمیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ حدیث جھوٹی ہے اور خود بھی اِس کی تائید کی ہے۔ اِس سلسلہ میں ملفوظات محدّث کشمیری مرتبہ مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری صفحہ ۱۸۱ و ۱۸۲ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ محدّثِ کشمیری حضرت مولانا سید انور شاہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح اور قوی ہے۔ نسائی شریف میں موجود ہے اور اِس کی سند کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں۔ نسائی کا درجہ صحت و قوت میں، رجال میں شدّت کی وجہ سے بعض جگہ بخاری سے بھی اوپر مانا گیا ہے تو علّامہ ابن القیم کا وَلَمْ یَصِحَّ ذٰلِكَ عَنْهُ اَلْبَتَّةَ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ یہ حدیث نسائی کے علاوہ بزّار، ابن ابی حاتم، طبرانی، بیہقی میں بھی تصحیح کے ساتھ مذکور ہے۔ (مترجم)

کی جاتی تھی۔ رہا اُن کا زیارت کو تقسیم کرنا شرعی اور بدعی کی طرف، اِس کی بحث ہم کر چکے ہیں۔ اِس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ مطلق زیارت کے مُعترف ہیں تو اِس سے لازمی طور پر زیارت کے لئے سفر کا ثبوت ہو جاتا ہے۔ اگر زیارتِ قبور میں بعض جاہلوں کی جانب سے ایسی باتوں کا صدور ہو جائے جن کی ممانعت ہے تو اُس کی وجہ سے زیارت کو ممنوع قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ بغیر افعالِ قبیحہ کے بھی زیارت کی ممانعت ہے تو وہ جھوٹا اور جاہل ہے۔ اگر وہ اِس کو حرام قرار دیتا ہے تو وہ اُس چیز کو حرام کہہ رہا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے۔ اور اگر وہ زیارت کو اِس بنیاد پر کہ زیارت کی بعض قسمیں ممنوع ہیں یا اُس میں کسی مُحرّم فعل کی آمیزش ہو جاتی ہے ممنوع قرار دیتا ہے تو وہ جاہل ہے۔ اِسی طرح جو شخص زیارت میں بعض ممنوع چیزیں مل جانے کی وجہ سے مطلقِ زیارت کے مستحب ہونے کا انکار کرے وہ جاہل ہے۔ بسا اوقات نماز میں وہ اوصاف جمع ہو جاتے ہیں جو ممنوع ہیں۔ مثلاً غصب[1] کردہ زمین میں نماز پڑھنا لیکن بایں ہمہ نفسِ نماز کو قُربت اور فرض سمجھا جائیگا ہے اور غصب کی زمین پر پڑھنے کو بُرا کہا جائے گا۔ اِسی طرح زیارت کا معاملہ سمجھو آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے۔ "قبروں کی زیارت کرو"۔ اب اگر بعض انواع ممنوع طریقہ پر ادا کی جاتی ہیں تو اِس خاص نوع کو بدعت کہا جائے گا، لیکن مطلقِ زیارت کو بدعت کہنا خود بدعت ہوگا۔

تیسرا شبہ یہ ہے کہ قبور کو مساجد بنانا اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ بزرگوں نے اللہ تعالیٰ کے اِس قول "اور کہا اُنھوں نے ہرگز مت چھوڑو معبودوں اپنوں کو اور ہرگز مت چھوڑو وَدّ کو اور نہ سُواع کو اور نہ یغوث کو اور نہ یعوق کو اور نہ نسر کو"۔ (نوح۔۲۳) کے بارے میں کہا

---

[1] امام سُبکی نے فرمایا۔ جو شخص زیارت میں بعض ممنوع چیزیں ملنے کی وجہ سے زیارت کے مستحب ہونے کا انکار کرے وہ جاہل ہے۔ بسا اوقات نماز کے ساتھ وہ اوصاف جمع ہو جاتے ہیں جو ممنوع ہیں۔ مثلاً غصب کی زمین میں نماز پڑھنا۔ بایں ہمہ نماز کو قربت اور فرض سمجھا جاتا ہے۔ امام کا زیارت کے مسئلہ کو فرض نماز پر قیاس کر کے حکم جاری کرنا بعید از قیاس و عقل ہے۔ زیارت کو امر جائز یا زیادہ سے زیادہ مستحب قرار دیا جا سکتا ہے اب اگر اس میں ممنوعات شامل ہو جائیں تو کیسے نماز کے مسئلہ پر قیاس کر کے اس کا حکم جاری کیا جا سکتا ہے۔ یہ قیاس تو قیاس مع الفارق ہے۔ (مترجم)

ہے کہ یہ لوگ قومِ نوح کے نیک لوگ تھے۔ جب یہ مر گئے تو لوگوں نے اُن کی قبروں کو معتکف بنا لیا اور وہاں اُن کی تصویریں بنائیں۔ پھر جب وقت گذرتا گیا تو لوگوں نے اُن کی پُوجا شروع کر دی۔ امام ابن تیمیہؒ نے یہ خیال کیا کہ زیارت اور اُس کے لئے سفر کو روکنا توحید کی محافظت ہے اور اُن کا کرنا شرک تک پہنچا دیتا ہے۔ لیکن یہ اُن کا باطل خیال ہے۔ اِس لئے کہ مجرّد زیارت یا اُس کے لئے سفر شرک تک نہیں پہنچاتا بلکہ شرک تک پہنچانے والی چیز تو قبور کو مساجد بنانا، اُن پر مرنے والوں کی تصویریں بنانا، اُن کو معتکف بنانا ہے اور یہ چیزیں ممنوع ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے۔ "یہود اور نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہے ——— انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا لیا"۔ اور جب حبشہ کے ماریہ گرجا گھر کی باتیں حضور کو سُنائی گئیں تو آنحضور نے فرمایا "یہی وہ لوگ ہیں اُن میں سے جب کوئی نیک شخص مرتا ہے تو اُس کی قبر پر مسجد تعمیر کر لیتے ہیں پھر اُس میں تصویر لگا دیتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کی بدترین مخلوق ہیں"۔ محض سلام اور دعا اور زیارت نہ شرک ہیں نہ شرک تک مفضی ہیں۔ آنحضور کے اقوال و افعال کی وجہ سے یہ چیزیں مشروع ہوئی ہیں۔ تواتر سے اِن کا ثبوت ہے اور اِن پر اُمّت کا اتّفاق ہے۔ اگر قبروں کی محض زیارت تصویریں بنانے کی طرح ——— شرک تک مُفضی ہوتی تو یہ مشروع نہ ہوتی اور آنحضور اور صحابہ شہدائے اُحد اور اہلِ بقیع کی قبروں کی کبھی زیارت نہ کرتے۔ جن[1] چیزوں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اُن کے علاوہ ہمیں کسی چیز کو حرام قرار دینے کا ہرگز حق نہیں ہے۔ اگرچہ ہمارا خیال ہو کہ وہ حرام تک مُفضی ہے اور ہم اِسی چیز کو مباح کہہ سکتے ہیں جس کو اللہ نے مباح قرار دیا ہے۔ اگرچہ ہمارا خیال ہو کہ وہ کسی حرام تک مفضی نہیں ہے اور مباح ہے۔ اور جبکہ اللہ تعالیٰ نے زیارت کو مباح قرار دیا ہے اور وہ مشروع اور سُنّت رسول ہے تو ہم نے بھی اُس کو مباح قرار دیا ہے اور قبور پر مساجد بنانے

---

[1] اشیاء کی حرمت و حلّت کے بیان کا انحصار صرف کتاب اللہ اور سُنّت پر نہیں ہے۔ مجتہدوں نے بھی بطور قیاس اور تنقیحِ مناط حلّت اور حرمت کے احکام بیان کئے ہیں۔ البتہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی حرام و حلال کردہ اشیاء میں حلّت و حرمت قطعی ہے۔ اور مجتہدینِ اُمّت نے جن چیزوں کی حرمت و حلّت بیان کی ہے وہ حلّت اور حرمت ظنّی ہے۔ (مترجم)

اور تصویریں آویزاں کرنے کو حرام کیا ہے تو ہم نے بھی اُس کو حرام قرار دیا ہے۔

اب اگر کوئی زیارت کو تصویریں بنانے پر قیاس کر کے حرام قرار دے تو وہ نصِّ شرعی کا مخالف ہوگا۔ جیسا کہ کوئی شخص اگر قبروں کو مساجد بنانے اور اُن پر تصویریں بنانے کو جبکہ وہ شرک تک مفضی نہ ہوں، جائز قرار دے تو وہ بھی نص کا مخالف ہوگا۔ وہ وسائل جن سے مقصود کا تحقق نہیں ہوتا ہمیں یہ حق نہیں کہ ہم اُن پر مقصود کا حکم لگا دیں۔ ہاں اگر شارع کی تصریح ہو تو بیشک اُن پر مقصود کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔ یہ اِس طرح کے سدِّ ذرائع کی بات ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔ شرک کی طرف مُفضی بیشک حرام ہے۔ لیکن وہ باتیں جو کبھی شرک کی طرف مُفضی ہوتی ہیں اور کبھی نہیں ہوتیں تو اُن میں سے جن کو شارع نے حرام قرار دیا ہے وہ حرام ہیں اور جن کو حرام قرار نہیں دیا وہ مباح ہیں کیونکہ وہ کسی محذور کو مستلزم نہیں ہیں۔ ہم جن امور پر بحث کر رہے ہیں وہ اسی قسم کے ہیں۔ اُن میں سے شریعت نے قبروں کو مساجد بنانے اور اُن میں تصویریں بنانے، اُن کو مُعتکف بنانے کو حرام قرار دیا ہے۔ زیارت، سلام، دعا کو مباح قرار دیا ہے۔ ہر سمجھدار انسان ان دونوں باتوں کے فرق کو سمجھ سکتا ہے اور یہ مانے گا کہ زیارت کی دوسری قسم جبکہ شرعی احکام کی رعایت کے ساتھ کی جائے تو وہ کسی محذور تک مفضی نہیں ہوتی اور جو کوئی سَدًّا لِلذَّرِیعَۃِ سب کو روکتا ہے تو وہ اللہ اور رسول کے خلاف بات کہتا ہے اور زائر کے حق کو گھٹاتا ہے۔

یاد رکھئے دو باتیں نہایت ضروری ہیں۔ ایک تو آنحضور کی تعظیم کا واجب ہونا اور اُن کے مرتبہ کو تمام مخلوق سے بڑا سمجھنا۔ دوسرے اِس بات کا اعتقاد کہ حضرتِ حق تعالےٰ اپنی ذات و صفات اور اپنے افعال میں اپنی تمام مخلوق سے مُنفرد اور یکتا ہے۔ اب اگر کوئی کسی کو باری تعالیٰ کا شریک کرے تو وہ مُشرک ہے اور ربوبیّت کے معاملہ میں جو تعلیمات آنحضور نے دی ہیں اُن کے معاملہ میں مُجرم ہے۔ اور جو شخص آنحضور کے مرتبہ کو کسی معاملہ میں گھٹائے گا تو وہ آنحضور کا مُجرم ہوگا اور اللہ نے جو مرتبہ رسول کے لئے واجب کیا ہے اُس پر وہ ظالم ہوگا۔ اور جو شخص مختلف قسم کی تعظیموں سے آنحضور کی تعظیم میں مبالغہ کرتا ہے لیکن وہ چیزیں حضرتِ حق کے ساتھ مخصوص ہیں وہ آنحضور کے لئے ثابت

نہیں کرتا تو وہ درست عقیدہ پر ہے اور اُس نے جانبِ ربوبیّت اور جانبِ رسالت کی محافظت کی ہے۔ اور یہی عدل ہے جس میں نہ زیادتی ہے نہ کمی۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے۔ کہ زیارتِ قبر النبیؐ تبرک اور تعظیم کی نیت سے آنحضور کو درجۂ ربوبیّت تک نہیں پہنچاتی اور نہ اُس تعلیم سے بڑھ کر ہے جس کی قرآن اور سُنّت نے ہمیں تعلیم دی ہے اور نہ اُس تعظیم سے بڑھ کر ہے جو صحابہ نے آپ کی قولاً و فعلاً آپ کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد کی ہے۔ اب امام ابن تیمیہؒ نے نہ معلوم کیوں اِس کو بدعت قرار دیا ہے اور یہاں تک کہہ دیا ہے کہ لوگوں کا قبر النبیؐ کی زیارت کے لئے سفر کرنا شرک باللہ ہے۔ ... جو دلیل اُن کے خلاف ہوتی ہے وہ اُس کی تاویل کرتے ہیں اور شبہات سے اپنی تائید کرتے ہیں۔ یہ تو ایسی بیماری ہے کہ اِس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

دوسری فصل

ہم پہلے ابن تیمیہ کا وہ فتویٰ نقل کر چکے ہیں جس میں انھوں نے براہِ راست زیارت کی بحث نہیں کی تھی بلکہ مشاہد سے متعلق گفتگو کی تھی۔ اب ہم اُن کا وہ فتویٰ نقل کرتے ہیں جو حکومت کے پاس ہے اور جو اُن کے قلمی فتوے کی بعینہٖ نقل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اللہ اُن سے مسلمانوں کو نفع پہنچائے۔ ایک شخص ہے جس نے انبیاء میں سے کسی نبی کی قبر کی مثلاً آنحضور کی قبر کی زیارت کی مُنّت مانی ہے تو کیا اُس کے لئے جائز ہے کہ اِس سفر میں قصر نماز ادا کرے؟ اور کیا یہ زیارت شرعی ہے یا نہیں؟ آنحضور سے روایت ہے "جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اُس نے مجھ پر ظلم کیا اور جس نے میرے مرنے کے بعد میری زیارت کی وہ اُس شخص کی طرح ہے جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی" اور آنحضور کا ارشاد ہے "کجاوے نہ کسے جائیں مگر مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ اور میری اِس مسجد کے لئے" فتویٰ دیجئے خدا آپ کو اجر دے گا۔ تقی الدین ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قلم سے یہ جواب لکھا۔ جس شخص نے صرف انبیاء اور صالحین کی

قبور کی زیارت کے لئے سفر کیا اُس کے لئے نماز قصر کرنے کے بارے میں دو قول ہیں۔ ایک تو متقدمین علماء کا قول ہے جو ناجائز سفر کے دوران قصر کرنے کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔ جیسے ابو عبداللہ ابن بطّہ اور ابوالوفاء وغیرہ۔ وہ کہتے ہیں۔ یہ گناہ کا سفر ہے اِس میں قصر نماز کی اجازت نہ ہوگی۔ امام مالکؒ، امامِ شافعی، امامِ احمد کے نزدیک بھی گناہ کے سفر میں قصر نماز جائز نہیں ہے۔

دوسرا قول اُن لوگوں کا ہے جو ناجائز سفر میں بھی قصر کی اجازت دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک زیارت کے سفر میں قصر جائز ہوگا۔ یہ قول امامِ ابوحنیفہ اور بعض متاخّرین شوافع اور حنابلہ کا ہے اور ابو حامد غزالی اور ابوالحسین ابن عبدوس اور ابو محمد ابن قدامہ اِس سفر کو گناہ کا سفر قرار نہیں دیتے ہیں اور قصر کی اجازت دیتے ہیں اور آنحضور کے قول "قبروں کی زیارت کیا کرو" کے عموم سے جواز پر استدلال کرتے ہیں۔ بعض لوگ جن کو فنِّ حدیث میں مہارت نہیں ہے اِس سفر کے جواز پر دارقطنی اور ابنِ ماجہ کی روایت "جس شخص نے میری موت کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اُس نے میری زندگی میں میری زیارت کی" سے استدلال کرتے ہیں اور بعض لوگ زیارت کے سلسلہ میں "جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اُس نے مجھ پر ظلم کیا" سے بھی استدلال کرتے ہیں جس کو کسی عالم نے روایت نہیں کیا۔ اور یہ استدلال ایسا ہی ہے جیسا کہ "جس شخص نے میری اور میرے باپ ابراہیم کی ایک سال میں زیارت کی میں اُس کے لئے اللہ سے جنّت کی ضمانت دیتا ہوں" سے استدلال ہے۔ یہ دونوں روایتیں بالاتفاق باطل ہیں۔ کسی بھی عالم نے اُن سے اِس مسئلہ پر استدلال نہیں کیا۔ دارقطنی والی روایت سے تو بعض علماء نے استدلال کیا بھی ہے۔ ابو محمد مقدسی نے زیارتِ قبر النبیؐ اور دیگر انبیاء کی قبور کی زیارت پر اِس بات سے استدلال کیا ہے کہ حضور مسجدِ قباء کی زیارت کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے اور "کجاوہ نہ کسو" والی روایت کو استحباب کی نفی پر محمول کیا ہے۔ یعنی مساجدِ ثلٰثہ کے علاوہ دیگر مساجد کا سفر مستحب نہیں ہے۔

جو لوگ زیارت کے سفر کے قائل نہیں ہیں وہ صحیحین کی اِس روایت سے استدلال

کرتے ہیں۔ آنحضور نے ارشاد فرمایا۔ "کجاوے نہ کسے جائیں مگر تین مسجدوں مسجدِ حرام مسجدِ اقصیٰ اور میری اس مسجد کی طرف"۔ اِس حدیث کی صحت پر تمام ائمہ متفق اور عمل پیرا ہیں۔ اب اگر کوئی شخص مَنّت مانے کہ وہ تینوں مسجدوں کے علاوہ کسی مسجد یا مشہد میں جا کر نماز پڑھیگا یا اعتکاف کرے گا یا اُن کے لئے سفر کرے گا تو اُس پر وہ مَنّت لازم نہ ہوگی اِس پر ائمہ کا اتفاق ہے اور اگر کسی نے مَنّت مانی کہ مسجدِ حرام میں حج یا عمرہ کے لئے پہنچے گا تو اُس پر تمام علماء کے نزدیک یہ مَنّت لازم ہوگی اور اگر مَنّت مانی کہ مسجدِ نبوی میں جا کر نماز پڑھے گا تو امامِ مالکؒ، امام شافعی، امام احمد کے نزدیک یہ مَنّت لازم ہوگی۔ البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ مَنّت لازم نہ ہوگی۔ اِس لئے کہ اُن کے یہاں مَنّت کے لزوم کے لئے یہ شرط ہے کہ اُس کی جنس کی کوئی چیز شرعاً واجب ہو۔ جمہور ہر طاعت کی مَنّت کو لازم قرار دیتے ہیں اِس لئے کہ حضور کا قول ہے "جس کسی نے مَنّت مانی کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو وہ ضرور اطاعت کرے اور جس کسی نے مَنّت مانی کہ وہ اللہ کی نافرمانی کرے گا وہ نافرمانی نہ کرے"۔ مساجدِ ثلٰثہ کے علاوہ کسی جگہ اور کسی مقام کی مَنّت کسی عالم کے نزدیک لازم نہیں ہے۔ یہاں تک کہ علماء نے تصریح کی ہے کہ مسجدِ قباء کی مَنّت بھی اُس پر لازم نہیں ہے کیونکہ وہ مساجدِ ثلٰثہ میں داخل نہیں ہے حالانکہ اُس کی زیارت مدنی کے لئے مستحب ہے اِس لئے کہ مدنی کو اُس کی زیارت میں کجاوہ کسنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے "جس نے گھر میں وضوء کیا پھر مسجدِ قباء میں پہنچا اور اُس کا مقصد محض نماز ہے تو اُس کو ایک عمرہ کا ثواب ملے گا"۔ ابن تیمیہ نے کہا۔ قبورِ انبیاء اور صالحین کی زیارت کے لئے سفر بدعت ہے۔ کسی صحابی یا تابعی نے یہ نہیں کیا۔ نہ آنحضور نے اِس کا حکم دیا۔ نہ مسلمانوں کے کسی امام نے اِس کو مستحب بتایا۔ تو اب اگر کوئی اِس کو عبادت سمجھے گا اور کرے گا تو وہ سُنّت اور اجماعِ اُمّت کا مخالف ہے۔ ابو عبداللہ ابن بطّہ نے اپنی کتاب "ابانۃ الصغریٰ" میں اِس کو بدعت اور سُنّت و اجماع کا مخالف قرار دیا ہے۔ اِس سے ابو محمد کی دلیل کی کمزوری ظاہر ہو جاتی ہے۔ حضور کے قباء کے زیارت کرنے میں کجاوہ نہیں کسا جاتا تھا اور یہ اُن کی دلیل ہے کہ مَنّت سے اس کا لزوم نہ ہوگا۔ اُن کا یہ کہنا کہ "کجاوہ نہ کسا جائے" استحباب کی نفی پر محمول ہے۔ اِس میں دو باتوں کا احتمال ہے۔

ایک تو یہ کہ انھوں نے تسلیم کر لیا کہ یہ سفر نہ نیک کام ہے نہ قربت نہ طاعت اور نہ وہ حسنات میں سے ہے۔ اب اگر کوئی یہ اعتقاد رکھے کہ انبیاء اور صالحین کی قبور کی زیارت قربت اور عبادت اور طاعت ہے تو اُس نے اجماع کے خلاف کیا اور اگر اُس نے اس اعتقاد سے سفر کیا تو وہ بالاجماع حرام ہوگا تو اُس کی تحریم یقینی ہے۔ اور یہ کھلی بات ہے جو قبر النبیؐ وغیرہ کی زیارت کے لئے سفر کرتا ہے وہ عبادت و طاعت ہی سمجھ کر کرتا ہے۔ ہاں اگر وہ کسی اور مقصد سے سفر کرتا ہے تو اِس میں کوئی اختلاف نہیں وہ جائز ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نفی نہی کی متقاضی ہے اور نہی تحریم کو متقاضی ہوتی ہے اور جو احادیث زیارت کے سلسلہ میں بیان کی ہیں وہ سب بالاتفاق "ضعیف" بلکہ موضوع ہیں۔ اصحاب سُنن میں سے کسی نے اُن کو روایت نہیں کیا اور نہ کسی امام نے ان کو دلیل سمجھا، بلکہ امامِ مالک جو اہلِ مدینہ کے سب سے بڑے عالم اور اِس مسئلہ سے خوب واقف ہیں اُنھوں نے "میں نے قبر النبیؐ کی زیارت کی" کہنے کو مکروہ سمجھا ہے۔ اگر یہ لفظ اُن کے زمانہ میں مستعمل ہوتا اور وہ زیارت کو مشروع سمجھتے یا آنحضور سے منقول ہوتا تو عالمِ مدینہ کبھی اِس کو مکروہ نہ کہتے۔ امام احمد جو اپنے زمانے میں سُنّت کے سب سے بڑے عالم تھے جب اُن سے زیارت کا مسئلہ دریافت کیا گیا تو اُن کا اعتماد صرف اِس حدیث پر تھا "جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ میری روح میری طرف لوٹا دیتا ہے تاکہ میں اُس کا جواب دے سکوں" اور زیارت کے سلسلہ میں کوئی اور حدیث بیان نہ کی تھی۔ امامِ مالک نے مؤطا میں صرف عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ جب وہ مسجد میں داخل ہوتے تھے تو اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُولَ اللہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَابَکْرِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا عُمَرُ کہتے تھے اور پھر واپس ہو جاتے تھے۔

ابو داؤد میں آنحضور سے منقول ہے آپ نے فرمایا۔ "میری قبر کو عید نہ بناؤ مجھ پر درود بھیجا کرو تمہارا درود مجھ تک پہنچ جائے گا تم جہاں کہیں بھی ہو گے"۔ سعید ابن منصور کی سُنن میں ہے کہ عبداللہ ابن حسن ابن حسن ابن علی نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ قبر النبیؐ کے پاس آ جا رہا ہے اور وہاں دعا کرتا ہے تو انھوں نے فرمایا۔ ارے حضور نے فرمایا ہے "میری قبر کو عید نہ بناؤ اور جہاں کہیں ہو وہاں سے درود بھیجا کرو وہ درود مجھ تک پہنچ جائے گا"۔

درود بھیجنے میں تو اور وہ شخص جو اندلس شہر میں ہے دونوں یکساں ہیں۔ صحیحین کی روایت ہے کہ حضور نے اپنے مرض الموت میں فرمایا "یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت اُنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا لیا ہے"۔ حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضور کی قبر میدان میں بنتی لیکن اِس بات کو ناپسند کیا کہ اُس کو مسجد بنایا جائے"۔ یعنی حجرے میں اِسی لئے دفن کئے گئے کہ کہیں لوگ قبر کو سجدہ گاہ نہ بنا لیں۔ چنانچہ عبدالملک کے زمانہ تک جبکہ حجرۂ عائشہ، جس میں قبر النبیؐ ہے، مسجد سے جُدا تھا، تو کوئی صحابی اور تابعی حجرہ میں نہ نماز پڑھنے جاتا تھا، نہ قبر کو چھوتے نہ وہاں دعا کرتے۔ یہ سب کچھ وہ لوگ مسجد میں کرتے تھے۔ صحابہ اور تابعین جب حضور پر سلام بھیجتے تھے اور دُعا کرتے تھے تو قبلہ رُخ ہوتے تھے قبر کی طرف مُنھ نہ کرتے تھے۔ خاص سلام کے وقت میں بھی امامِ ابوحنیفہ یہی کہتے ہیں کہ قبلہ رُخ رہے۔ اکثر ائمۃ اِس کے قائل ہیں کہ خاص سلام کے وقت قبر النبیؐ کی طرف رُخ کر لے دُعا کے وقت قبر کی طرف رُخ کرنے کا کوئی امام قائل نہیں ہے۔ ایک جھوٹی روایت امامِ مالک کی طرف منسوب کر دی گئی ہے ورنہ مذہب اُن کا دیگر ائمۃ کی طرح ہے۔ تمام ائمۃ اس پر متفق ہیں کہ قبر کا مسح نہ کیا جائے نہ اُس کو بوسہ دیا جائے۔ یہ سب کچھ توحید کی محافظت ہے۔ شرک کی جڑ یہ ہے کہ قبر کو مسجد بنایا جائے۔ بعض بزرگوں نے اللہ تعالیٰ کے اِس قول "اور کہا انھوں نے ہرگز مت چھوڑو معبودوں اپنو کو اور ہرگز مت چھوڑو وَدّ کو نہ سُواع کو اور نہ یغوث کو اور نہ یعوق کو اور نہ نسر کو" (نوح ۔۲۳) میں فرمایا ہے کہ یہ قومِ نوح کے نیک لوگ تھے۔ جب یہ مَرے تو لوگوں نے اِن کی قبروں کو مُعتکف بنایا پھر وہاں اُن کی تصویریں بنائیں پھر کچھ عرصہ کے بعد اُن کی پوجا شروع ہو گئی۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں یہ بات حضرتِ ابن عباس سے نقل کی ہے۔ قبور پر جب قُبّے بنائے گئے تو اُن کی زیارت کی احادیث سب سے پہلے رافضی بدعتیوں نے گھڑی ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے مسجدوں کو معطّل اور مشہدوں کو آباد کر رکھا ہے۔ اللہ کے گھروں کو برباد کر رکھا ہے۔ جن کے بارے میں حکم ہے کہ اُن کو آباد کرو اور وہاں ذکر اللہ کرو اور خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو اور مشاہد و مقبروں کو آباد رکھتے ہیں جہاں شرک کرنے میں جھوٹی باتیں بناتے ہیں اور ایسی بدعتیں کرتے ہیں جن کا نہ کتاب اللہ میں ذکر ہے نہ سُنتِ رسول اللہ میں۔ قرآن میں تو مساجد کا

ذکر ہے نہ مقابر و مشاہد کا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "کہہ حکم کرتا ہے پروردگار میرا ساتھ انصاف کے اور سیدھا کرو مُنہ اپنے کو نزدیک ہر نماز کے اور پُکارو اس کو خاص کر کے واسطے اس کی عبادت کے" (اعراف۔ ۳۲) اور اللہ تعالٰے نے فرمایا۔ سوائے اِس کے کہ نہیں آباد کرتے ہیں مسجدیں اللہ کی کو مگر وہ شخص کہ ایمان لائے ہیں ساتھ اللہ کے اور دن آخرت کے اور قائم کرتے ہیں نماز کو" (توبہ۔ ۱۷) اور فرمایا "اور یہ کہ مسجدیں واسطے اللہ کے ہیں پس مت پکارو ساتھ اُس کے کسی کو" (جن۔ ۱۸) اور فرمایا "اور مت مِلو اُن سے اور تم اعتکاف کرنے والے ہو بیچ مسجدوں کے" (بقرہ۔ ۱۰۷) اور فرمایا "اور کون ہے بہت ظالم اُس شخص سے کہ منع کرتا ہے مسجدوں اللہ کی کو یہ کہ ذکر کیا جائے بیچ اُن کے نام اُس کا اور سعی کرتا ہے بیچ خرابی اُس کی کے" (سورہ بقرہ۔ ۱۱۴)

آنحضور سے صحیح بخاری میں روایت ہے۔ آپ نے فرمایا "تم سے پہلے لوگ مقبروں کو مسجدیں بنالیتے تھے۔ میں تمھیں اِس کی ممانعت کرتا ہوں" واللہ اعلم (اس کو احمد بن تیمیہ نے لکھا ہے)

امام ابن تیمیہ نے کہا ہے۔ زیارتِ قبور کے سفر میں نماز قصر کرنے کے بارے میں دو قول ہیں۔ اِس پر حسب ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

پہلا اعتراض یہ ہے کہ یہ بتائے کہ انبیاء اور صالحین کی قبور کی زیارت قُربت ہے یا جائز یا گناہ۔ اگر یہ گناہ ہے تو یہ کہنا کہ یہ سفر اگر محض زیارت کے لئے ہے تو قصر جائز نہیں ہے بیکار ہے اِس لئے کہ اگر سفر کے دو مقصد ہوں ایک گناہ اور ایک جائز تو لا محالہ وہ سفر ناجائز ہوگا۔ لٰہذا یہ کہنا محض زیارت کی نیّت ہو تو قصر نماز جائز نہیں بیکار ہے۔ اور اگر یہ سفر قُربت ہے تو اِس میں دو قول نہیں بلکہ بالاتّفاق قصر جائز ہوگا اور اگر مباح ہے تو بھی قصر بلا خلاف جائز ہوگا اِس میں دو قول نہ ہوں گے اِس لئے کہ اِس صورت میں مسافر کی دو حالتیں ہوں گی یا تو وہ اِس طور پر سفر کرے گا جیسا کہ دیگر مباح مقاصد کے لئے سفر کرتا ہے تو بھی قصر بلا خلاف جائز ہوگا یا یہ خیال کر کے سفر کرے گا کہ یہ قُربت ہے۔ اِس پر ہم عنقریب گفتگو کرینگے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ابن تیمیّہ کی تقریر کا مدار اِس بات پر ہے کہ وہ اِس سفر کو بالاتّفاق حرام قرار دے رہے ہیں جس کا ہم انکار کر چکے ہیں۔ ہاں صرف ابن عقیل کے قول کے

اعتبار سے اُس کی حرمت کا شبہ ہوتا ہے۔ اگر اِس نسبت کو صحیح مان بھی لیا جائے تو بھی اُس میں حضور کی قبر کے سفر کی تصریح نہیں ہے۔ ابن تیمیّہ نے اِس سفر میں نماز کے قصر کی ممانعت کی اور اُسکی ابن بطّہ، ابن عقیل اور علمائے متقدّمین کے بہت سے گروہوں کی طرف نسبت کی ہے لیکن اُنھوں نے اپنے اِس قول پر کوئی دلیل قائم نہ کی اور نہ یہ بتایا کہ متقدّمین کے وہ کون سے گروہ ہیں جنہوں نے اِس سفر میں نماز کے قصر کو منع کیا ہے۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ ابن تیمیّہ نے کہا کہ علماء متقدّمین نے اِس سفر میں نماز قصر کرنے کو منع کیا ہے۔ جیسے کہ ابن بطّہ اور ابن عقیل۔ تو ابن عقیل کو اُنھوں نے متقدّمین میں شمار کیا پھر قصر کے جواز کے بارے میں کہا کہ یہ قول ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور بعض متاخرّین کا ہے۔ امامِ شافعی اور امامِ احمد کے متبّعین میں سے غزالی وغیرہ کا۔ غزالی اور ابن عقیل کا زمانہ ایک ہے بلکہ ابن عقیل کی وفات غزالی کے بعد ہوئی ہے۔ غزالی کا سنِ وفات ۵۰۵ ہے جبکہ ابن عقیل کا سنِ وفات ۵۱۳ ہے۔ اب معلوم نہیں کہ ابن تیمیّہ نے کس بنیاد پر ابن عقیل کو متقدّمین میں اور غزالی کو متاخرّین میں شمار کیا ہے۔ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اپنے قول کی تائید کی وجہ سے ابن عقیل کو متقدّمین میں شمار کیا ہے۔ اور یہ اُن کی شان سے بعید تھا۔

"جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی" والی حدیث کے بارے میں ابن تیمیہ نے کہا یہ حدیث ابن ماجہ میں ہے۔ حالانکہ یہ ابن ماجہ میں کہیں موجود نہیں ہے۔ "جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی" والی حدیث کے بارے میں ابن تیمیّہ نے کہا ہے کہ کسی عالم نے اِس کی روایت نہیں کی۔ اگرچہ اِس میں "ضعف" ہے لیکن ہم پہلے اِس کے راویوں کو گِنا چکے ہیں۔

امام ابن تیمیّہ کا یہ کہنا کہ مساجدِ ثلٰثہ کے علاوہ کے لئے اگر کوئی شخص کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی منّت مانے گا تو مَنّت لازم نہ ہوگی، صحیح نہیں ہے۔

اِس لئے کہ امامِ شافعی کے اِس میں دو قول ہیں۔ ایک قول کے اعتبار سے یہ مَنّت لازم ہو جائے گی۔ ابن تیمیّہ کا یہ کہنا کہ علماء نے تصریح کی ہے کہ مسجدِ قبا کے لئے سفر نہ کرے کیونکہ وہ مساجدِ ثلٰثہ میں داخل نہیں ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ لیث ابن سعد کے نزدیک مساجد

ثلثہ اور اُن کے علاوہ مساجد کی مِنّت لازم ہوگی۔ بعض موالک سے بھی منقول ہے کہ مسجدِ قبا کے لئے نذر کرنے والے کے لئے سواری کا استعمال جائز ہے اور اِن موالک نے آنحضور کے قبا تشریف لے جانے کو کہا ہے کہ یہ سفر بغیر مِنّت کے تھا۔ اِن دونوں مذہبوں کے بعد ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ علمار کا اس پر اتّفاق ہے کہ مسجدِ قبا کے لئے سفر ناجائز ہے درست نہیں ہے۔ ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ زیارتِ قبور کے لئے سفر بدعت ہے۔ کسی صحابی اور کسی تابعی نے ایسا سفر نہیں کیا نہ آنحضور نے ایسے سفر کا حکم دیا۔ نہ اِس کو مسلمانوں کے کسی امام نے مستحب قرار دیا۔ اب اگر کوئی زیارتِ قبور کے لئے سفر کرے گا تو وہ سُنّت اور اجماعِ اُمّت کے خلاف عمل کرے گا۔

امام ابن تیمیہ کا یہ صریح جھوٹ ہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ کن صحابہ اور کن تابعین نے یہ سفر کیا ہے۔ اور کن علمار نے اِس کو مستحب گردانا ہے۔ پھر ابن تیمیہ نے یہ قول اپنی طرف سے نہیں بلکہ دوسروں کا مقولہ کر کے بیان کیا ہے اور یہ نہیں بیان کیا کہ اِس کا قائل کون ہے۔ شاید اُن کا مقصد یہ ہو کہ اِس ذمّہ داری کو اپنے کندھوں سے اُتار کر دوسرے پر ڈال دیں۔ لیکن وہ اِس طرح سے اِس نقل کی ذمّہ داری سے بَری نہیں ہو سکتے ہیں — بہر حال اِس قول کی بُرائی اُن کی طرف ہی منسوب ہوگی۔ پھر اُنھوں نے اِس قول کی نسبت ابو عبداللہ ابن بطّہ کی طرف کی اور کہا اپنی "ابانۂ صُغریٰ" میں یہ اُنھوں نے کہا ہے۔ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ آنحضور کی قبر کی زیارت کے بارے میں ہم نے اُن کا قول "ابانہ" میں اِس کے خلاف دیکھا ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اُن کی دو کتابوں کا نام "اِبانہ" ہے۔ ابن تیمیہ نے جو اُن کا قول نقل کیا ہے وہ "اِبانۂ صغریٰ" کا ہے اور جو قول اِن کا ہم نقل کر رہے ہیں وہ "اِبانۂ کبریٰ" کا ہے۔ اب اگر یہ صحیح ہے تو "اِبانۂ صغریٰ" کا یہ قول آنحضور کی قبر کے علاوہ دیگر قبور پر محمول کیا جائے تا کہ دونوں قولوں میں تضاد نہ ہو۔ اور اگر اِن کا قول وہی ہے جو ابنِ تیمیہ نے نقل کیا ہے تو پھر اُن کا یہ قول ناقابلِ التفات ہے۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ ابو عبداللہ ابن بطّہ کے بارے میں اہلِ نقد و جرح کی متضاد رائیں ہیں۔ خطیب نے تاریخِ بغداد میں بعض محدّثین کا اُن کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ اَن سُنی حدیث کے بارے میں سماع کا دعویٰ کر دیتے تھے اور ابو القاسم الازہری نے اُن کو ضعیفٌ، ضعیفٌ، ضعیفٌ کہا ہے اور اُن کی ایک سند بیان کی

ہے کہ وہ بغوی سے روایت کرتے ہیں اور بغوی مُصعب سے اور مُصعب مالک سے اور مالک زُہری سے اور زُہری انس سے وہ آنحضور سے کہ آنحضور نے فرمایا "علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے"۔ اور یہ روایت اِس سند سے بالکل "وضعی" ہے۔ خطیب نے اِن کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ نیک بزرگ اور مُستجاب الدّعوات تھے۔

بہر حال ہم نے اُن کے احوال اِس لئے لکھ دیئے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ اُن سے غلطی بھی ممکن ہے۔ ابن تیمیہ نے کہا کہ ابو محمد المقدسی کا یہ کہنا کہ آنحضور کا یہ قول "کجاوے نہ کسے جائیں نفیِ استحباب پر محمول ہے دو وجہوں کا محتمل ہے۔ ایک یہ کہ اُنھوں نے تسلیم کر لیا کہ یہ سفر نیک کام نہیں ہے نہ قربت ہے نہ طاعت، نہ وہ حسنات میں سے ہے اِس لئے جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ انبیار اور صالحین کی قبور کی زیارت قربت اور طاعت اور عبادت ہے تو اُس نے اجماع کی مخالفت کی۔

یاد رکھو کہ ابن تیمیہ کا یہ قول انتہائی درجہ کا مبہم اور فاسد ہے۔ مبہم تو اِس لئے ہے کہ پڑھنے والا خیال کرے گا کہ اس نے ماسبق سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اجماع اِس پر منعقد ہو چکا ہے کہ یہ سفر قربت نہیں ہے اور ہم پہلے یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ لیث ابن سعد اور بعض موالک کے کلام کا تقاضہ ہے کہ مساجدِ ثلثہ کے علاوہ کا سفر بھی قربت ہے تو اجماع کا دعویٰ باطل ہے۔ ابن تیمیہ کا مقصد ابو محمد مقدسی پر اُن کے اِس قول پر الزام قائم کرنا تھا کہ "کجاوے نہ کسے جائیں" کو نفی استحباب پر محمول کیا جائے گا۔ اور اِس تقدیر پر کہ اُن کو یہ تسلیم ہے کہ یہ سفر عمل صالح نہیں ہے اور اِس سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ سفر قربت نہیں ہے اور جو یہ اعتقاد کرے کہ یہ سفر قربت ہے اُس نے ابو محمدؒ کی مخالفت کی۔ اجماع کی مخالفت سے اِس کا کوئی تعلّق نہیں ہے۔ اِس عبارت کا فساد اِس طور پر ہے کہ ابو محمدؒ نے اِس سفر کے جواز پر گفتگو کی ہے اور اُس کا مقصد سفر کا جواز ثابت کرنا ہے۔ اُنھوں نے حرمت کی نفی کی اور حدیث کو فضیلت کی نفی پر محمول کیا اور حدیث کا مطلب یہ بتایا کہ کسی جگہ کے لئے سفر کرنا بجز مساجدِ ثلثہ کے مستحب نہیں ہے۔ بایں ہمہ اِس میں تاویل کرنی پڑے گی اِس لئے کہ طلبِ علم وغیرہ کے لئے سفر کرنا بہر حال مستحب ہے۔

مقصد یہ ہے کہ بغیر کسی اور عارض کے محض اِس جگہ کے لئے سفر کرنا مساجدِ ثلٰثہ کے علاوہ مستحب نہیں ہے۔ ہاں اگر اور کوئی وجہ ہو جیسے کسی عزیز کی تیمارداری، طلبِ علم وغیرہ تو دوسری جگہ کا سفر بھی مستحب ہو جائے گا لیکن ابو محمدؒ نے اِس بات کا ذکر نہیں کیا۔ انھیں تو نماز کے قصر کے جواز کو بیان کرنا تھا اِس لئے انھوں نے سفر کا جائز ہونا ثابت کیا۔ ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ جب اِس اعتقاد سے سفر کیا کہ وہ طاعت ہے تو یہ بالاجماع حرام ہوگا تو حرمت امر یقینی ہو گئی۔ یہ بھی ابن تیمیہ کا کلام مُبہم اور فاسد ہے۔ ابہام اس اعتبار سے ہے کہ اکثر لوگ جو اِس کو سُنیں گے سمجھیں گے یہ ابتدائی کلام ہے اِس میں تحریم پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور یہ فیصلہ قطعی ہے۔ اِس کا فساد اِس طور پر ہے کہ اگر ہم تسلیم کریں کہ سفر بالاجماع طاعت نہیں ہے۔ پھر اگر کوئی طاعت سمجھ کر سفر کرتا ہے تو اُس کا بالاجماع حرام ہونا کیسے ہو جائے گا۔ اِس لئے کہ کوئی اگر مباح فعل کو قربت سمجھ کر کرتا ہے تو نہ وہ گنہگار ہوگا نہ اِس فعل کو حرام قرار دیا جائے گا بلکہ اگر اُس کا یہ اعتقاد کسی غلط دلیل پر مبنی ہو تو وہ اپنے گمان کے اعتبار سے ثواب کا مستحق ہوگا۔ ورنہ اُس کی نادانی سمجھی جائے گی اور اُس کو نہ گناہ ہوگا نہ ثواب اور اُس کا فعل اپنی جگہ مباح رہے گا اِس میں تحریم کہاں سے پیدا ہو گئی تھی۔

یہ گفتگو تو اُس مباح میں تھی جس کو عبادت کے طور پر انجام دیا حالانکہ اُس کا اعتقاد اُس کے عبادت ہونے کا نہ تھا تو یہ اُس کی وجہ سے گناہگار ہوگا اور یہ فعل حرام ہوگا کیونکہ اُس نے تقربّ الی اللہ ایسے فعل سے کیا تھا جو قربت نہ تھا۔ نہ اللہ کے نزدیک نہ اُس کے خیال میں یہیں سے اس مسئلہ میں غلطی واقع ہوئی ہے اور یہی حال تمام بدعتوں کا ہے اور جس کسی نے کوئی فعلی بدعت ایجاد کی اس کا ایجاد کنندہ گنہگار ہوگا۔ کیونکہ اُس نے دین میں ایسی چیز داخل کی جو حقیقتہً دین کا جُز نہ تھی۔ کیونکہ اُس نے تقربّ الی اللہ ایسی چیز سے کیا جس کو وہ خود سمجھتا ہے کہ دین کی بات نہیں ہے لیکن عوام میں سے جو اُس کا مقلد ہوگا اگر وہ ایسی چیز ہے جس میں تقلید ہو سکتی تھی جیسے کہ دین کے فروعی مسائل، اور اُس نے اِس فعل کو اس طور پر انجام دیا کہ وہ عبادتِ شرعیہ ہے تو اُس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور اگر وہ ایسا فعل ہے جس میں تقلید جائز نہیں ہے جیسے کہ دین کے اصول تو اُس پر گناہ ہوگا۔ اور ہمارا یہ مسئلہ فروع میں

سے ہے۔ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ کسی نے اِس سفر کو مستحب قرار نہیں دیا اور پھر کسی نے اُس کو کسی شبہ کی بنیاد پر مستحب سمجھ کر کیا تو اُس نے نہ حرام کیا، نہ وہ گنہگار ہوگا۔ اور اِس مسئلہ میں تو سب استحباب کے قائل ہیں لہٰذا اِس میں گناہ کا کوئی احتمال نہیں ہے۔

امام ابن تیمیہ نے یہ بھی کہا اور بدیہی بات ہے کہ زیارتِ قبر النبیؐ کا جو بھی سفر کرتا ہے وہ اُس کو طاعت سمجھ کر کرتا ہے۔" ابن تیمیہ کے اِس کلام سے یہ واضح ہوا کہ وہ فرضی طور پر بات نہیں کر رہے ہیں بلکہ مسلمانوں کا جو عمل ہے اُس کے متعلق بات کر رہے ہیں لہٰذا اُنکے خیال کے اعتبار سے سب کا یہ سفر باجماع المسلمین حرام ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ تو پھر اُن کے نزدیک تمام زمانوں میں تمام مسلمان جو اطرافِ عالم سے زیارت کے لئے آتے ہیں مجمع علیہ امر حرام کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ابن تیمیہ کا یہ کلام ظاہر کرتا ہے کہ وہ زیارتِ قبر النبیؐ کرنے والوں کو گمراہ اور معصیت کار سمجھتے ہیں۔ یہ اُن کی ایسی لغزش ہے جس کا کوئی مداوا نہیں ہے۔ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ اگر یہ فرض کیا جائے کہ کوئی کسی مباح غرض کے لئے قبر النبیؐ کا سفر کرے تو یہ جائز ہے لیکن یہاں اس سے بحث نہیں ہے۔ اِس کلام کا مفہوم یہ نکلا کہ زیارت کی غرض مباح نہیں ہے۔

ابن تیمیہ نے کہا کہ نفی نہی کو چاہتی ہے اور نہی کا اقتضاء تحریم ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ ابو محمدؒ کے "کجاوہ نہ کسا جائے"، کو استحباب پر محمول کرنے کی نفی کر رہے ہیں اِس کا جواب یہ ہے کہ نفی نہی کا اقتضاء نہیں کرتی ہے بلکہ مجازاً نہی کے معنیٰ میں مستعمل ہوتی ہے۔ ابو محمدؒ یہ کہہ سکتے ہیں کہ نفی کی حقیقت خبر ہے جو نہ تحریم کو چاہتی ہے نہ کراہت کو۔ اور نہی کے دو معنیٰ ہیں ایک حقیقی جو تحریم ہے دوسرے معنیٰ مجازی جو کراہت ہے۔ جب نفی کو اپنی حقیقتِ خبر سے نہی کے معنیٰ میں استعمال کیا جائے تو دونوں احتمال ہوتے ہیں۔ تحریم اور کراہت اور جو معنیٰ بھی مُراد لئے جائیں اُس میں وہ مجاز ہوتی ہے۔ اِس لئے کہ خبر اِس معنیٰ کے لئے موضوع نہیں ہے۔ اب اگر کسی مرجح کی وجہ سے تحریم میں استعمال راجح ہو تو یہ بعض مجازات کو بعض پر ترجیح دینا ہوا۔ اب کبھی یہ ترجیح دوسری ترجیح کے معارض ہوتی ہے تو ابو محمدؒ کو حق حاصل ہے کہ وہ یوں

کہیں کہ تحریم میں یہ لفظ اپنے حقیقی معنیٰ میں نہیں ہے۔ یا اُس میں اِس کا استعمال ظاہر نہیں ہے۔ اِس لئے کہ خبر فقط نہی میں مستعمل نہیں ہے بلکہ اِس کے معنیٰ میں مستعمل ہے اور اِس کے معنیٰ حقیقی بھی ہیں اور مجازی بھی۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ زیارتِ قبر النبیؐ کے سلسلہ کی جس قدر احادیث ہیں وہ سب کی سب اہلِ علم کے نزدیک "ضعیف" بلکہ "موضوع" ہیں کسی معتبر صاحبِ سُنن نے اُن کو روایت نہیں کیا۔ ہم شروع کتاب میں اِس بات کا بطلان ظاہر کر چکے ہیں۔ اور یہ کہ امامِ مالک نے "زرت قبر النبی" کہنے کو مکروہ سمجھا ہے۔ ہم نے اِس کی مراد بھی سمجھا دی ہے۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ اگر یہ لفظ مشروع ہوتا تو امامِ مالک کبھی اُس کو مکروہ نہ قرار دیتے۔ یہ بات تو بہت بے موقع ہے۔ اِس لئے کہ بحث اس لفظ میں نہیں ہے بلکہ اِس کے معنیٰ میں ہے۔ مؤطا میں امامِ مالک سے جو منقول ہے اور امامِ احمد اور ابوداؤد سے، وہ سب ابن تیمیہ کے خلاف ہے اِس لئے کہ اِس سے زیارت کے معنیٰ کا ثبوت ہو جاتا ہے۔ "میری قبر کو عید نہ بناؤ"، پر ہم پہلے گفتگو کر چکے ہیں اور اِس کا صحیح مفہوم بتا چکے ہیں اور یہ حدیث کہ "یہود اور نصاریٰ پر خدا کی لعنت اُنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنایا"، بھی ابن تیمیہ کے مدّعیٰ کی دلیل نہیں ہے اِس لئے کہ ہم نے قبر النبیؐ کو مسجد نہیں بنایا ہے اور اگر زیارت کو مسجد بنانے پر قیاس کیا جائے تو یہ بالکل غلط بات ہے۔ ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ عادت کے خلاف صحرا کی بجائے حضرت عائشہ[1] کے حجرے میں جو دفن کیا گیا وہ اِسی لئے کیا گیا کہ کوئی قبر کے پاس نماز نہ پڑھ سکے اور اِس کو مسجد نہ بنا سکے تاکہ وہ قبر بت نہ بنے، یہ بات صحیح نہیں ہے، بلکہ حجرۂ عائشہ میں تو آنحضور اُس وقت دفن کئے گئے جب یہ حدیث سامنے آئی کہ نبی اُس جگہ دفن ہوتا ہے جس جگہ اُس کی موت واقع ہوئی ہو۔ یہ مشہور بات ہے اِس کو ہر کس و ناکس جانتا ہے۔

---

[1] حضرت عائشہ نے فرمایا۔ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ حضور کی قبر کو مسجد بنائیں گے تو حضور کی قبر میدان میں بنتی۔ یہ قول اپنی جگہ بالکل صحیح ہے۔ محدثین نے اس کو نقل کیا ہے۔ یہ بات حضرت عائشہ نے حضور کے دفن کے بعد قبر کے حجرے میں بننے اور صحرا میں نہ بننے کے بارے میں خدائی حکمت کے طور پر کہی تھی۔ بیشک حجرہ میں تدفین کا فیصلہ اِس بنیاد پر نہیں ہوا تھا بلکہ حضرت ابوبکر کی اُس روایت پر ہوا تھا کہ نبی اُسی جگہ دفن ہوتا ہے جس جگہ پر اس کی موت ہوتی ہو۔ (مترجم)

ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ جب تک قبر النبیؐ مسجد سے جدا تھی کوئی صحابی یا تابعی قبر کے پاس نماز پڑھنے یا اُس کو چھونے یا وہاں دُعا کرنے نہیں جاتا تھا۔ اِس پر ہم یہ کہتے ہیں اِس سے ابن تیمیہ کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ زیارت کے آداب یہی ہیں۔ ہم بھی وہاں نماز پڑھنے کو اور قبر کے مسح کرنے کو منع کرتے ہیں حالانکہ یہ بات بھی بالاجماع ممنوع نہیں ہے۔ ابو الحسین یحییٰ ابن حسن نے اپنی کتاب "اخبار المدینہ" میں لکھا ہے کہ مروان ابن الحکم آیا تو اُس نے دیکھا ایک شخص قبر النبیؐ سے چمٹا ہوا ہے۔ مروان نے اُس کی گدھی پکڑ کر اُس کو قبر سے جُدا کیا اور کہا تُو جانتا ہے کہ تو کیا کر رہا تھا؟ وہ شخص مروان کی طرف متوجہ ہوا اور بولا میں جانتا ہوں کہ میں نہ پتھر کے پاس آیا ہوں نہ اینٹ کے، میں رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ پھر وہ شخص بولا۔ دین پر اُس وقت ماتم نہ کرو جبکہ اُس کے متولّی اہل بنے ہوں، اُس وقت ماتم کرو جب نا اہل متولّی بنے ہوں۔ مُطّلب جو اِس روایت کے راوی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حضرتِ ابو ایوب انصاری کا قصّہ ہے۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ صحابہ اور تابعین جب آنحضور کو سلام کرتے تھے اور دُعا کرتے تھے تو قبلہ رُو ہوتے تھے قبر کی طرف مُنہ نہ کرتے تھے۔ اِس قول سے معلوم ہوا کہ ابن تیمیہ کو بھی اِس کا اعتراف ہے کہ سلفِ صالحین سلام کے وقت دعا بھی کرتے تھے۔ اب رہا اُن کا حجرہ میں داخل نہ ہونا تو یہ ادب کی وجہ سے تھا۔ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ وہ دعا کے وقت قبلہ رُو ہوتے تھے تو اِس سے زیارت کا انکار یا سفر کا انکار ثابت نہیں ہوتا ہے۔

ابن تیمیہ نے کہا۔ امامِ ابو حنیفہ کے نزدیک آپ پر سلام بھیجنے کے وقت قبلہ رُو رہے۔ ابو اللیث سمرقندی نے فتاویٰ میں ایک حکایت میں جو حسن ابن زیاد کی حضرتِ ابو حنیفہ سے ہے یہی کہا ہے۔ سروجی حنفی نے کہا کہ ہمارے نزدیک قبلہ رُو کھڑا ہو۔ کرمانی نے کہا شوافع وغیرہ نے کہا ہے کہ دعا کے وقت پشت قبلہ کی طرف اور مُنہ قبر کی طرف ہونا چاہیے۔ اور یہی امامِ احمد کا قول ہے اور بعض حنفیہ نے کہا ہے قبلہ رُخ ہونے میں دو عبادتیں ادا ہوں گی۔ یعنی ایک قبلہ رُخ ہونا یہ بھی عبادت ہے، دوسرے دعا۔ اور اکثر علماء کا قول ہے کہ دعا قبر کی طرف رُخ کر کے کرے۔ یہ بہتر ہے اور اِس میں ادب ہے۔ آنحضور کے ساتھ زندوں کا سا معاملہ

کرنا چاہیئے اور بلاشک وشبہ زندہ کو سلام اُس کی طرف رُخ کر کے کیا جاتا ہے۔ ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ اکثر علماء نے کہا ہے کہ خاص سلام کے وقت قبر کی طرف مُنہ کرے۔ یہ "خاص" کی قید کہاں مذکور ہے اِس کا حوالہ مطلوب ہے۔

شوافع، موالک اور حنابلہ کے اکثر علماء سلام و دعا دونوں حالتوں میں قبر کی طرف رُخ کرنے کے قائل ہیں۔ احناف کی مشہور کتابوں میں اِس مسئلہ کا ذکر ہی نہیں ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہ سے یہ روایت منقول ہے کہ ایوب سختیانی آئے اور قبر النبیؐ کے قریب پہنچے، قبر کی جانب رُخ کیا اور قبلہ کی جانب اُن کی پشت تھی۔ ابراہیم حربی نے اپنی "مناسک" میں لکھا ہے۔ قبلہ کی جانب پُشت کرو اور قبر النبیؐ کے وسط کی طرف رُخ کرو اور سلام و دعا پڑھو۔ اِس کو آجری نے "کتاب الشریعہ" میں ذکر کیا ہے۔ ابن تیمیہ نے یہ بھی کہا کہ ائمہ میں سے کوئی بھی اِس کا قائل نہیں ہے کہ دعا کے وقت قبر کی جانب مُنہ کیا جائے۔ ہاں ایک جھوٹی روایت امامِ مالک سے منسوب ہے جبکہ اُن کا مذہب اِس کے خلاف ہے۔ امام ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ ائمہ میں سے کوئی بھی دعا کے وقت قبر کی جانب مُنہ کرنے کا قائل نہیں ہے، غلط ہے۔ اِس کے متعلق ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ابو عبداللہ سامری حنبلی صاحب "المستوعب فی مذہب احمد" نے کہا ہے کہ قبر النبیؐ کو مُنہ کے سامنے کرے، قبلہ کی جانب پشت کرے اور منبر النبیؐ کو بائیں ہاتھ کی جانب کرے۔ پھر اُنھوں نے سلام و دعا کی تفصیل بیان کی ہے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ وہ سلام و دعا دونوں حالتوں میں قبر کی طرف منہ کرنے کے قائل تھے۔

یہی حال ہمارے علماء کا ہے کہ وہ مطلقاً قبر النبیؐ کی طرف رُخ کرنے کو کہتے ہیں تو ایضاً دعا و سلام دونوں میں قبر کی طرف رُخ کرنے کے قائل ہیں۔ اِسی طرح ہم نے ابھی ابراہیم حربی کا قول نقل کیا ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے تصریح کی ہے کہ قبر النبیؐ کے پاس پہنچے قبلہ کی جانب پشت کرے، قبر کی دیوار کی جانب رُخ کرے اور چار ہاتھ قبر کے سرہانے سے دور کھڑا ہو پھر آنحضور پر سلام پڑھے پھر داہنی جانب کو ہٹے اور حضرتِ ابو بکر پر سلام پڑھے، پھر تھوڑا سا اور داہنی جانب کو ہٹے اور حضرتِ عمر پر سلام پڑھے۔ پھر پہلی جگہ پر آنحضور کے سامنے آجائے اور آنحضور کو اپنے لئے دُعا میں وسیلہ بنائے اور خدا کے دربار میں آپ کو شفیع بنائے۔

پھر قبر کے سرہانے کی جانب بڑھ جائے۔ پھر قبر اور اُس ستون کے درمیان کھڑا ہو جو وہاں ہے۔ اور قبلہ رُخ ہو کر اللہ کی حمد و ثنا کرے اپنے اور اپنے والدین کے لئے دعائیں کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دعا میں قبلہ رُخ ہونا بھی بہتر ہے اور قبر کی طرف رُخ کرنا بھی بہتر ہے۔ اور ہمارے علم میں نہیں ہے کہ کسی عالم نے بھی اِس کو مکروہ کہا ہو۔ جس حکایت کو ابن تیمیہ نے جھوٹی حکایت بتایا ہے اُس کو قاضی عیاض نے "شفاء" کے تیسرے باب میں ذکر کیا ہے اور اِس حکایت پر کوئی نکیر نہیں کی ہے اور نہ یہ کہا ہے کہ امامِ مالک کا مذہب اِس کے خلاف ہے۔ اُس میں مذکور ہے کہ ابن حمید نے بیان کیا ہے ابو جعفر امیر المومنین کی امامِ مالک سے مسجدِ نبوی میں ایک بحث ہوئی جس میں ابو جعفر نے امام مالک سے کہا۔ اے ابو عبداللہ بتاؤ میں قبلہ رُخ ہو کر دعا کروں یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جانب رُخ کر کے۔ امامِ مالک نے فرمایا۔ آنحضور سے رُو گردانی کیوں کرتے ہو جبکہ وہ تمہارا اور تمہارے باپ آدم کا وسیلہ ہیں۔ اُن کی طرف رُخ کرو اور اُن کو شفیع بناؤ اللہ تعالیٰ اُن کی شفاعت قبول فرمائے گا

پھر قاضی عیاض نے "شفاء" کے چوتھے باب میں فرمایا ہے۔ ابن وہب کی روایت ہے کہ امامِ مالک نے فرمایا کہ جب آنحضور پر سلام پڑھے اور دعا مانگے تو قبر کی جانب رُخ کرے نہ کہ قبلہ کی جانب اور قبر کے قریب ہو کر سلام کرے، قبر کا مسح نہ کرے۔ یہ امام مالک کا مذہب امام کے بہت بڑے شاگرد نے بیان کیا ہے اور اِس میں تصریح ہے کہ قبر کا استقبال کرے نہ کہ قبلہ کا۔ قاضی عیاض نے یہ بھی کہا ہے کہ عبداللہ ابن وہب نے "مبسوط" میں یہ بھی کہا ہے مناسب یہ ہے کہ دعا کے لئے قبر کے پاس قیام نہ کرے سلام کرتا ہوا گزر جائے تو دونوں روایتوں میں اگر اختلاف ہے تو دعا کے لئے ٹھہرنے یا نہ ٹھہرنے میں ہے، استقبالِ قبر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور ہم پہلے بہت سے مالکی علماء کے اقوال بیان کر چکے ہیں کہ قبر کے پاس رُکے اور دُعا کرے اور کسی نے یہ نہیں لکھا کہ دعا قبلہ رُخ ہو کر کرے اور قبر کی جانب پشت رکھے تو اب کسی ذی علم کے لئے کیسے جائز ہے کہ یوں کہے کہ امامِ مالک بلکہ تمام علماء کا مسلک اِس حکایت کے خلاف ہے اور اِس وہم و خیال سے اِس حکایت کو جھوٹی روایت کہے جبکہ اِس روایت کا ایک ایک راوی ثقہ اور معتبر ہے خصوصاً جبکہ قاضی عیاض کی عظمت اور جلالتِ قدر، امانت اور ثقاہت متفق علیہ

ہے۔ پھر امام سُبکی نے اس روایت کے راویوں کی جلالتِ قدر اور ثقاہت کو مدلّل طریقہ پر بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ اِس روایت کے راویوں پر غور کرو اور دیکھو کہ یہ حکایت ابنِ وہب کی روایت سے کس قدر مطابقت رکھتی ہے۔

ابنِ وہب کی عظمت کا بیان کرتے ہوئے امام سُبکی نے ذکر کیا کہ علماءِ مدینہ جب امامِ مالک کی کسی روایت میں باہم مختلف ہوتے تھے تو وہ ابنِ وہب کی آمد کا انتظار کرتے تھے تاکہ اُن سے اُس روایت کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ ابن بُکیر کہا کرتے تھے کہ ابنِ وہب، ابن القاسم سے زیادہ فقیہ ہیں۔ اب ہمارے لئے چند راستے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم صرف ابنِ وہب کی روایت کو لیں چونکہ اُس کو ترجیح حاصل ہے۔ دوسرے یہ کہ دونوں روایتوں پر عمل کریں اِس لئے کہ یہ اختلاف حلال و حرام کا نہیں ہے، نہ کراہت و عدمِ کراہت کا۔ قبلہ رُخ ہونا بھی حَسَن ہے اور قبر کی طرف مُنہ کرنا بھی حَسَن ہے۔ تیسرے یہ کہ ابنِ تیمیّہ کے زعم کے مطابق اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ قبلہ رُخ رہے قبر کا استقبال نہ کرے اِس سے اصل مسئلہ زیارت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہم نے مالکی علماء کی بہت سی کتابیں پڑھیں کسی میں ہم نے نہیں پڑھا کہ دعا کے وقت استقبالِ قبر ممنوع ہے نہ یہ کہ وہ مکروہ ہے اور نہ یہ کہ وہ خلاف اولیٰ ہے سوائے "مبسوط" کے بہرحال ابنِ تیمیّہ کا یہ دعویٰ کہ امام مالک اور تمام علماء کا مذہب ہے کہ جب سلام پڑھے تو قبر کی طرف مُنہ کرے اور جب دعا مانگے تو قبر کی طرف پشت کرے صحیح نہیں ہے اور اِسی بنیاد پر اُنھوں نے اِس حکایت کو مردود قرار دیا۔

زیارت کے سلسلہ میں ہم مالکی علماء کا کلام چوتھے باب میں بیان کر چکے ہیں جس سے ابنِ تیمیّہ کے اِس دعوے کی تردید ہو جاتی ہے۔ کچھ تھوڑی سی بات باقی ہے وہ ہم یہاں ذکر کئے دیتے ہیں۔ ابو الحسن لخمی نے "تبصرہ" میں ذکر کیا ہے۔ جو مدینہ پہنچے وہ سب سے پہلے مسجدِ نبوی میں جائے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے۔ پھر قبر النبی پر جائے اور سلام پڑھے۔ یہی امام مالک کا قول ہے۔ ابن حبیب نے کہا۔ جب داخل ہو تو بِسۡمِ اللہِ وَسَلَامٌ عَلٰی رَسُوۡلِ اللہِ کہے۔ اُن کی مراد یہ ہے کہ جس وقت داخل ہو تو سلام سے ابتدا کرے پھر تحیۃ المسجد پڑھے اور اگر اُس کا داخلہ اُس دروازے سے ہو جو قبر النبیؐ سے متصل ہے اور اُس کا گذر قبر کے پاس سے

ہو تو ٹھہر کر سلام پڑھے۔ پھر وہاں جائے جہاں نماز پڑھنی ہے اِس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ابن بشیر مالکی نے "کتاب التنبیہ" میں کہا ہے۔ جو شخص مدینہ میں داخل ہو اُس کے لئے بہتر یہ ہے کہ پہلے مسجد میں نوافل پڑھے پھر قبر النبی کے پاس جائے۔ رَسُوۡلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم پر سلام پڑھے اور کثرت سے درود پڑھے۔ پھر اپنے لئے جو چاہے دعا کرے۔ پھر ابو بکر و عمر پر سلام پڑھے اور جب مدینہ سے واپس ہو تب بھی ایسا ہی کرے۔

اِس کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبر کی طرف رُخ کرکے دعا کرنے کے قائل ہیں۔ ابنِ یونس مالکی نے ابن حبیب سے نقل کیا ہے کہ جب مسجدِ نبوی میں داخل ہو تو یوں کہے۔ بسم اللہ، ہماری جانب سے، ہمارے رب کی جانب سے اور ملائکہ کی جانب سے رسول اللہ پر سلام ہو۔ اے اللہ میرے گناہ معاف کردے اور میرے لئے اپنی رحمت اور جنّت کے دروازے کھول دے اور میری شیطان سے حفاظت فرما۔ پھر رَوۡضَۃٌ مِّنۡ رِیَاضِ الۡجَنَّۃِ میں جائے جو قبر شریف اور منبر کے درمیان ہے وہاں دو رکعت نفل پڑھ کر قبر پر جائے۔ سب سے پہلے اللہ کی تعریف کرے اور جس مقصد کے لئے نکلا ہے اُس کی تکمیل کی دعا کرے اور روضہ میں موقع نہ ملے تو دوسری جگہ نفلیں پڑھ لے۔ روضہ میں پڑھنا افضل ہے۔ اِس لئے کہ حضور نے فرمایا ہے۔ "میری قبر اور منبر کے درمیان جنّت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر جنّت کے حوضوں میں سے ایک حوض پر ہے۔" ابنِ حبیب نے کہا۔ پھر جب نماز پڑھ چکے تو قبر النبیؐ کے پاس قبلہ کی جانب سے پہنچ اور قبر کے قریب ہو جا۔ پھر سکون اور وقار سے حضور پر سلام بھیج اور ثنا کر اس لئے کہ حضور تیرے وقوف کو جانتے اور تیرے کلام کو سنتے ہیں اور ابوبکر و عمرؓ پر سلام پڑھ اور اُن کے لئے دعائیں کر اور شب و روز میں مسجد میں بکثرت نمازیں پڑھ اور مسجدِ قبا اور شہدائے اُحُد کی زیارت کو نہ چھوڑنا۔"

ابن حبیب جیسے فاضل و عالم کا یہ کلام ہمارے لئے بہت بڑی دلیل ہے۔ اِس میں تصریح ہے اور یقینی طور پر بتایا ہے کہ آنحضور سلام کرنے والے کے کلام کو سنتے ہیں اور اُس کی حاضری کا آنحضور کو علم ہوتا ہے۔

امام نووی نے حافظ ابو موسیٰ اصبہانی سے روایت کی ہے کہ امام مالک نے فرمایا ہے

کہ جب کوئی آنحضور کی قبرِ مبارک کے پاس پہنچے تو قبلہ کی طرف پشت کرے اور آنحضور کی جانب رُخ کرے درود بھیجے اور دعا کرے۔

میں نے عبداللہ ابن عبدالحکیم الکبیر کی کتاب کی شرح میں دیکھا ہے کہ ابنِ وہب نے کہا ہے امامِ مالک سے دریافت کیا گیا کہ سلام کرنے والا آنحضور کی قبرِ مبارک کے پاس کس جگہ کھڑا ہو تو اُنھوں نے فرمایا۔ اُس گوشہ میں قبلہ رُو کھڑا ہو جو منبر کے قریب قبلہ کی جانب ہے اور میں پسند نہیں کرتا ہوں کہ وہ قبر کو چھوئے۔ یہ ممکن ہے کہ یہ نسخہ غلط ہو اِس لئے کہ ابنِ وہب کی امامِ مالک سے روایت پہلے گذر چکی ہے اُس میں قبر کے استقبال کا حکم ہے نہ کہ قبلہ کا۔ ابو موسیٰ کی روایت اور موالک کا کلام اِس کی تائید کرتا ہے اور ممکن ہے اُن سے دو روایتیں ہوں۔ ایک میں قبلہ کا استقبال اور دوسری میں استدبار ہو۔ اور اگر یہی ثابت ہو کہ امامِ مالک دعا کے وقت استقبالِ قبلہ کے قائل تھے تو اِس سے زیارتِ قبرالنبی اور اُس کے لئے سفر اور تعظیم قبرالنبیؐ کی مخالفت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ اب اگر کوئی یہ اعتقاد رکھتا ہے تو وہ گمراہ ہے۔

آٹھواں باب

آنحضور کو وسیلہ بنانے اور آنحضور سے مدد حاصل کرنے اور آنحضور سے شفاعت چاہنے کے بیان میں

یاد رکھو آنحضور کو وسیلہ بنانا اور آنحضور سے مدد اور شفاعت چاہنا جائز ہی نہیں بلکہ امرِ مستحسن ہے۔ اِس کا جائز اور مستحسن ہونا ہر دین دار کے لئے ایک بدیہی امر ہے جو انبیاء، رسولوں اور سلفِ صالحین اور علماء سے ثابت ہے اور کسی مذہب والے نے اِن باتوں کا انکار نہیں کیا اور نہ کسی زمانہ میں اِن چیزوں کی بُرائی کی بات کہی گئی۔ حتیٰ کہ ابنِ تیمیہ پیدا ہوئے اور اِن چیزوں کا اُنھوں نے انکار شروع کر دیا اور ایسی باتیں کہیں جن سے ایک بھولا بھالا مسلمان دھوکے میں پڑ جائے اور ایک ایسی نئی بات کہنی شروع کر دی جو اب تک کسی نے نہ کہی تھی اور اُس ابو جعفر منصور اور امامِ مالک والی مشہور حکایت پر بھی جرح و قدح شروع کر دی جس کو ہم تفصیل سے نقل کر چکے ہیں اور

اِس کی صحت کو واضح کر چکے ہیں کہ امامِ مالک نے خلیفہ منصور سے کہا تھا "آنحضور سے شفاعت کی درخواست کر۔"

ہم نے اِس کتاب میں شفاعت کی بحث اِس لئے کی ہے کہ ابنِ تیمیہؒ نے زیارتِ قبرالنبیؐ کے انکار کے ساتھ شفاعت اور استعانت کا بھی انکار کیا ہے۔ ابنِ تیمیہ کے اِس فعل کی بُرائی اسی سے سمجھ لیجئے کہ اِس طرح کی بات اِس سے پہلے کسی عالم نے نہیں کہی تھی۔ اِس سلسلہ میں اُنھوں نے بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ ہم نے بہتر راستہ یہ سمجھا ہے کہ اِن کی باتوں کے رد و ابطال سے قطع نظر کر کے اصل مسئلہ کا ثبوت اور دلائل واضح کر دیں۔ جن علماء نے اُمت کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے اُن کا طریقہ کار یہ رہا ہے کہ دین کے مسائل اِس طرح بیان کر دیں کہ لوگوں کی سمجھ میں آ جائیں اور قابلِ قبول بن جائیں لیکن ابنِ تیمیہ کی باتیں اِس کے بالعکس ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ آنحضور سے توسّل ہر حال میں جائز ہے حضور کی پیدائش سے قبل بھی اور پیدائش کے بعد بھی۔ حضور کی دنیاوی زندگی میں بھی اور بعد الموت بھی، دنیا میں بھی اور حشر کے میدان، اور جنّت میں بھی۔

توسّل کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم توسّل کی یہ ہے کہ صاحبِ حاجت آنحضور کے وسیلہ سے آنحضور کے مرتبہ کے طفیل اور آنحضور کی برکت کے طفیل اللہ سے اپنی حاجت طلب کرے، یہ بہر حالت جائز ہے خواہ اُس کا وقوع آنحضور کی پیدائش سے پہلے ہوا ہو یا آنحضور کی حیاتِ طیّبہ میں یا آنحضور کی وفات کے بعد، ہر حالت میں اِس کے جواز پر صحیح احادیث وارد ہیں۔

پہلی حالت یہ ہے کہ آنحضور کی پیدائش سے قبل دعا میں آنحضور کو وسیلہ بنایا گیا ہے۔ پہلے انبیاء نے آنحضور کی پیدائش سے پہلے آنحضور کے وسیلہ سے اللہ تعالےٰ سے حاجت طلب کی ہے۔ ہم اُن احادیث میں سے پہلے اِس حدیث کو بیان کرتے ہیں جس کو حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے اور اِس پر صحت کا حکم لگایا ہے۔ پوری سند کے ساتھ حضرتِ عمر سے نقل کیا ہے کہ آنحضور نے ارشاد فرمایا کہ حضرتِ آدم نے جب اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا تو دربارِ خداوندی میں عرض کیا اے خدا میں بحقِّ محمدؐ درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف کر دے۔

اِس پر حضرتِ حق جلّ مجدہٗ نے فرمایا۔ اے آدم تم محمّدؐ کو کیسے جان گئے میں نے تو ابھی اِن کو پیدا بھی نہیں کیا۔ اُنھوں نے عرض کیا اے بارِ الٰہا جب آپ نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح مجھ میں پھُونکی۔ میں نے اپنا سر اُٹھایا تو میں نے دیکھا کہ عرش کے پایوں پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا ہے تو میں سمجھا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ جس شخصیت کا نام لکھا ہے وہ یقیناً تمام مخلوق میں تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اِس پر خدا نے فرمایا۔ آدم تم نے صحیح کہا بیشک محمّدؐ تمام مخلوق میں میرے لئے محبوب تر ہیں اور جبکہ تم نے اُن کے حق کا واسطہ دے کر مغفرت چاہی ہے تو میں نے تمہاری مغفرت کر دی اور اگر محمّدؐ نہ ہوتے تو میں تمہیں بھی پیدا نہ کرتا"۔ حاکم نے اِس حدیث کے ساتھ ابنِ عبّاس کی اِس روایت کو بھی نقل کیا ہے کہ اُنھوں نے فرمایا: "حضرتِ حق جَلَّ مَجْدُہٗ نے حضرتِ عیسیٰ علیہ السّلام سے بذریعہ وحی فرمایا کہ اے عیسیٰ محمّدؐ پر ایمان لاؤ اور اپنی امّت سے کہو جو اُن کو پائے اُن پر ایمان لائے۔ اگر محمّدؐ نہ ہوتے تو میں آدم کو نہ پیدا کرتا اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں جنّت اور جہنّم کو بھی نہ پیدا کرتا۔ میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ ہلنے لگا۔ اِس پر میں نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لکھا تو ٹھہر گیا"۔ ابنِ تیمیہ نے حضرتِ آدم کے توسّل کی روایت کے بارے میں کہا ہے کہ یہ بے اصل ہے اور کسی صحیح سند کے ساتھ منقول نہیں ہے اور محض اپنے خیال اور وہم سے بہت سی باتیں کہہ کر اُس کو جھوٹ قرار دیا ہے۔

یہ اُن کی ساری باتیں اِس بات پر مبنی ہیں کہ اُن کے علم میں یہ نہ آیا کہ حاکم نے اِس روایت کو صحیح سند کے ساتھ نقل کر کے اِس پر صحّت کا حکم لگایا ہے۔ اگر اُن کے علم میں حاکم کی تصحیح آ جاتی تو کبھی یہ بے جا جرأت نہ کرتے۔ ہو سکتا ہے کہ اگر اُن کو حاکم کی اِس روایت کا علم ہوتا تو وہ عبداللہ ابن زید ابن اسلم، جو اِس حدیث کے راوی ہیں اُن پر طعن کرتے۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جاتا کہ اُن میں ضُعف ہے تو وہ ضُعف اِس درجہ کا تو نہیں ہے کہ اُس کی بنیاد پر اِس روایت کو ساقط الاعتبار قرار دے کر ایسے مسئلہ کا انکار کر دیا جائے جو عقلاً اور شرعاً ہر طرح سے جائز ہے۔

حضرتِ نوح اور حضرتِ ابراہیم نے بھی آنحضور کی ذات سے توسّل کیا ہے جس کو مفسّرین

نے ذکر کیا ہے لیکن ہم نے حاکم کی روایت اور اُس پر حاکم کی تصحیح کی وجہ سے اِسی روایت پر اکتفا کیا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اِن معنیٰ کو توسّل، استعانت، تشفّع، تجوّہ کے الفاظ سے تعبیر کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ شفاعت چاہنے والا تو وہ ہوتا ہے جو شفیع کو لے کر کسی کے پاس جائے تاکہ وہ اُس کی شفاعت و سفارش کر دے اور آنحضور کو شفیع بنانے میں یہ صورت ممکن نہیں ہے۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ یہاں لفظی اور لغوی بحث نہیں ہے۔ یہاں بحث تو یہ ہے کہ نبی کے ذریعہ اور واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنا کیسا ہے۔ جیسا کہ حضرتِ آدم نے درخواست کی یا جو معنیٰ بھی شفاعت کے لوگ سمجھتے ہیں لفظ تشفّع، توسّل، استغاثہ، تجوّہ وغیرہ سے یہی مطلب سمجھا جاتا ہے کہ نبی کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے کوئی درخواست کی جائے اور لغتہً بھی اِن لفظوں کے یہی معنیٰ مُراد لینے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے اُس شخص کے واسطہ سے درخواست کر سکتا ہے یا نہیں جس کے بارے میں اُس کو یقین ہے کہ اُس شخص کا خدا کے نزدیک مُرتبہ اور قدر و منزلت ہے۔ اِس میں کوئی شک ہی نہیں ہے کہ آنحضور کا عنداللہ بڑا رُتبہ اور قدر و منزلت ہے۔ طریقہ یہی ہے کہ ایک انسان جب شفاعت چاہتا ہے تو وہ ایسے شخص کا حوالہ دیتا ہے جس کے بارے میں اُس کو یقین ہوتا ہے کہ اُس کا حوالہ دینے سے اُس کی درخواست منظور ہو جائے گی خواہ شفاعت کرنے والا موجود نہ ہو اور نہ آکر شفاعت کر رہا ہو۔ اِسی طور پر آنحضور کی پیدائش سے پہلے آنحضور کے ذریعہ شفاعت چاہی گئی ہے۔ اور اِس صورت میں سائل نہ غیر اللہ سے سوال کرتا ہے، نہ غیر اللہ کو پکارتا ہے۔ محبوب اور معظّم شخص کا واسطہ قبولیت کا سبب بنتا ہے جیسا کہ صحیح دُعاؤں میں مذکور ہے۔ بعض دُعاؤں میں ہے اے اللہ تعالیٰ ہم تیرے ہر نام کے ذریعہ تجھ سے درخواست کرتے ہیں۔ اے اللہ ہم تیرے اچھّے ناموں کے ذریعہ تجھ سے چاہتے ہیں۔ ہم تجھ سے اِس واسطہ سے سوال کرتے ہیں کہ تو اللہ ہے وغیرہ وغیرہ۔

غار والی حدیث میں نیک کاموں کے واسطہ سے دُعا کرنے کا ذکر ہے۔ اور وہ صحیح حدیث ہے۔ اُس میں اللہ تعالیٰ سے درخواست اور سوال ہے اور جن چیزوں کے ذریعہ سوال کیا گیا ہے وہ متعدد ہیں۔ اِس سے نہ شرک پیدا ہوا نہ غیر اللہ سے سوال ہوا۔ اِسی طرح نبی کریم ——

کے ذریعہ سوال کرنے سے نبی کریم سے سوال نہیں ہے بلکہ اُن کے واسطہ سے اللہ سے سوال ہے جبکہ اعمال کے واسطہ سے سوال جائز ہوا جو کہ مخلوق ہیں تو نبی کریم کے واسطہ سے سوال بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔ یہ کہنا کہ اعمال کے ذریعہ سوال دراصل اُن اعمال کی جزا کی درخواست ہے، درست نہیں ہے۔ اِس لئے کہ اگر جزا سے درخواست کا تعلق ہوتا تو پھر اعمال کے ذکر کی ضرورت نہ تھی۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ تو پہلی امتوں کا قصہ ہے اِس سے استدلال درست نہیں کیونکہ اگر اعمال کے واسطہ سے سوال شرک ہوتا تو گذشتہ امت کے لئے بھی جائز نہ ہوتا۔ اِس لئے کہ شرک تو کسی امت میں بھی جائز نہیں سمجھا گیا۔ ہم نہیں سمجھتے کہ آنحضور کو وسیلہ بنا کر دُعاء کرنے میں کیا قباحت ہے۔ اِن لفظوں کا تقاضا یہ ہے کہ جس کے واسطہ سے سوال کیا جارہا ہے اُس کو اُس ذات سے خصوصیت حاصل ہے جس سے سوال کیا جارہا ہے۔ لہٰذا آنحضور کو وسیلہ بنانے میں یہی بات ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس کے واسطہ سے سوال کیا جارہا ہے وہ اُس ذات سے اعلیٰ ہوتا ہے جس سے درخواست کی گئی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے "جس شخص نے تم سے اللہ کا واسطہ دے کر سوال کیا ہے اُس کو دیدو"۔ کوڑھی، گنجے اور اندھے کے قصہ والی حدیث میں ہے۔ "میں تجھ سے اُس ذات کے واسطہ سے درخواست کرتا ہوں جس نے تجھے خوبصورت رنگ اور خوبصورت کھال عطا کی ہے"۔ یا حضرتِ عائشہ نے حضرت فاطمہ سے کہا تھا۔ میں تم سے سوال کرتی ہوں اُس حق کا واسطہ دے کر جو میرا تمہارے اُوپر ہے۔ اور کبھی جس ذات سے سوال کیا جارہا ہے وہ اُس سے افضل ہوتی ہے جس کے واسطہ سے سوال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ سے سوال نبی کے واسطہ سے کیا جائے۔ اِس کے جواز میں کوئی شُبہ نہیں ہے۔

اِسی طرح حقّ النبی کا واسطہ دے کر درخواست کرنا بھی درست ہے۔ حق سے مُراد رُتبہ اور منزلت ہے یا حضور کا وہ حق مراد ہے جو آپ کا امّت پر ہے یا وہ حق مراد ہے جو اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل وکرم سے خود اپنے اوپر ثابت کرلیا ہے۔ ورنہ حضرتِ حق تعالےٰ پر کسی طرح کا وجوب نہیں ہے۔ اِسی لئے فقہائے اِن معنیٰ کے اعتبار سے اِس لفظ کے استعمال کو منع کیا ہے۔

دوسری حالت توسّل کی یہ ہے کہ آنحضور کی پیدائش کے بعد آنحضور کی زندگی میں آپ کی ذات کو وسیلہ بنایا جائے اِس کے ثبوت کے لئے وہ روایت کافی ہے جو امام ترمذی نے اپنی "جامع"

کی کتاب الدعوات میں نقل کی ہے۔ حضرتِ عثمان ابن حنیف بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرے لئے دُعا کردیجئے کہ میں بینا ہوجاؤں۔ آنحضور نے فرمایا اگر تو چاہتا ہے تو میں تیرے لئے بینائی کی دعاء کردوں اور اگر تو اِسی حالت پر صبر کرے تو یہ تیرے لئے بہتر ہے۔ اُس نے عرض کیا نہیں میں تو دُعاء کرانا چاہتا ہوں۔ آنحضور نے فرمایا اچھا تو جا وضو کر اور اچھی طرح وضو کر اور پھر یہ دعا مانگ۔ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجّہ ہوتا ہوں۔ تیرے نبی کے واسطے سے جو محمدؐ ہیں نبیؐ الرحمۃ ہیں۔ اے محمدؐ میں تمہارے واسطہ سے اپنے خدا کی طرف متوجّہ ہوا ہوں اپنی حاجت کے سلسلہ میں تاکہ وہ میری حاجت پوری کردے۔ اے اللہ تو اُن کی شفاعت میرے بارے میں قبول فرمالے۔ امام ترمذی نے اِس حدیث کو "حسنٌ صحیحٌ غریبٌ" کہا ہے۔ امامِ نسائی اور امامِ ابن ماجہ نے بھی اِس حدیث کو نقل کیا ہے۔ بیہقی نے بھی اِس حدیث کو نقل کیا ہے اور اُس میں اضافہ ہے کہ وہ شخص دُعاء کرکے کھڑا ہوا تو بینا تھا۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے۔ اُس نے ایسا ہی کیا تو اچھا ہوگیا۔ ایک سند میں ہے کہ اُس نابینا نے کہا۔ اے محمدؐ میں تمہارے واسطہ سے اپنے خدا کی طرف متوجّہ ہوتا ہوں تاکہ وہ مجھے بینائی عطا کردے۔ اے اللہ میرے بارے میں اِن کی شفاعت قبول فرمالے اور میرے بارے میں میری سفارش قبول فرمالے۔ اِس کے راوی عثمان ابن حنیف نے کہا کہ خدا کی قسم ہم جُدا بھی نہ ہوئے تھے اور نہ بات لمبی ہوئی تھی کہ اتنے میں وہ شخص آیا اور گویا کہ اُس کی آنکھوں میں کبھی کوئی خرابی ہی نہ تھی۔ اِس حدیث کے بارے میں ترمذی اور بیہقی کی تصحیح ہمارے لئے کافی ہے اور ہمارے دعوے کے ثبوت کیلئے یہ حدیث بہت کافی ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے یہ سب کچھ تو اِس طور پر ہوا کہ نبی کریم نے اُس کی سفارش کی۔ کیونکہ آنحضور نے اُس سے کہا تھا کہ یوں کہہ۔ اے خدا میں تیری طرف متوجّہ ہوتا ہوں تیرے نبی کے واسطہ سے۔ اِس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ حضرتِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ نے آنحضور کی وفات کے بعد بھی اِس دعاء کا استعمال کیا ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ دعاء کی قبولیت کا تعلق آنحضور کی اُس وقت کی سفارش سے نہ تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اِس حدیث میں کہیں اِس کی صراحت نہیں ہے کہ آنحضور نے شفاعت کرکے

پھر اُس کو اِس دعا کی تعلیم دی تھی۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ہی ہوا تھا کہ حضور نے شفاعت کر کے اُس کو دعا کی تعلیم دی تھی تو بھی یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ خدا تعالےٰ کے لئے غیر اللہ کو وسیلہ بنایا جاسکتا ہے۔ اور پھر یہ بات کہ اگر آنحضور شفاعت کر چکے تھے تو پھر اِس دعا کی تعلیم کی ہی ضرورت نہ تھی۔ حضور کا منشاء تو یہ تھا کہ خود ضرورتمند اضطراری اور انکساری کی حالت میں آپ کے واسطہ سے فریاد کرے تاکہ اُس کا مقصد مکمّل طریقہ پر پورا ہو اور یہ بات حضور کی موجودگی میں اور حضور کی غیبت میں اور وفات کے بعد، ہر حالت میں حاصل ہوسکتی ہے اِس لئے کہ ہمیں امّت پر حضور کی شفقتوں کا علم ہے اور اِس بات کا علم ہے کہ حضور اپنی پوری امّت کے لئے استغفار اور شفاعت فرماتے رہے ہیں اب جبکہ بندہ کی توجّہ بھی اُس کے ساتھ مل جائے گی تو وہ غرض حاصل ہو جائے گی جس کے لئے آنحضور نے نابینا کی رہنمائی فرمائی تھی۔

تیسری حالت توسّل کی یہ ہے کہ آنحضور کے ساتھ آپ کی وفات کے بعد توسّل کیا جائے۔ طبرانی نے مُعجم کبیر کے پچاسویں جُز میں عثمان ابن حنیف سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی اپنی ضرورت پوری کرانے کے لئے حضرتِ عثمان غنی کے چکّر کاٹا کرتا تھا لیکن وہ اس کی طرف توجّہ نہ کرتے تھے۔ وہ آدمی عثمان ابن حنیف سے ملا اور اُن سے اِس بات کا تذکرہ کیا تو انھوں نے اس سے فرمایا جا وضو کر اور پھر مسجد میں پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھ اس کے بعد یہ دُعا مانگ۔ اے اللہ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں اور تیری طرف متوجّہ ہوتا ہوں اپنے نبی محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے واسطہ سے جو کہ نبیّ الرحمۃ ہیں۔ اے نبی میں آپ کے واسطہ سے متوجّہ ہوں آپ کے رب کی طرف تاکہ وہ میری ضرورت پوری کر دے۔ اور اپنی ضرورت کا تصوّر رکھنا۔ پھر چل میں بھی تیرے ساتھ چلوں گا۔ چنانچہ اس شخص نے عثمان ابن حنیف کے کہے پر عمل کیا اور پھر حضرت عثمان غنی کے دروازے پر پہنچا تو دربان نے اُس کا ہاتھ پکڑا اور اُس کو لے جاکر حضرتِ عثمان غنی کے پاس اُن کی مسند پر بٹھا دیا۔ حضرتِ عثمان غنی نے اُس سے کہا۔ تیری کیا حاجت ہے۔ اُس نے اپنی ضرورت بتائی تو اُنھوں نے وہ فوراً پوری کر دی اور فرمایا تو نے آج تک اپنی حاجت کا ذکر کیوں نہ کیا تھا۔ تیری جو ضرورت ہوا کرے آکر ہم سے

کہہ دیا کر۔ اب وہ شخص حضرتِ عثمان غنی کے پاس سے عثمان ابن حنیف کے پاس آیا اور اُن کا شکریہ ادا کر کے کہنے لگا کہ وہ تو میری ضرورت کی طرف دھیان ہی نہ دیتے تھے آپ نے اُن سے کہا تو اُنھوں نے میری ضرورت پوری کی۔ عثمان ابن حنیف نے قسم کھا کر کہا۔ میں نے عثمان غنی سے تیرے بارے میں کوئی سفارش نہیں کی ہاں میں آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مجلس میں تھا کہ ایک نابینا آیا اور اُس نے دعا کی درخواست کی تو آنحضور نے اُس کو یہی دُعا سکھائی تھی چنانچہ وہ فوراً بینا ہو گیا تھا۔ میں نے تجھے وہی دُعا سکھا دی تھی۔

دوسری قسم توسّل کی آنحضور سے دعا کا طلب کرنا ہے۔ اِس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ آنحضور کی حیاتِ طیّبہ میں آنحضور سے دُعا کی درخواست کرنا۔ اِس کے تو اِس قدر واقعات ہیں جن کو شمار کرنا بھی دُشوار ہے۔ مسلمان اپنی ہر ضرورت میں آنحضور سے مدد چاہتے تھے۔ اور آپ کی پناہ پکڑتے تھے۔ صحیحین میں مذکور ہے کہ ایک شخص جمعہ کے روز مسجد میں آیا۔ اُس وقت آنحضور خطبہ دے رہے تھے۔ وہ آنحضور کے سامنے جا کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ اے رسول اللہ! جانور ہلاک ہو گئے، راستے بند ہو گئے، اللہ سے دعا کر دیجئے اللہ تعالےٰ بارش برسا دے۔ آنحضور نے فوراً دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور فرمایا۔ اے اللہ بارش برسا، اے اللہ بارش برسا۔ پیچھے ابر کا ایک ٹکڑا ڈھال جیسا نمودار ہوا اور وہ اُبھر کر آسمان کے درمیان پہنچ کر پھیل گیا۔ پھر بارش شروع ہو گئی۔ راوی نے کہا۔ خدا کی قسم اِس قدر بارش ہوئی کہ ہمیں ایک ہفتہ تک سورج نظر نہ آیا۔

بیہقی نے "دلائل النبوّۃ" میں ابو وجزۃ السّعدی سے نقل کیا ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ جس وقت حضور غزوۂ تبوک سے واپس آرہے تھے حضور کی خدمت میں بنی فزارہ کا ایک وفد آیا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہمارا علاقہ قحط میں مبتلا ہے، ہمارے باغات خشک ہیں، ہمارے بچّے ننگے ہیں، ہمارے جانور تباہ ہیں، اللہ تعالےٰ سے دعا کر دیجئے وہ ہم پر بارش برسا دے۔ اپنے رب سے ہماری شفاعت کر دیجئے۔ حضور نے فرمایا۔ اگر خدا تعالےٰ سے میں شفاعت نہ کروں گا تو اور کون کرے گا۔ ہمارا رب خدا ہے۔ اُس عظیم کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے۔ اُس کی کرسی میں آسمانوں اور زمینوں کی وسعت ہے اور وہ اُس کی عظمت اور جلال سے چوں چوں

کررہی ہے۔ پھر حضور کھڑے ہوگئے اور منبر پر تشریف لے گئے۔ اور دعا میں فرمایا۔ اے اللہ! اپنے شہروں کو، اپنے جانوروں کو سیراب کردے اور اپنی رحمت پھیلادے اور اپنے مُردہ شہروں کو زندہ کردے۔

ابوداؤد میں جبیر ابن مُطعم کی روایت ہے کہ حضور کی خدمت میں ایک بدّو آیا اور عرض کیا۔ اے رسول اللہ! ہماری جانیں مشقت میں پڑگئی ہیں، بال بچے ویران ہوگئے ہیں، مال اور جانور ہلاک ہوگئے ہیں، اللہ تعالےٰ سے ہماری سیرابی کے لئے دعا کردیجئے، ہم اللہ تعالےٰ کے لئے آپ کو اور آپ کے لئے اللہ تعالےٰ کو شفیع بناتے ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ کمبخت تو کیا کہہ رہا ہے، اللہ تعالےٰ کو کسی مخلوق کے لئے شفیع نہیں بنایا جاسکتا۔ خدا کی شان اِس سے ارفع و بلند تر ہے اور پھر وہ کرسی کے چوں چوں کرنے کی بات فرمائی۔ آنحضور نے خدا کو شفیع بنانے پر جو نکیر کی اُس کی وجہ یہ ہے کہ شفیع تواضع اور انکساری کے ساتھ اُس شخص سے بات کرتا ہے جس سے وہ شفاعت کرتا ہے اور خدا کی شان اِس سے بلند ہے کہ وہ انکساری اور عاجزی کے ساتھ کسی سے بات کہے۔

حضرتِ انس نے فرمایا ایک بدّو آنحضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ ہمارے بچّوں کے لئے صبح کو دودھ نہیں ہے۔ مائیں بھوک کی وجہ سے اپنے بچّوں سے غافل ہوگئی ہیں، ہمارے پاس ادنیٰ چیز بھی کھانے کو نہیں ہے۔ اور ہمارے پاس بجُز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ بھاگ کر آپ کے پاس آئیں اور لوگوں کی جائے فرار رسول ہی ہے۔ حضور اپنی چادر کھینچتے ہوئے منبر پر پہنچے اور اپنے دستِ مبارک اُٹھا کر فرمایا۔ اے اللہ ہمیں سیراب کردے۔ راوی نے پوری دعا کا ذکر کرکے کہا کہ حضور نے اپنے ہاتھ ابھی چھوڑے بھی نہ تھے کہ آسمان نے اپنے دہانے کھول دیئے۔ دیہاتیوں نے آکر کہنا شروع کردیا۔ ہم ڈوبے، ہم ڈوبے۔ اِس پر حضور نے دعا کی۔ اور فرمایا اے اللہ ہمارے اطراف پر، اب ہم پر نہیں۔ تو مدینہ پر سے بادل پھٹ گیا اور مدینہ پر تاج کی طرح بن گیا۔ اِس پر حضور اِس قدر ہنسے کہ حضور کی کچلیاں نظر آنے لگیں۔ پھر فرمایا۔ ابوطالب کی بھلائی خدا کے لئے ہے۔ آج اگر وہ زندہ ہوتے تو بہت خوش ہوتے۔ کوئی ہے جو اُن کے اشعار ہمیں سُنائے۔ حضرتِ علی تشریف فرما تھے

اُنھوں نے فرمایا۔ حضور اُن کے اشعار یہ ہیں۔

وَاَبْیَضَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

بہت سے روشن رُو ہیں کہ اُن کے چہرے کے طفیل ابروں سے بارش مانگی جاتی ہے۔ جو یتیموں کی جائے پناہ، بیواؤں کی عصمت ہیں۔

یَطُوْفُ بِهٖ الْهُلَّاکُ مِنْ آلِ هَاشِمٍ فَهُمْ عِنْدَهٗ فِیْ نِعْمَةٍ وَّفَوَاضِلِ

تباہ شدہ آلِ ہاشم اُن کے چکّر کاٹتے ہیں۔ تو وہ انکے پاس اکرام اور انعامات میں ہوتے ہیں۔

کَذَبْتُمْ وَبَیْتِ اللّٰهِ یُبْزٰی مُحَمَّدٌ وَلَمَّا نُطَاعِنْ حَوْلَهٗ وَنُنَاضِلِ

کعبہ کی قسم تم نے جھوٹ بولا کیا محمدؐ کو مغلوب کردیا جائے گا۔ اور ابھی تک ہم نے اُن کے چاروں طرف نیزہ بازی کی نہ تیر اندازی۔

نُسَلِّمُهٗ حَتّٰی نُصَرَّعَ حَوْلَهٗ وَنَذْهَلُ عَنْ اَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

ہم اُن کو جب سپرد کریں گے جبکہ ہم اُن کے چاروں طرف پچھاڑ دیئے جائیں گے۔ اور ہم اپنے بچّوں اور بیویوں سے غافل ہوجائیں گے اِس پر ایک شخص کنانی کھڑا ہوا اور اُس نے کہا۔

لَكَ الْحَمْدُ وَالْحَمْدُ مِمَّنْ شَكَرْ سُقِیْنَا بِوَجْهِ النَّبِیِّ الْمَطَرْ

تیری ہی تعریف ہے تعریف اُس کی جانب سے جو شکر گذار ہے۔ ہم نبی کے چہرے کی وجہ سے بارش سے سیراب کئے گئے۔

دَعَا اللّٰهَ خَالِقَهٗ دَعْوَةً اِلَیْهِ وَاَشْخَصَ مِنْهُ الْبَصَرْ

اُنھوں نے اپنے خالق کو ایک بار پکارا۔ اور اُن کی نگاہ اوپر کو اُٹھی۔

فَلَمْ یَكُنْ اِلَّا كَمَا سَاعَةً وَاَسْرَعَ حَتّٰی رَأَیْنَا الدُّرَرْ

نہ ہوئی مگر تھوڑی دیر۔ اور اِس سے بھی جلد کہ ہم نے موتی (بارش کی بُوندیں) دیکھ لئے۔

فَكَانَ كَمَا قَالَ عَمُّهٗ اَبُوْ طَالِبٍ اَبْیَضُ ذُوْ غُرَرْ

پس ایسا ہی ہوا جیسا کہ اُن کے چچا ابوطالب نے کہا بہت روشن رُو چمکتی پیشانی والے ہیں۔

فَمَنْ یَّشْكُرِ اللّٰهَ یَلْقَ الْمَزِیْدَ وَمَنْ یَّكْفُرِ اللّٰهَ یَلْقَى الْغِیَرْ

پس جو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے زیادہ حاصل کرتا ہے۔ اور جو اللہ کی ناشکری ہے وہ حوادث سے

دوچار ہوتا ہے۔

آنحضور نے فرمایا اگر کسی شاعر نے اچھے شعر کہے ہیں تو تیرے شعر بہت اچھے ہیں۔

اِس سلسلہ میں احادیث اور صحابہ کے اقوال بے شمار ہیں۔ اگر وہ تلاش کئے جائیں تو ہزاروں مل جائیں گے۔ اِس بارے میں اللہ تعالےٰ کا یہ کلام بہت واضح ہے " اگر وہ لوگ جس وقت اُنھوں نے اپنا بُرا کیا تھا آتے تیرے پاس پھر اللہ سے بخشواتے اور رسول بھی اُن کو بخشواتا تو اللہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان" (النسار۔ ۶۴)

جیسا کہ حضور کی ذات سے توسّل جائز ہے، اُن بزرگوں کے ذریعہ بھی توسّل مستحسن اور جائز ہے جن کو آنحضور سے خاص نسبت ہے۔ جب قحط پڑتا تو حضرتِ عمر حضرت عبّاس کا توسّل اختیار کرتے تھے اور کہتے تھے۔ اے اللہ جب ہم قحط میں مبتلا ہوتے تھے تو تیرے نبی کو وسیلہ بناتے تھے، تو ہمیں سیراب کردیتا تھا اب ہم نبی کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں، ہمیں سیراب کردے تو وہ سیراب ہوجاتے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ عام الرّمادہ میں حضرتِ عمر نے ایسا کیا تھا۔ اِسی لئے عباس ابن عتبہ نے کہا ہے۔

بِعَمِّی سَقَی اللّٰہُ الْحِجَازَ وَاَھْلَہٗ عَشِیَّتَہٗ یَسْتَسْقِیْ بِشَیْبَتِہٖ عُمَرُ

میرے چچا کے طفیل اللہ نے حجاز اور اہلِ حجاز کو سیراب کیا۔ اس شام کو جبکہ عمران کے بڑھاپے کے طفیل سیرابی کی درخواست کررہے تھے۔

بغداد میں حمزہ ابن القاسم الہاشمی نے استسقار کی دُعا کی تو اُس میں کہا کہ اے اللہ میں اُسی کی اولاد ہوں جس کے بڑھاپے کا واسطہ دے کر عمُر ابن الخطاب نے دعا کی تھی۔ وہ برابر اِسی طرح سے دعا کرتے رہے حتّٰی کہ بارش ہونے لگی۔ مروی ہے کہ جب حضرتِ عمر نے حضرتِ عبّاس کے واسطہ سے بارش کی دعا کی اور حضرتِ عمر دعا کرکے فارغ ہوئے تو حضرتِ عباس نے کہا۔ اے اللہ آسمان سے بلار گناہ کی وجہ سے نازل ہوتی ہے اور وہ توبہ سے ٹلتی ہے۔ میرے واسطہ سے قوم تیری طرف متوجّہ ہے۔ چونکہ میرا تیرے نبی سے رشتہ ہے اب ہم گناہوں کے بارے میں تیرے سامنے ہاتھ پھیلا رہے ہیں اور ہماری پیشانیاں توبہ کے لئے تیرے سامنے ہیں۔ حضرتِ عبّاس یہ دعا کرہی رہے تھے کہ آسمان میں پہاڑ جیسے بادل گرجنے لگے۔ اِسی طرح کا توسّل

دوسرے نیک لوگوں کے ذریعہ کرنا بھی درست ہے۔ اور یہ ایسی بات ہے جس کا کوئی مسلمان ہی نہیں بلکہ دیگر کسی مذہب کے ماننے والے بھی انکار نہیں کرسکتے۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ حضرتِ عمُر نے آنحضور کو اور آنحضور کی قبر کو چھوڑ کر حضرتِ عبّاس کا توسّل کیوں اختیار کیا تو اِس کو سمجھ لیجئے کہ اُن کے اِس فعل سے آنحضور اور آنحضور کی قبر کے توسّل سے انکار لازم نہیں آتا۔

ابوالجوزار نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ میں سخت قحط پڑا۔ لوگوں نے حضرتِ عائشہ کی خدمت میں پہنچ کر قحط کی شکایت کی تو اُنھوں نے فرمایا کہ آنحضور کی قبر کی چھت میں موکھلا کھول دو تاکہ قبر اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے۔ چنانچہ ایسا کیا گیا تو بارش شروع ہو گئی اور اِس قدر بارش ہوئی کہ عُشب گھاس بکثرت پیدا ہوئی اور اونٹ اِس قدر موٹے ہوگئے کہ چربی سے اُن کے بدن پھٹنے لگے۔ اِسی لئے اس سال کو پھٹن کا سال کہا جانے لگا۔ حضرتِ عمُر کے حضرتِ عبّاس کا توسّل اختیار کرنے کی دو وجہیں ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ اُن سے بھی دُعا کرانی تھی جیسا کہ اُنھوں نے کی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بارش کی دعا کرنے والوں میں اور اُس بارش سے نفع اُٹھانے والوں میں حضرتِ عبّاس بھی تھے اور وہ خود بھی بارش کے محتاج تھے۔ آنحضور تو اِس وقت اِن باتوں سے بے نیاز تھے تو حضرتِ عبّاس میں آنحضور سے رشتہ داری اور حاجت اور بڑھاپا سب صفتیں جمع تھیں۔ اور خدا بوڑھے مسلمان سے حیا فرماتا ہے خصوصاً آنحضور کے بوڑھے رشتہ دار سے اور مضطر کی دُعا ضرور قبول کرتا ہے اِس لئے حضرت عمُر نے حضرتِ عبّاس کا توسّل اختیار کیا تھا۔

اگر مخالف یہ کہے کہ ہم اُن دلائل کی بنیاد پر جو ذکر کئے گئے ہیں توسّل اور شفاعت طلب کرنے کو منع نہیں کرتے البتہ دعا میں بِجَاہِ النَّبِی کہنے کو اور استغاثہ کرنے کو منع کرتے ہیں اِس لئے کہ ان دونوں میں یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ جس شخصیت کی وجاہت کا واسطہ دیا جارہا ہے اور جس کے ذریعہ استغاثہ کیا جارہا ہے وہ اللہ تعالےٰ سے بڑی شخصیت ہے، ہم کہتے ہیں کہ اِس قسم کا ادنیٰ تصوّر بھی کسی مسلمان کے ذہن میں نہیں آسکتا۔ بجاہ النبیؐ میں آنحضور کے عالی مرتبہ ہونے کا اعتراف ہے۔ اور ایک عالی رُتبہ اپنے سے بڑے عالی رُتبہ سے سفارش کرسکتا ہے۔ لہٰذا اِس میں آنحضور کی اللہ تعالیٰ پر بڑائی کا کوئی تصوّر نہیں ہے۔ غرضیکہ توسّل، تشفّع،

تجوّہ، استغاثہ، استعانت آنحضور یا کسی دوسرے نبی یا کسی نیک شخص سے کرنے کے یہی معنیٰ ہیں جو ہم نے بتائے کہ استغاثہ میں جس سے مدد طلب کی ہے وہ خدا ہی ہے نبی کو صرف واسطہ قرار دیا گیا ہے اب اگر یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تو وہ اپنی عقل پر ماتم کرے۔

شفاعت کی دوسری حالت یہ ہے کہ قیامت کے میدان میں آنحضور سے شفاعت کی درخواست ہو۔ یہ شفاعت وہ ہے جس پر امّت کا اجماع ہے۔ اِسی کتاب میں ہم اِس کی مزید تشریح کریں گے۔

تیسری حالت یہ ہے کہ شفاعت کی درخواست آنحضور سے آپ کی برزخی زندگی میں کی جائے۔ یہ بھی دلائل سے ثابت ہے۔ بیہقی کی "دلائل النبوّۃ" میں مالک الدار سے مروی ہے کہ حضرتِ عمرؓ کے دَورِ خلافت میں ایک شخص حضور کی قبر کے پاس حاضر ہوا اور کہا اے رسول اللہ اپنی امت کے لئے خدا سے بارش کی دعا کر دیجئے آپ کی امت برباد ہو رہی ہے۔

یہ دعا کرنے کے بعد جب وہ سویا تو آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اُس سے خواب میں فرمایا عمرؓ کے پاس جاؤ اور اُن سے ہمارا اسلام کہو اور کہدو کہ بارش ہوگی اور اُن سے کہنا سمجھداری سمجھداری وہ شخص حضرتِ عمر کے پاس گیا اور اُن کو سارا واقعہ سُنایا تو حضرتِ عمرؓ رونے لگے اور کہنے لگے۔ میں تو بقدرِ طاقت کوئی کوتاہی نہیں کرتا ہوں۔ اِس روایت سے یہی بتانا تھا کہ آنحضور کی وفات کے بعد برزخی زندگی میں بھی آپ سے بارش کی دعا کے لئے درخواست کی جاسکتی ہے۔ اِس حالت میں آنحضور کا دعا کرنا کوئی مستبعد چیز نہیں ہے جبکہ یہ ثابت ہے کہ آنحضور کو اِس حالت میں سائل کے سوال کا علم ہوتا ہے اور بسا اوقات آپ جواب بھی دیتے ہیں۔

توسّل کی تیسری قسم یہ ہے کہ اپنا مقصد آنحضور سے طلب کرے بایں معنیٰ کہ آنحضور خدا سے دعا کرکے اور طلب کر کے اُس کے مقصد کو پورا فرمادیں۔ اِسی سلسلہ کی یہ روایت ہے کہ ایک صحابی نے حضور سے عرض کیا کہ جنت میں مجھے اپنے ساتھ رکھیے گا تو آنحضور نے فرمایا بکثرت سجدے کرکے اِس معاملہ میں میری مدد کر۔ اِس بارے میں صحابہ کے بہت سے اقوال ہیں۔ اِس سوال میں بھی مقصد یہ نہیں ہوتا تھا کہ مقصد حضور پورا کردیں گے بلکہ مقصد یہ ہوتا تھا کہ آنحضور مقصد کے لئے شفاعت فرمادیں گے اور اللہ تعالےٰ مقصد پورا فرمادیں گے۔

بیہقی کی "دلائل النبوّۃ" میں مذکور ہے کہ عثمان بن ابی العاص نے کہا کہ میں نے آنحضور سے قرآن کے معاملہ میں اپنی قوّتِ حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی۔ آنحضور نے فرمایا۔ یہ اُس شیطان کا اثر ہے جس کو خنزب کہا جاتا ہے۔ اے عثمان میرے قریب آجا۔ میں قریب ہوا تو آنحضور نے اپنا دستِ مبارک میرے سینہ پر رکھ دیا جس کی ٹھنڈک میں نے کمر تک محسوس کی۔ پھر فرمایا اے شیطان عثمان کے سینہ سے نکل جا۔ عثمان کہتے ہیں۔ اِس کے بعد میرا حافظہ اِس قدر قوی ہوا کہ جو سنتا تھا یاد ہو جاتا تھا۔ دیکھو آنحضور کا شیطان کو نکل جانے کا حکم دینا خدا کی اجازت سے تھا اور حقیقتاً اِس فعل کا خالق تو اللہ ہی تھا۔ ہمارا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ شیطان کے نکالنے میں حضور مستقل بالذّات تھے اور قدرتِ الٰہی کا اِس میں کوئی دخل نہ تھا۔ کسی مسلمان کا بھی یہ عقیدہ نہیں ہوسکتا۔ اب یہ آنحضور سے صورتاً طلب ہے ورنہ در اصل آنحضور کی حیثیت سفارشی کی ہے۔ اب اِس کو خواہ توسّل کہو یا تشفّع یا استعانت یا تجوّہ یا توجّہ سب کے یہی معنیٰ ہیں۔

تشفّع کے بارے میں گذری ہوئی احادیث میں وفدِ بنی فزارہ کا قول آنحضور کے لئے مذکور ہے۔ اُنھوں نے کہا تھا "تَشَفَّعْ لَنَا اِلٰی رَبِّكَ" یعنی اپنے رب سے ہماری سفارش کردیجئے اور نابینا والی حدیث میں بھی ایسے الفاظ ہیں جو تشفّع کے معنیٰ میں ہیں۔ تجوّہ اور توجّہ کے ایک ہی معنیٰ ہیں۔ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے وَکَانَ عِنْدَ اللّٰہِ وَجِیْهًا۔ یعنی اور تھا وہ اللہ کے یہاں آبرو رکھتا (احزاب - ۶۹) اور حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے۔ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ مرتبہ والا دنیا اور آخرت میں۔ (آل عمران - ۴۵) مفسّرین نے وجیہاً کے معنیٰ صاحبِ جاہ و مرتبہ کے کئے ہیں۔ جوھری نے کہا ہے۔ وجیهًا اے ذُوْجَاہٍ وَقَدْرٍ وَالْجَاہُ۔ اَلْقَدْرُ وَالْمَنْزِلَۃُ۔ ابن فارس نے کہا ہے۔ فُلَانٌ وَجِیْهٌ اے ذوجاہ جب تم یہ بات سمجھ گئے تو تجوّہ کے معنیٰ ہوئے تَوَجَّہَ بِجَاهِهٖ وہ اُس کا وہ رتبہ اور قدر ہے جو اللہ کے نزدیک ہے۔

استغاثہ کے معنیٰ ہیں غوث طلب کرنا۔ اب کبھی غوث خالق سے طلب کی جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ قرآن میں ہے۔ جس وقت فریاد کرتے تھے تم پروردگار اپنے سے۔ (انفال - ۸) اور کبھی غوث کاسبب سے طلب کی جاتی ہے نبی سے استغاثہ اِن ہی معنیٰ کے اعتبار سے ہے استغاثہ کبھی متعدی بنفسہٖ ہوتا ہے اور کبھی بار کے ساتھ اُس کا تعدیہ کردیا جاتا ہے تو اِسْتَغَثْتُ النَّبِیَّ اور

اِسۡتَغَثۡتُ بِالنَّبِیِّ کے ایک ہی معنیٰ ہیں یعنی ہم نے آنحضور سے مدد طلب کی کہ وہ ہمارے لئے دُعاء فرمادیں تو غوث کی نسبت اللہ کی طرف خَلق کے اعتبار سے ہے اور آنحضور کی طرف کَسۡب کے اعتبار سے ہے تو استغاثہ بالنبیؐ یا توسل بالنبیؐ بالکل درست اور جائز ہے۔ لغۃً بھی اور شرعاً بھی جیسا کہ حضرتِ ہاجرہ نے فرمایا تھا۔ اَغِثۡ اِنۡ کَانَ عِنۡدَکَ غَوَاثٌ۔ اگر تیرے پاس مدد ہے تو مدد کر۔ طبرانی کی "معجم کبیر" میں ایک روایت ہے جو بظاہر استغاثہ بغیر اللہ کو منع کرتی ہے۔ حضرتِ ابوبکر نے فرمایا۔ چلو رسول اللہ سے اِس منافق کے بارے میں ہم استغاثہ کریں۔ چنانچہ وہ آنحضور کی خدمت میں پہنچے اور کہا کہ ہم آپ سے اُس منافق کے بارے میں استغاثہ کرتے ہیں تو حضور نے ارشاد فرمایا۔ استغاثہ مجھ سے نہیں ہوتا ہے استغاثہ اللہ سے ہوتا ہے۔ اِس روایت کے راوی ابن لہیعہ ہیں اور اُن پر کافی اعتراضات ہوئے ہیں۔ پھر بھی اگر اِس حدیث کو صحیح مان لیا جائے تو چند معنیٰ پر محمول کی جائے گی۔ ایک تو یہ کہ معاملہ دراصل یہ تھا کہ آنحضور نے بحکمِ خداوندی منافقین پر مسلمانوں کے احکام جاری کر رکھے تھے اور حضرتِ ابوبکر کسی خاص منافق کو قتل کرانا چاہتے تھے تو ظاہر ہے کسی منافق کے بارے میں حکمِ خداوندی کے خلاف حضور عمل نہیں کر سکتے تھے تو حضور کے فرمانے کا مطلب یہ تھا کہ اِس معاملے کا تعلق تو صرف اللہ تعالےٰ سے ہے، میں اِس میں کچھ نہ کر سکوں گا۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ آنحضور منشائے خداوندی کے خلاف دعا بھی نہیں کر سکتے تھے اور کسی شرعی حکم میں بغیر وحی الٰہی کے تبدیلی نہیں کر سکتے تھے تو لَایُسۡتَغَاثُ بِیۡ (مجھ سے استغاثہ نہیں ہوتا) اگرچہ عام تھا لیکن مراد یہ خاص معاملہ تھا۔

دوسری بات یہ سمجھ لینی چاہیئے کہ حقیقتاً مستغاث بہ اللہ تعالےٰ ہے اور غیر اللہ مستغاث بہ مجازاً ہے تو حضور کا یہ فرمانا۔ لَایُسۡتَغَاثُ بِیۡ اِنَّمَا یُسۡتَغَاثُ بِاللّٰہِ (مجھ سے استغاثہ نہیں ہوتا، استغاثہ اللہ سے ہوتا ہے) ایسا ہی جیسا کہ حضور نے ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو اونٹ دیئے اور پھر فرمایا کہ میں نے تمہیں اُونٹ نہیں دیئے اللہ تعالےٰ نے دیئے ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ مجھ سے استغاثہ کرنا دراصل اللہ تعالےٰ سے استغاثہ کرنا ہے کیونکہ حقیقتاً مستغاث بہ وہی ہے۔ بہرحال استغاثہ اُس سے بھی کیا جا سکتا ہے جس سے غوث حاصل ہو سکے بایں معنیٰ کہ وہ خالق اور موجدِ غوث ہے جیسے کہ اللہ تعالےٰ اور اُس شخص سے بھی کہا جا سکتا ہے جو غوث کا سبب بن سکے۔ بخاری شریف

میں قیامت کے دن کی شفاعت والی حدیث میں مذکور ہے۔ اِسۡتَغَاثُوۡا بِاٰدَمَ ثُمَّ بِمُوۡسٰی ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ یعنی لوگوں نے استغاثہ حضرتِ آدم سے پھر حضرتِ موسیٰ سے پھر آنحضور سے کیا۔

نواں باب

انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی زندگی کے بارے میں

احادیث میں یہ مذکور ہے کہ آنحضور کی رُوحِ مبارک آنحضور کی طرف واپس کردی جاتی ہے اور آنحضور سلام کو سُنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں تو ہم نے مناسب سمجھا کہ دیگر انبیاء وصالحین اور دیگر اموات کی زندگی کا بھی ذکر کردیں۔ ہم نے یہ ذکر چند فصلوں میں مرتب کر دیا ہے۔

پہلی فصل

اُن روایتوں کے بارے میں جو انبیاء علیہم السّلام کی زندگی کے بارے میں ہیں

حافظ ابوبکر البیہقی نے اِس سلسلہ میں ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے اور اُس میں اِس موضوع پر حدیثیں جمع کی ہیں اُن میں سے ایک حدیث یہ ہے "انبیاء زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں" ابن عدی نے "کامل" میں حضرتِ انس سے نقل کیا ہے کہ آنحضور نے ارشاد فرمایا کہ "انبیاء علیہم السّلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں" بیہقی نے فرمایا کہ حضرتِ انس سے ایک روایت ہے کہ آنحضور نے فرمایا "انبیاء چالیس رات کے بعد قبروں میں نہیں چھوڑے جاتے ہیں ہاں وہ اللہ تعالےٰ کے سامنے نماز پڑھتے رہتے ہیں جب تک کہ نفخ صور ہو گا" بیہقی نے فرمایا۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء پر چالیس دن ایسے گذرتے ہیں کہ وہ نماز نہیں پڑھتے پھر مسلسل خدا کے سامنے نماز پڑھتے رہتے ہیں۔ بیہقی نے فرمایا۔ احادیثِ صحیحہ اِس پر دال ہیں کہ موت کے بعد بھی انبیاء کو زندگی حاصل رہتی ہے۔

بیہقی نے چند سندوں سے یہ حدیث نقل کی "میں موسیٰ کے پاس سے گزرا وہ کھڑے ہوئے اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے" اور یہ حدیث نقل کی "میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی جماعت

میں دیکھا موسیٰ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ ایک شخص تھے چھریرے بدن کے گھنگرالو بالوں والے گویا کہ اَزدِ شنوئہ قبیلہ کے ایک شخص تھے۔ عیسیٰ کو کھڑے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا وہ عُروہ ابنِ مسعود ثقفی سے مشابہ تھے۔ اور حضرتِ ابراہیم کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور وہ تمہارے صاحب سے مشابہ تھے۔ آنحضور کی مراد اپنی ذات تھی۔ پھر نماز کا وقت آیا تو میں نے سب کی امامت کی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو کسی نے کہا۔ اے محمدؐ! یہ مالک ہیں جو دوزخ کے داروغہ ہیں اِن کو سلام کرو۔ میں اُن کی طرف متوجّہ ہوا تو خود انھوں نے مجھے سلام کیا۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

حضرتِ سعید بن المسیّب کی روایت میں ہے کہ "حضور کی انبیاء سے بیت المقدس میں ملاقات ہوئی"، اور حضرتِ ابوذر غفاری سے روایت ہے کہ "حضور انبیاء سے آسمانوں میں ملے اور باہمی گفتگو ہوئی"۔ یہ سب روایتیں صحیح ہیں اِن میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ابتداءً حضرتِ موسیٰ کو اُن کی قبر میں دیکھا۔ پھر اُن کو بھی بیت المقدس میں لے جایا گیا جیسا کہ آنحضور کو لے جایا گیا۔ پھر حضور کی طرح اُن کی بھی آسمانوں کی جانب معراج ہوئی۔ لہٰذا مختلف احادیث میں مختلف جگہوں میں ملاقات ہوئی۔ اِن روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء زندہ ہیں۔ یہ روایت بھی اِسی پر دلالت کرتی ہے۔ اوس ابن اوس نے فرمایا۔ آنحضور کا ارشاد ہے کہ "تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے۔ اِسی دن حضرتِ آدم کی پیدائش ہوئی، اِسی دن آن کی وفات ہوئی۔ اِسی دن نفخہ ہوگا۔ اِسی دن صَعْقَہ ہوگا۔ اِس دن میں مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو۔ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے کہا۔ حضور ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا۔ آپ کی ہڈیاں تو بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔ حضور نے فرمایا۔ نہیں اللہ تعالےٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے"۔ امام بیہقی نے فرمایا۔ اِس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں۔ ان میں سے ابومسعود انصاری کی یہ روایت ہے کہ حضور نے فرمایا۔ جمعہ کے روز مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو۔ جمعہ کے دن جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے اُس کا درود مجھے پہنچایا جاتا ہے"۔

حضرتِ ابوامامہ کی روایت ہے کہ آنحضور نے فرمایا "ہر جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو اِس لئے کہ میری امت کے درود مجھ پر ہر جمعہ کو پیش کئے جاتے ہیں تو جس کے

جس قدر زیادہ درود ہوں گے اُسی قدر وہ رُتبہ میں مجھ سے زیادہ قریب ہوگا"۔ حضرتِ انس ابن مالک کی روایت ہے۔ آنحضور نے ارشاد فرمایا "قیامت کے دن ہر جگہ مجھ سے قریب تر وہ ہوگا جو دنیا میں میرے اوپر کثرت سے درود بھیجے گا جو جمعہ کے دن اور جمعہ کی شب میں میرے اوپر درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اُس کی آخرت کی ستّر اور دنیا کی تیس حاجتیں پوری کر دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرّر کر دیتے ہیں اور اُس کو میری قبر میں داخل کر دیتے ہیں وہ مجھے درود بھیجنے والے کا نام ونسب اور قبیلہ بتا دیتا ہے۔ پھر میں اُس کو سفید صحیفہ میں لکھ لیتا ہوں"۔ بیہقی نے یہ حدیث بھی ذکر کی ہے "تم جہاں بھی ہو وہاں سے تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے"۔ اور یہ حدیث ذکر کی "جو مسلمان مجھے سلام کرتا ہے اللہ تعالیٰ میری روح واپس کر دیتا ہے تاکہ میں اُس کا جواب دوں"۔ امام بیہقی نے فرمایا۔ اس کے معنیٰ یہ معلوم ہوتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے آنحضور کی روح لَوٹا دی ہے تاکہ وہ سلام کا جواب دے سکیں۔ پھر بیہقی نے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ "خدا کے کچھ فرشتے گشت لگاتے ہیں وہ میری اُمت کا سلام مجھ تک پہنچا دیتے ہیں"۔

حضرتِ ابن عبّاس کا قول ہے "آنحضور کا جو امتی آپ پر درود بھیجتا ہے وہ حضور تک پہنچ جاتا ہے اور آپ سے فرشتہ کہتا ہے۔ فلاں نے آپ پر اتنی بار درود بھیجا ہے"...
بیہقی نے اِس حدیث کو بھی ذکر کیا ہے "جو شخص میری قبر کے پاس آکر درود بھیجے گا وہ میں سُنونگا"۔ پھر امام بیہقی نے فرمایا۔ انبیاء کی زندگی پر جو احادیث دلالت کرتی ہیں اُن میں یہ حدیث بھی ہے جس میں مذکور ہے "جب مجھے صعقہ سے ہوش آیا تو میں نے دیکھا موسیٰ عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں اب میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ بیہوش ہوئے تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے تھے یا اُن کو اس بیہوشی سے اللہ تعالےٰ نے مستثنیٰ کر دیا تھا"۔

امامِ بیہقی نے فرمایا۔ صَعْقہ پر بیہوشی اِس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انبیاء کی روحیں اُن کی طرف لَوٹا دی ہیں اور وہ اپنے خدا کے پاس شہداء کی طرح زندہ ہیں۔ جب پہلی بار صور پھُونکا جائے گا تو دوسروں کے ساتھ وہ بھی بے ہوش ہو جائیں گے لیکن اُن کی یہ مَوت بھی ہر حیثیت سے مَوت نہ ہوگی بلکہ محض شعور کا فقدان ہوگا۔ اگر موسیٰ علیہ السّلام اِس بیہوشی سے مستثنیٰ رہیں گے تو اُن کا شعور اور احساس بھی باقی رہے گا اور اُن کی مطور پر بے ہوشی اِس

بیہوشی کے بدلے حساب میں جُڑ جائیگی۔ شہداء بھی اس بے ہوشی سے مستثنیٰ رہیں گے۔

امام بیہقی نے فرمایا حضرتِ انس ابن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "معراج کی شب میں میرا حضرت موسیٰ کے پاس سے گذر ہوا وہ سُرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے"

حضرتِ ابو ہریرہ راوی ہیں کہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی جماعت میں دیکھا۔ موسیٰ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر آنحضور نے حضرتِ ابراہیم اور حضرتِ عیسیٰ کا اور اُن کے احوال کا ذکر کیا۔ فرمایا پھر نماز کا وقت آگیا تو میں نے سب کی امامت کی۔ بعض احادیث میں حضرتِ موسیٰ کو قبر میں دیکھنے کا ذکر ہے بعض میں بیت المقدس میں اور بعض میں چھٹے آسمان پر، اِن میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ مختلف اوقات میں مختلف جگہ ملاقات ہوئی ہے۔

حدیثِ اسراء میں مذکور ہے کہ آنحضرت کی حضرتِ آدم سے دنیا کے آسمان پر ملاقات ہوئی آنحضور نے فرمایا وہ اِس حالت میں تھے کہ اُن کے دائیں جانب کچھ اشخاص تھے اور بائیں جانب کچھ اشخاص تھے۔ جب وہ داہنی طرف دیکھتے تھے تو ہنستے تھے اور جب بائیں جانب دیکھتے تھے تو روتے تھے۔ انھوں نے آنحضور سے کہا خوش آمدید نیک نبی نیک بیٹے۔ حضرتِ ابراہیم سے آنحضور کی ملاقات ساتویں آسمان پر ہوئی۔ وہ بیتِ معمور سے کمر لگائے بیٹھے تھے۔ اور آنحضور نے فرمایا جس رات کو مجھے معراج ہوئی۔ میرا حضرتِ موسیٰ کے پاس سے گذر ہوا۔ اُن کا لمبا قد تھا۔ گھنگرالو بال تھے۔ گویا کہ وہ قبیلہ اَزدِ شنوءہ کے فرد تھے۔ حضرتِ عیسیٰ کو دیکھا۔ درمیانہ قد تھا رنگ سفید سُرخی مائل تھا۔ سَر کے بال سیدھے تھے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے وہ ہلکے جسم کے تھے۔ سَر کے بالوں میں کنگھی کئے ہوئے تھے۔ گویا کہ وہ اَزدِ شنوءہ قبیلہ کے شخص تھے۔ اور آنحضور نے فرمایا۔ میری حضرتِ عیسیٰ سے ملاقات ہوئی۔ وہ درمیانہ قد سُرخ رنگ کے تھے گویا غسلخانہ سے نکل کر آرہے تھے۔ اور حضرتِ ابراہیم کو دیکھا اور میں اُن کی اولاد میں اُن سے زیادہ مشابہ ہوں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے "ایک شب مجھے کعبہ کے پاس دکھایا گیا تو میں نے ایک گندمی رنگ کے ایسے حسین شخص کو دیکھا جو گندمی رنگ والے انسانوں میں سب سے زیادہ حسین تھا

اور اُس کے سر پر حسین ترین زلفیں تھیں جن میں کنگھی کی ہوئی تھی۔ اُن میں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے وہ دو آدمیوں پر ٹیک لگائے ہوئے تھا یا راوی نے کہا تھا کہ وہ دو آدمیوں کے کندھے پر ٹیک لگائے ہوئے تھا اور بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے تو بتایا گیا کہ یہ مسیح ابن مریم ہیں"۔ ایک حدیث میں ہے "میں حطیم میں تھا اور قریش مجھ سے میری اِسراء کے احوال دریافت کر رہے تھے۔ اُنھوں نے بیت المقدس کے بارے میں ایسی چیزوں کے متعلق سوال کیا جو میں نہ دیکھ سکا تھا تو میں اِس قدر پریشان ہوا کہ اِس سے پہلے اِس قدر کبھی پریشان نہ ہوا تھا۔ آنحضور نے فرمایا۔ حضرتِ حق تعالیٰ نے بیت المقدس کو اُٹھا کر میرے سامنے کر دیا۔ اب وہ جو سوال کرتے تھے میں دیکھ کر اِن کو جواب دے دیتا تھا۔ پھر میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی جماعت میں دیکھا۔ حضرتِ موسیٰ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ ہلکے بدن کے تھے۔ گھنگرالو بال والے تھے گویا کہ اَزدِ شنوءہ قبیلہ کے تھے۔ حضرتِ عیسیٰ کو دیکھا وہ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ عُروہ ابن مسعود اُن سے مشابہ تر ہیں۔ میں نے دیکھا حضرتِ ابراہیم کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں اُن سے مشابہ تر ہوں۔ پھر نماز کا وقت آگیا تو میں نے سب کی امامت کی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو کسی نے کہا۔ یہ داروغۂ جہنّم مالک ہیں اِن کو سلام کیجئے۔ میں متوجّہ ہوا تو انھوں نے مجھے پہلے سلام کر لیا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور وادیٔ ازرق سے گذر رہے تھے تو فرمایا "میں گویا حضرتِ موسیٰ کو دیکھ رہا ہوں گھاٹی سے نیچے اُتر رہے ہیں اور لبیّک کہہ رہے ہیں"۔ پھر آنحضور ہرشٰی گھاٹی پر پہنچے تو فرمایا "گویا کہ میں یونس ابن متّیٰ کو سُرخ اونٹنی پر دیکھ رہا ہوں وہ اُون کا جُبّہ پہنے ہوئے ہیں۔ اُن کی اونٹنی کی مہار کھجور کے پٹّھے کی ہے اور وہ تلبیہ پڑھ رہے ہیں"۔ اور ایک دوسری حدیث میں مذکور ہے "گویا کہ میں موسیٰ کو دیکھ رہا ہوں وہ دونوں کانوں میں انگلیاں دیئے ہوئے ہیں"۔ اور یہ سب حدیثیں بخاری میں موجود ہیں۔

حضرتِ موسیٰ اور حضرتِ عیسیٰ اور دیگر انبیاء کے بہت سی حدیثوں میں جسمانی صفات بیان کئے گئے ہیں اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور آنحضور کا اُن سب کی امامت کرنے کا ذکر ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ دیکھنا خواب میں دیکھنا تھا اور لفظ "اَرَانِی"، اِسی کی طرف اشارہ ہے۔ تو جواب یہ دیا جائے گا کہ آنحضور یہ معراج اور اسراء کے واقعات کا ذکر کر رہے ہیں اور اِس معراج

واسراء کے بارے میں جمہور سلف کا قول یہ ہے کہ وہ بیداری کی حالت میں ہوئی تھی نیند کی حالت میں نہ تھی اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ سب خواب کی باتیں ہیں تو بھی انبیاء کا خواب صحیح ہوتا ہے غلط نہیں ہوسکتا۔ اور "اَرَانِیْ" کا لفظ خواب کی حالت پر دلالت نہیں کرتا ہے۔ جیسا کہ "رَأَیْتُنِیْ فِی الْحِجْرِ" بتا رہا ہے اور دیگر باتوں سے عیاں ہے کہ یہ واقعات خواب میں نہیں بلکہ بیداری کی حالت میں آنحضور نے دیکھے تھے۔

قرآنِ پاک میں ہے "سو مت رہ دھوکے میں اُس کے ملنے سے" (سورۂ سجدہ - ۲۳) صحیح مسلم میں ہے کہ حضرتِ قتادہ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس کی ضمیر حضرتِ موسیٰ کی طرف لوٹتی ہے اس سے بھی ثابت ہوا کہ آنحضور کی اور حضرتِ موسیٰ کی ملاقات ہوئی تھی۔ قرآن پاک میں ہے۔ اور پوچھ دیکھ جو رسول بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے" (سورہ زخرف - ۴۵)

قاضی عیاض نے فرمایا ہے کہ آنحضور نے رسولوں سے معراج میں پوچھا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ جبکہ مر چکے ہیں تو حج کیسے کرتے ہیں اور تلبیہ کیسے پڑھتے ہیں۔ پھر وہ دارِ آخرت میں ہیں۔ دارِ آخرت دارِ عمل نہیں ہے وہاں حج اور تلبیہ کیسا؟ تو یاد رکھو انبیاء، شہداء کی طرح ہیں، بلکہ اُن سے بھی افضل ہیں اور جب شہداء اپنے رب کے پاس زندہ ہیں تو انبیاء بھی زندہ ہیں اُن کے حج کرنے اور نماز پڑھنے میں کوئی استبعاد نہیں ہے۔ وہ اِن اعمال کے ذریعہ مزید تقرّب الی اللہ حاصل کرتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آخرت میں بھی عمل ہے اور وہ ذکر اور دعا ہے قرآن پاک میں ہے "اور ان کی دعا اس جگہ یہ کہ پاک ذات تیری یا اللہ" (یونس - ۱۰) تیسری وجہ یہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ باتیں حضور کو خواب میں دکھائی گئی ہوں اور آنحضور یہ شبِ معراج کے واقعات نہ بیان کر رہے ہوں یا حضور کو تمثیلاً اُن انبیاء کی دنیوی زندگی دکھائی گئی ہو کہ وہ انھوں نے کس طرح گذاری ہے اور اُن کا حج و تلبیہ کس طرح کا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ باتیں حضور کو بطور وحی کے بتائی گئی ہوں حضور نے آنکھ سے نہ دیکھی ہوں۔

یہ توجیہات قاضی عیاض نے ذکر کی ہیں۔ صحیح جواب دو ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ عالمِ برزخ پر دنیا کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ وہاں بھی عمل کو بڑھایا اور زیادہ اجر حاصل کیا جاسکتا ہے قاضی عیاض کے پہلے جواب کا یہی مطلب ہے۔ دوسرے یہ کہ آخرت میں انسان مکلّف نہیں

رہتا اور یہ ضروری نہیں کہ اعمال مکلّف ہونے کی حیثیت سے ہی کئے جائیں۔ یہی اعمال بطور لذّت کے بدون تکلیف کے کئے جاتے ہیں۔ دیکھو آنحضور شفاعت کی حالت میں سجدہ کرینگے تو یہ بھی عبادت ہی ہے لیکن آنحضور کا یہ فعل کسی حکم کی بجا آوری کے لئے نہ ہوگا بلکہ عجز و انکسار کے اظہار کے لئے اور بطور لذّت کے ہوگا۔

حضرتِ ثابت البنانی تابعی نے یہ دُعا کی تھی۔ اے اللہ اگر تو نے کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی طاقت دی ہو تو مجھے بھی ضرور دیدے۔ چنانچہ خواب میں دیکھا گیا کہ وہ قبر میں نماز پڑھتے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ آنحضور اور دیگر انبیاء کو مرتے وقت اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ چاہیں تو دنیا میں مزید رہیں اور چاہیں تو دارِ آخرت میں آجائیں۔ اگر مرنے کے بعد ان کے نیک اعمال مزید درجات کے اضافہ کا سبب نہ بنتے تو وہ ہرگز مرنا پسند نہ کرتے اور یہی چاہتے کہ دنیا میں زیادہ رہ کر اپنے مراتب مزید بڑھاتے رہیں۔

یہ تھوڑی سی احادیث ہم نے انبیاء کی حیات کی ذکر کی ہیں۔ قرآنِ پاک میں ایسی آیتیں موجود ہیں جو اُن کی زندگی کو بتاتی ہیں۔ قرآنِ پاک میں ہے "اور مت گمان کر اُن لوگوں کو کہ مارے گئے بیچ راہ اللہ کے مُردے .... بلکہ زندہ ہیں نزدیک اپنے رب کے رزق دیئے جاتے ہیں" (آلِ عمران - ۱۶۹) اِس آیت سے معلوم ہوا کہ شہداء زندہ ہیں۔ جبکہ شہداء کو یہ فضیلت حاصل ہے تو انبیاء کو چند وجوہ سے بدرجۂ اولیٰ حاصل ہوگی۔ ایک یہ ہے کہ شہداء کو یہ مرتبہ ان کے اعزاز کے لئے دیا گیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ انبیاء کا مرتبہ تو شہداء سے بڑھا ہوا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ اعزاز شہداء کو حاصل ہو اور انبیاء کو نہ حاصل ہو خصوصاً جبکہ یہ اعزاز حضرتِ حق سے زیادہ قُرب اور اُنس کا ذریعہ ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ رُتبہ شہداء کو اسی لئے حاصل ہوا کہ اُنھوں نے اپنی جانیں اللہ کے لئے قربان کی ہیں اور آنحضور کی ذاتِ گرامی ہی ہے کہ جس نے جہاد کی یہ عبادت جاری کی اور لوگوں کو اُس کی دعوت دی۔ اور اُس راہ کی بحکمِ خداوندی رہنمائی کی اور خود آنحضور نے ارشاد فرمایا۔ جس نے کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا اُس کا اُس کو اجر ملے گا اور جو لوگ قیامت تک اُس طریقہ پر چلیں گے اُن کو اجر ملے گا۔ اور اِس اچھا طریقہ ایجاد کرنے والے کو بھی ان لوگوں کے اجر کی برابر اجر ملتا رہے گا اور اُن لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہ آئے گی۔ اسی طریقہ سے جس کسی نے کوئی بُرا طریقہ

ایجاد کیا اُس کو اُس کا گناہ ملے گا اور قیامت تک اُس پر چلنے والوں کے ساتھ اُس کو بھی گناہ ملتا رہے گا اور اُن کے گناہوں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ اِن قواعد کی رو سے جو اجر ہر شہید کو ملے گا وہ اجر آنحضور کو بھی ملے گا اور شہید کو بطور اجر کے زندگی ملی ہے لہٰذا وہ زندگی بھی آنحضور کو حاصل ہوگی۔ غرض کہ ہر مسلم کے حسنات اور اعمالِ صالحہ جس طرح اُس کے اعمالنامہ میں درج ہوں گے آنحضور کے صحائف میں بھی لکھے جاتے رہیں گے۔ اور آنحضور کو اُمّت کے اشخاص کی شمار سے اِتنا گُنا زیادہ ثواب اور اجر ملے گا کہ عقل اُس کی شمار سے عاجز ہے بس خدا تعالےٰ ہی اُس کو شمار کر سکتا ہے۔

تیسری وجہ یہ کہ آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم خود بھی شہدار میں داخل ہیں۔ آنحضور کو خیبر میں قاتل زہر بھُنی ہوئی بکری کے گوشت میں کھِلایا گیا۔ حضرتِ بشر ابن البرار نے بھی وہ گوشت کھایا وہ فوراً شہید ہوگئے اور آنحضور بطور معجزہ کے زندہ رہے جس کا اثر حضور وفات کے وقت تک محسوس فرماتے رہے۔ اور جس مرض میں وفات ہوئی اس میں حضور نے فرمایا۔ اب وہ وقت آگیا کہ خیبر والے زہر سے میری اَبْہَری رگ کٹ رہی ہے۔ علمار نے کہا ہے۔ اِس زہر خورانی کی وجہ سے آنحضور کی ذات میں نبوّت اور شہادت جمع ہوگئی ہیں۔ جو زندگی شہدار کے لئے ثابت ہے وہ صرف اُنھیں کے لئے نہیں ہے جو کسی معرکہ میں شہید ہوئے ہوں بلکہ وہ ہر قسم کے شہیدوں کے لئے ہے جیسے کہ طاعون اور ہیضہ میں مرنے والے، ڈوب کر مرنے والے شہدار۔ لفظ شہید فعیل کا ہموزن ہے۔ یہ شاہد کے یا مشہود کے معنیٰ میں ہے۔ شہید کو شہید کیوں کہا گیا ہے اِس کی وجہ نضر ابن شمیل نے یہ بتائی ہے کہ شہید چونکہ زندہ ہے اور زندہ شاہد و مشہود بن سکتا ہے اِس لئے شہید کو شہید کہا گیا ہے تو اِس قول کی بنار پر جس کو شہید کہا گیا ہے وہ زندہ ہے بعض لوگوں نے کہا کہ اگر وہ شاہد کے معنیٰ میں ہے تو اِس لئے شہید کو شہید کہا گیا ہے کہ وہ پہلی امتوں پر گواہ بنے گا اور وہ اللہ کی مہربانی اور لطف کا شاہد ہے اور اگر وہ مشہود کے معنیٰ میں ہے تو شہید کو شہید اِس لئے کہا گیا ہے کہ اُس کی موت کے وقت ملائکہ رحمت حاضر ہوتے ہیں اور اُس کی روح کو منازلِ قدس میں لے جاتے ہیں اور یہ تمام باتیں آنحضور کی ذاتِ گرامی میں جمع ہیں۔

اب یہ ضروری ہے کہ ہم اِس زندگی کی تفسیر کریں جو ہم آنحضور کے لئے ثابت کر رہے

ہیں اور اُس زندگی کی بھی جو شہدار یا دیگر مُردوں کو حاصل ہے۔ آنحضور کی زندگی کی خصوصیت تو یہ ہے کہ آنحضور کا مال وفات کے بعد بھی آپ کی ملکیّت میں تھا۔ امام الحرمین نے کہا کہ جو چیزیں آنحضور کی زندگی میں آنحضور کی ملکیّت میں تھیں وہ اِسی طرح وفات کے بعد بھی آپ کی ملکیّت میں تھیں، حضرتِ ابوبکر اُن کو اسی طرح خرچ کرتے تھے جس طرح آنحضور اپنی زندگی میں خرچ کیا کرتے تھے اور اُن کا یہی خیال تھا کہ چونکہ آنحضور کے لئے زندگی ثابت ہے لہٰذا اُن کی ملکیّت بھی باقی ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ آنحضور کی زندگی دنیوی احکام کے اعتبار سے بھی باقی ہے اور یہ زندگی شہدار کی زندگی سے بڑھ کر ہے۔

اب غور طلب یہ ہے کہ قرآنِ پاک تو کہتا ہے "تحقیق تو بھی مرنے والا ہے اور تحقیق وہ بھی مرنے والے ہیں" (سورہ زمر۔ ۳۰) نیز آنحضور نے خود فرمایا "میں مرنے والا ہوں" صدّیق اکبر نے آنحضور کی وفات کے بعد فرمایا تھا "محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو تو موت آگئی ہے" تو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ آنحضور کی یہ موت، دائمی موت نہ تھی کچھ دیر کے لئے تھی پھر آپ زندہ کر دیئے گئے تھے ملکیّت ختم ہونے کا تعلق دائمی موت سے ہے۔ آنحضور کی اخروی زندگی شہدار کی زندگی سے اعلیٰ اور اکمل ہے اور وہ روح کے لئے بِلا کسی اشکال کے ثابت ہے اور جسم کے لئے بھی ثابت ہے اِس لئے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انبیار کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے ہیں اور روح کا جسم میں واپس آنا تو سب مُردوں کے لئے ثابت ہے چہ جائیکہ شہدار اور انبیار۔

قابلِ غور یہ امر ہے کہ آیا وہ روح مستقل طور پر جسم میں آجاتی ہے اور جسم اُسی طرح زندہ ہو جاتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا یا وہ جسم بغیر روح کے زندہ رہتا ہے اور روح مشیّتِ ایزدی کے ماتحت کسی اور جگہ رہتی ہے۔ روح کے ساتھ زندگی کا تعلّق ایک عادی امر ہے عقلی نہیں ہے عقل ممکن سمجھتی ہے کہ جسم بغیر رُوح کے زندہ رہے۔ ایک جماعت اِس کی قائل ہے کہ روح کی زندگی کے ساتھ جسم کو بھی جداگانہ زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے اِس لئے کہ نماز کے ارکان کا تعلّق جسم کے اعضار سے ہے۔

شبِ معراج کے بیان میں انبیار کی جو حالتیں بیان کی گئی ہیں وہ بھی جسمانی صفات ہیں لیکن آخرت میں جسم کی وہ صفات اور ضروریات نہ ہوں گی جو دنیا میں تھیں۔ وہاں نہ بھوک

ہوگی نہ پیاس، لیکن ادراکات جیسا کہ جاننا اور سننا ہے حاصل ہوں گے۔

دوسری فصل
شہدار کی زندگی کے بیان میں

تمام علمار کا اس پر اتّفاق ہے کہ شہدار زندہ ہیں جیسا کہ قرآن نے کہا ہے۔ لیکن اِس میں اختلاف ہے کہ اُن کی زندگی حقیقی ہے یا مجازی اور حقیقی ہے تو اب حاصل ہے یا قیامت میں حاصل ہوگی، اگر اب حاصل ہے تو وہ روح کو حاصل ہے یا جسم کو۔ یہی چار قول ہیں۔ اِن میں سب سے کمزور قول یہ ہے کہ وہ قیامت میں زندہ ہونگے اب زندہ نہیں ہیں۔ یہ قول کئی وجہ سے باطل ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ شہدار کی زندگی کے بارے میں قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ مومنین اُس کو نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ شہدار کی قیامت کی زندگی کو تو سب سمجھتے ہیں دنیا کی زندگی ہی انوکھی بات ہے جو سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ شہدار کے بارے میں قرآن میں کہا گیا ہے "اور خوش وقت ہوتے ہیں اُن کی طرف سے جو ابھی نہیں پہنچے اُن میں پیچھے سے" (آل عمران ۱۷۰) تو شہدار کی زندوں کو بشارت دینا اِس کی دلیل ہے کہ وہ اب زندہ ہیں ورنہ قیامت میں تو کوئی دنیا میں زندہ نہ ہوگا وہ کس کو بشارت دیں گے۔

حضرتِ ابن عباس فرماتے ہیں آنحضور نے ارشاد فرمایا "جب تمہارے بھائی غزوۂ احد میں شہید ہوئے تو اللہ تعالےٰ نے اُن کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں کر دیں وہ جنّت کی نہروں سے پانی پیتی ہیں اور جنّت کے پھل کھاتی ہیں اور عرش کے سایہ میں جو قندیل لٹکے ہوئے ہیں اُن میں وہ رہتی ہیں۔ جب اُنھوں نے اپنے کھانے پینے اور خواب گاہوں کی عمدگی دیکھی تو کہا کوئی ہمارے بھائیوں کو بتادے کہ ہم جنّت میں زندہ ہیں، ہمیں رزق دیا جاتا ہے تاکہ وہ لوگ جہاد سے بے رغبتی نہ برتیں اور جنگ میں مُنہ نہ موڑیں۔ اِس پر حضرتِ حق نے فرمایا میں تمہارا پیغام اُن کو پہنچا دوں گا"۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی " اور تو نہ سمجھ جو لوگ مارے گئے اللہ کی راہ میں مُردے ہیں بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی پاتے ہیں" (آلِ عمران ۔ ۱۶۹) یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔ صحیح مسلم میں حضرتِ مسروق کی روایت ہے کہ ہم نے حضرتِ ابن مسعود

سے اِس آیت اور تو نہ سمجھ الخ کے بارے میں دریافت کیا تو اُنھوں نے فرمایا۔ ہم نے آنحضور سے یہی سوال کیا تو آنحضور نے فرمایا "اُن کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں اور وہ اُن قندیلوں میں ہیں جو عرش میں آویزاں ہیں۔ ایک بار حضرتِ حق نے اُن کو ملاحظہ فرمایا تو فرمایا۔ تمہاری اور کوئی تمنا ہے۔ اُنھوں نے جواب دیا۔ ہم اور کیا تمنّا کریں۔ جنّت میں جہاں کہیں چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں۔ حضرتِ حق نے تین بار اُن سے یہی کہا کچھ اور تمنّا ہے؟ انھوں نے مجبور ہو کر عرض کیا۔ اے خدا ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں لوٹا دی جائیں تاکہ ہم تیرے راستہ میں پھر جہاد کریں اور پھر شہید ہوں۔ حضرتِ حق تعالےٰ نے محسوس فرمایا کہ اب اِن کی کوئی حاجت باقی نہیں ہے تو پھر اُن سے کوئی تعرّض نہ کیا"۔

اِن احادیث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اِن کو قیامت سے پہلے سے زندگی حاصل ہے حضرتِ جابر ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ میری آنحضور سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا۔ جابر تم رنجیدہ معلوم ہوتے ہو۔ میں نے عرض کیا۔ بیشک یا رسول اللہ میرے والد غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے ہیں اور بہت سے بال بچّے اور قرض چھوڑ گئے ہیں تو حضور نے فرمایا۔ میں تمہیں بتادوں کہ حضرتِ حق نے تمہارے والد کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے۔ میں نے عرض کیا ضرور بتا دیجئے۔ فرمایا حضرتِ حق تعالےٰ نے جب کسی سے بات کی ہے پردے کے پیچھے سے کی ہے لیکن تمہارے والد کو زندہ کیا اور بغیر پردے کے بات کی اور فرمایا اے میرے بندے کچھ تمنّا کر میں تیری تمنّا پوری کروں گا۔ انھوں نے عرض کیا مجھے دوبارہ زندہ کر دے تاکہ میں تیرے راستہ میں جہاد کروں حضرتِ حق نے فرمایا۔ یہ تو ممکن نہیں ہے۔ ہمارا فیصلہ ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں کوئی نہ لوٹے گا۔ اور اِسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور تو نہ سمجھ الخ (آلِ عمران ۱۶۹) یہ روایت ترمذی نے نقل کی ہے۔

اِن روایتوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ شہدار فی الحال زندہ ہیں۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ شہدار کو زندگی حاصل ہے لیکن وہ حقیقی زندگی نہیں ہے بلکہ مجازی ہے۔ یعنی اُن کو زندہ اِس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے اعتبار سے جنّت میں نعمتوں کے مستحق ہیں یا اِس اعتبار سے کہ اُن کے دل میں تمنائیں باقی ہیں لیکن یہ بات بالکل غلط ہے اِس لئے کہ حقیقی معنیٰ چھوڑ کر

بِلا کسی دلیل کے مجازی معنیٰ مراد لینا درست نہیں ہے تو اب لامحالہ شہداء کی زندگی اپنے حقیقی معنیٰ میں ہے۔ یہی جمہور علماء کا قول ہے لیکن یہ حقیقی زندگی روح کو حاصل ہے یا روح اور جسم دونوں کو' بعض علماء کے نزدیک یہ زندگی صرف روح کو حاصل ہے جیسا کہ ابنِ عباس اور ابنِ مسعود کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں یا پپوٹوں میں ہیں، جسم کی حیات تو جب ہوتی جب رُوحیں جسموں میں ہوتیں۔

بعض علماء اِس کے قائل ہیں کہ زندگی روح اور جسم دونوں کو حاصل ہے اور وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور یہ بات صرف شہیدوں کو ہی حاصل نہیں ہے بلکہ سب مُردے اپنی قبور میں روح اور جسم کے ساتھ زندہ ہیں۔ اور عذاب و ثواب کا تعلّق روح اور جسم دونوں سے ہے۔ قرطبی نے ذکر کیا ہے۔ شہداء کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے۔

حضرتِ جابر نے بیان کیا ہے کہ اُن کے باپ اور عمرؓو ابن الجموح دونوں جنگِ اُحد میں شہید ہوئے اور دونوں کو ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ ایک زمانہ میں بارش کے بہاؤ نے اُن کی قبر کو کھول دیا۔ دیکھا گیا کہ دونوں اصلی حالت میں ہیں اور اُن کے جسموں میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا۔ اِن میں سے ایک زخمی ہوئے تھے اور مرتے وقت اُن کا ہاتھ زخم پر تھا۔ قبر کھلنے پر دیکھا گیا کہ اُن کا ہاتھ اسی طرح اس زخم پر رکھا ہوا ہے۔ لوگوں نے اُن کے ہاتھ کو اس جگہ سے ہٹایا لیکن وہ پھر اسی زخم پر آگیا اور یہ غزوۂ احد سے چھیالیس سال بعد کا —— قصہ ہے۔ غزوۂ اُحد سے پچاس سال بعد کی بات ہے کہ امیرِ معاویہ نے مدینہ میں ایک نہر کی کُھدائی کرائی اور اُحدؓ کے شہداء کو کھدائی کی جگہ سے منتقل کیا' حضرتِ حمزہ کی نعش کے پائوں میں کدال لگ گئی تو اُس سے خون جاری ہوگیا اور عبداللہ ابن حرام کی نعش کو دیکھا گیا تو معلوم ہوتا تھا کہ کل گذشتہ دفن ہوئے ہیں۔ تمام اہلِ مدینہ نے بیان کیا ہے کہ ولید کے دَور میں قبرالنبیؐ کی ایک دیوار گرگئی تو حضرتِ عمر کا قدم نظر آگیا جو بالکل صحیح حالت میں تھا۔ حضرتِ عمر کا بھی شہداء میں شمار ہے۔

اِس سلسلہ میں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ انبیاء کے جسم کو زمین نہیں کھاتی ہے اور نہ شہداء کے اجسام کو۔ یہ یاد رکھئے کہ یہاں شہداء سے مراد وہ شخص ہے

جس نے قتال محض کلمۃ اللہ کی سر بلندی کے لئے کیا ہو۔ اب اگر اُس کے قتال کا مقصد یہ نہ تھا تو وہ حقیقتاً شہید نہیں ہے۔ اِسی لئے بعض ایسے اشخاص جو جہاد میں مرے ہیں اُن کے جسم کو زمین کھا جاتی ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ جسم کا بقاء زندگی کی دلیل نہیں ہے اور یہاں بحث شہداء کی زندگی سے تھی۔ شہداء کے بارے میں یہ روایت صحیح ہے کہ وہ کہیں گے ہماری رُوح ہمارے جسموں میں لَوٹا دی جائے تاکہ ہم پھر جہاد کرکے شہادت حاصل کریں۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی اِس روح کے علاوہ دوسری روح کے ذریعہ زندہ ہیں اور اُن کی یہ زندگی دنیاوی زندگی کی طرح نہیں ہے۔ شہداء کی ارواح کے بارے میں یہ روایت بھی ہے کہ وہ پرندوں کے پیٹوں میں ہیں جہاں چاہتی ہیں جنّت میں سیر کرتی ہیں پھر اُن قندیلوں میں آجاتی ہیں جو عرش میں آویزاں ہیں۔ اِسی لئے بعض علماء نے کہا ہے کہ شہداء کی روحیں پرندوں کے پیٹوں میں ہیں اور عام مومنوں کی روحیں قبور میں ہیں۔ قرطبی نے اپنی یہی رائے "تذکرہ" میں ذکر کی ہے۔ بعض موالک نے اِس حدیث کو یہ کہہ کر غیر معتبر قرار دیا ہے کہ اِس صورت میں تو وہ ایک درجہ میں قیدی ہوگئیں لیکن یہ اعتراض غلط ہے۔ حدیث بہر حال صحیح ہے۔ اِس اعتراض سے بچنے کے لئے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ روحیں پیٹوں کے اندر نہیں ہیں بلکہ پیٹوں کے اوپر ہیں۔ اور حدیث میں لفظ "فی" لفظ "علیٰ" کے معنیٰ میں ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ روحیں پرندوں کے پیٹوں میں نہیں بلکہ پرندوں کی شکل میں ہوں گی اِس لئے کہ بعض احادیث میں یہ آیا ہے کہ مومن کی روح ایک پرند ہوگی جو جنّت کے درختوں سے غذا حاصل کرے گی۔

بعض علماء نے کہا کہ تمام شہیدوں کی روحیں ایک شکل سے نہ ہوں گی بلکہ بعض پرندوں کے پیٹوں میں ہونگی۔ بعض پرندوں کی شکل میں ہوں گی جو جنّت کے درختوں سے غذا حاصل کریں گی۔ بعض سبز پرندوں کے پپوٹوں میں ہوں گی۔ بعض سفید پرندوں کے پپوٹوں میں ہونگی۔ بعض جنت کی صورتوں میں سے کسی صورت میں ہونگی۔ بعض اُن صورتوں میں ہوں گی۔ جو اُن کے اعمال سے متصوّر ہوں گی۔ بعض وہ ہوں گی جو اپنے جسموں کے پاس آتی جاتی رہینگی۔ بعض وہ ہوں گی جو مُردوں کی روحوں سے ملاقات کریں گی۔ بعض وہ ہوں گی جو حضرتِ آدم کی کفالت میں ہوں گی۔ بعض حضرتِ ابراہیم کی کفالت میں ہوں گی۔ امامِ قرطبی نے کہا ہے کہ یہ

قول سب سے اچھا ہے کہ اِس قول کے اعتبار سے تمام احادیث اپنے اپنے محل میں صحیح ہو جاتی ہیں اور آپس میں کوئی تضاد باقی نہیں رہتا۔

تیسری فصل

تمام مُردوں کے سُننے، بات کرنے، محسوس کرنے، زندہ ہونے اور رُوح کے جسم میں واپس آنے کے بیان میں

سُننے اور بات کرنے کے بارے میں صحیح بخاری میں روایت ہے۔ حضرتِ انس آنحضور سے نقل کرتے ہیں کہ "جب مُردہ قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اُس کے ساتھی اُس سے جُدا ہو کر اتنی ہی دُور جاتے ہیں کہ مُردہ اُن کے جوتوں کی کھٹ پٹ سُنتا ہے تو دو فرشتے اُس مُردے کے پاس پہنچتے ہیں وہ اُس کو بٹھاتے ہیں اور اُس سے کہتے ہیں کہ تو اِس شخص محمدؐ کے بارے میں کیا کہتا ہے وہ مُردہ کہتا ہے میں گواہی دیتا ہوں یہ خدا کے بندے اور رسول ہیں تو وہ فرشتے اُس سے کہتے ہیں جہنّم میں جو تیرا ٹھکانا تھا اُس کو دیکھ، اللہ نے تجھے اُس کے بدلے جنّت میں ٹھکانا دیدیا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ وہ دونوں ٹھکانوں کو دیکھتا ہے لیکن کافر یا منافق اِس سوال کے جواب میں کہتا ہے مجھے کچھ معلوم نہیں لوگ جو کہتے تھے میں بھی کہہ دیا کرتا تھا تو وہ فرشتے اُس سے کہتے ہیں تو نے نہ سمجھا نہ پڑھا۔ پھر ایک ہتھوڑا اُس کے کانوں کے بیچ میں مارتے ہیں اور وہ اُس سے چیختا ہے جس کو اُس کے آس پاس کی چیزیں سوائے جنّ وانس کے سب سنتی ہیں" اور ترمذی میں یہ بھی ہے کہ فرشتے مومن سے کہتے ہیں تو اب سو جا جیسا کہ دلہن سوتی ہے اور اُس کو اُس کا محبوب ترین شخص بیدار کرتا ہے۔

حضرتِ ابو سعید الخدری کی روایت ہے کہ رسُول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا "جب جنازہ تیار ہو جاتا ہے اور لوگ اُس کو کاندھوں پر اُٹھاتے ہیں اگر وہ نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے مجھے جلد آگے لے چلو اور اگر وہ بد ہوتا ہے تو کہتا ہے۔ ہائے ہائے مجھے کہاں لے جاتے ہو اُس کی آواز انسانوں کے علاوہ سب سُنتے ہیں۔ اگر انسان سُن لیں تو بے ہوش ہو جائیں"

اِن احادیث سے صراحتہً معلوم ہوا کہ مردہ کلام کرتا ہے۔ اور سننے کے بارے میں تو وہ حدیث

بہت قوی دلیل ہے جس میں آنحضور نے بدر کے مقتولین کو جو کنویں میں پڑے ہوئے تھے پکار کر کہا تھا اور صحابہ سے فرمایا تھا "تم میری آواز اُن سے زیادہ نہیں سُن رہے ہو" مُردوں کے احساس کے بارے میں وہ احادیث دلالت کرتی ہیں جو عذابِ قبر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اُن میں سے واضح ترین وہ حدیث ہے جس کو حضرتِ ابو بکر نے روایت کیا ہے کہ "میں آنحضور کے ساتھ جا رہا تھا۔ ایک طرف میں اور دوسری طرف ایک اور صاحب تھے۔ آنحضور درمیان میں تھے۔ آنحضور دو قبروں کے پاس پہنچے اور فرمایا "ان دونوں قبروں میں مدفون اِس وقت عذاب میں مبتلا ہیں کوئی شخص ہے جو کھجور کی ایک شاخ توڑ کر لائے۔ ہم دونوں دوڑے لیکن میں ساتھی سے پہلے شاخ توڑ کر لے آیا۔ آنحضور نے اُس کو اوپر سے چیر کر دو ٹکڑے کئے۔ ایک ٹکڑا ایک قبر پر اور دوسرا ٹکڑا دوسری قبر پر گاڑ دیا اور فرمایا۔ جب تک اِن شاخوں میں تری رہے گی اللہ تعالےٰ اِن پر عذاب کی کمی کر دے گا۔ اور فرمایا اِن میں سے ایک غیبت کی وجہ سے اور دوسرا پیشاب سے احتیاط نہ برتنے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہے"

اِس روایت سے ثابت ہوا کہ قبر ہی سے عذاب شروع ہو جاتا ہے اور مُردہ اُس کو محسوس کرتا ہے۔ براء ابن عازب سے روایت ہے کہ جب قبر میں مسلمان سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کے اِس قول کا مطلب یہی ہے "مضبوط پکڑتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں" (سورۂ ابراہیم۔ ۲۷)

براء ابن عازب سے ایک روایت یہ بھی ہے جو مُردوں کے حکم کے بارے میں جامع ہے۔ اور اِس میں صراحت ہے کہ روح جسم میں لوٹ کر آجاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک انصاری کے جنازے میں حضور کے ساتھ چلے۔ حضور جب قبر کے پاس پہنچے تو بیٹھ گئے اور ہم بھی خاموشی کے ساتھ آپ کے چاروں طرف بیٹھ گئے۔ حضور کبھی آسمان کی جانب دیکھتے کبھی زمین کی جانب۔ پھر فرمایا "میں عذابِ قبر کے معاملہ میں خدا سے پناہ چاہتا ہوں" یہ جملہ چند بار فرمایا۔ پھر فرمایا "مومن بندہ جب دنیا کے آخری وقت اور آخرت کے ابتدائی وقت میں ہوتا ہے تو ایک فرشتہ اُس کے سرہانے آکر بیٹھتا ہے اور کہتا ہے۔ اے مطمئن جان اللہ کی مغفرت اور خوشنودی کی طرف نکل

تو اُس کی روح ایک قطرہ کی مانند نکلتی ہے اور کچھ روشن رُو فرشتے جنت کا کفن، حنوط خوشبو لے کر آجاتے ہیں۔ جب وہ فرشتہ اِس روح کو جسم سے نکال لیتا ہے تو وہ فرشتے اُس سے اِس رُوح کو لے لیتے ہیں۔ قرآن کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے "یہاں تک کہ جب پہنچے تم میں سے کسی کو موت اس کو پھر لیویں ہمارے بھیجے لوگ اور وہ قصور نہیں کرتے"۔ (الانعام-۶۱)

اب اُس کی روح بہترین خوشبو کی مانند اُس کے جسم سے خارج ہوتی ہے تو اُس کو فرشتے لے کر آسمان کی جانب چڑھتے ہیں اور جب وہ زمین و آسمان کے درمیان کسی گروہ کے پاس سے گذرتے ہیں تو وہ گروہ پوچھتا ہے۔ یہ کس کی روح ہے تو فرشتے اُس کا بہترین نام لے کر اُن کو بتا دیتے ہیں۔ جب وہ فرشتے دنیا کے آسمان پر پہنچتے ہیں تو وہ اُن کے لئے کھول دیا جاتا ہے پھر ہر آسمان کے مقرب فرشتے اُس کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں حتّٰی کہ وہ ساتویں آسمان پر پہنچ جاتے ہیں تو اُن کو حکم ملتا ہے کہ اُس کا نام علّیّین میں لکھ دو۔ قرآنِ پاک میں ہے۔ "اور تجھ کو کیا خبر کیا ہے بندی خانہ ایک دفتر ہے لکھا ہوا"۔ (المطفّفین ۸-۹) اُس کا نام علّیین میں لکھ دیا جاتا ہے۔ پھر کہا جاتا ہے اب اُس کو دنیا کی طرف لَوٹا دو اِس لئے کہ میں کہہ چکا ہوں۔ اِسی زمین سے ہم نے تمہیں بنایا اور اِسی میں تمہیں پھر ڈالتے ہیں اور اِسی سے تمہیں نکالیں گے دوسری بار۔ (طٰہٰ-۵۵) تو وہ روح دنیا کی طرف لَوٹا دی جاتی ہے اور وہ اُس کے جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ پھر دو فرشتے سخت مزاج اُس کے پاس آتے ہیں جو اُس کو بٹھلاتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں۔ تیرا رب کون ہے، تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہہ دیتا ہے۔ میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے۔ پھر وہ فرشتے کہتے ہیں کہ تُو کیا کہتا ہے اُس شخص کے بارے میں جو تم میں بھیجا گیا تھا۔ وہ کہتا ہے۔ وہ اللہ کا رسول ہے پھر وہ فرشتے کہتے ہیں۔ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا رسول ہے تو وہ کہتا ہے کہ وہ خدا کی جانب سے واضح نشانیاں لے کر آیا تھا تو میں اُس پر ایمان لایا تھا اور اُس کی تصدیق کی تھی۔ اللہ تعالےٰ کے قول "ثابت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں ساتھ بات مُحکم کے بیچ زندگانی دنیا کے اور بیچ آخرت کے"۔ (سورۂ ابراہیم-۲۷) میں اِسی طرف اشارہ ہے۔ پھر اللہ کی جانب سے اعلان ہوتا ہے۔ میرا یہ بندہ سچّا ہے اِس کو جنّت کا لباس پہنا دو اِس کے لئے جنّت کا فرش بچھا دو اور جنت میں جو اِس کی جگہ ہے وہ اِس کو دکھا دو۔ چنانچہ ایسا کر دیا جاتا ہے اور اُس

کی قبر میں حدِ بصر کشادگی کر دی جاتی ہے۔

پھر اُس کے لئے اُس کے اعمال ایسے حسین ترین شخص کی صورت میں اُس کے پاس لائے جاتے ہیں جس کا بہترین لباس ہوتا ہے اور اُس میں سے خوشبو مہکتی ہوتی ہے۔ وہ آ کر کہتا ہے جو نعمتیں خدا نے تیرے لیے تیار کی ہیں اُن کی بشارت حاصل کر، اللہ کی رضامندی کی بشارت حاصل کر، اُس جنّت کی بشارت حاصل کر جس کی نعمتیں دائمی ہیں۔ وہ مُردہ اُس سے کہتا ہے۔ تجھے اللہ خیر کی بشارت دے تو کون ہے۔ وہ کہتا ہے۔ یہ وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ اور وہ معاملہ ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ میں تیرا نیک عمل ہوں۔ خدا کی قسم میں جانتا تھا تو اللہ کی اطاعت میں بڑا تیز رَو تھا اور گناہ کرنے میں بہت سُست تھا۔ تجھے اللہ نے جزائے خیر عنایت کی ہے۔ تب وہ مردہ کہتا ہے۔ اے اللہ جلد قیامت قائم کر دے تاکہ میں اپنے اہل و عیال کے پاس لَوٹ سکوں۔ اور اگر وہ بدکار ہے تو آخری وقت میں فرشتہ آ کر اُس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے۔

اے خبیث رُوح نکل اور اللہ کے غضب اور ناراضی کی بشارت سُن۔ پھر کچھ فرشتے آجاتے ہیں جن کے چہرے کالے ہوتے ہیں اور اُن کے ہاتھوں میں ٹاٹ کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ جب وہ فرشتہ اُس کی رُوح نکال لیتا ہے، یہ فرشتے فوراً اُس سے لے لیتے ہیں۔ جب وہ اُس کی روح کو لے کر چلتے ہیں تو آسمان و زمین میں سے جہاں کہیں سے گذرتے ہیں مجمع اُن سے پُوچھتا ہے۔ یہ خبیث روح کس کی ہے تو وہ اُس کا بدترین نام لے کر بتاتے ہیں۔ پھر جب وہ دنیا کی آسمان کے پاس پہنچتے ہیں تو اُس کا دروازہ نہیں کُھلتا اور حکم ہوتا ہے۔ اِس کو دنیا میں واپس لے جاؤ ہمارا وعدہ ہے "اِسی زمین سے ہم نے تمہیں بنایا اور اِسی میں پھر ڈالتے ہیں اور اِسی سے تمہیں نکالیں گے دوسری بار" (سورہ طٰہٰ-۵۵) تو فرشتے اُس کی روح زمین پر پھینک دیتے ہیں۔ قرآن کی اِس آیت میں اِسی طرف اشارہ ہے "اور جس نے شریک بنایا اللہ کا سو جیسے گر پڑا آسمان سے پس اُچک لے جاتے ہیں اُس کو اُڑتے جانور یا لیجا ڈالا اُس کو باؤ نے کسی دُور مکان میں"۔ (حج-۳۱)

اب اُس کی روح اُس کے جسم میں داخل ہو جاتی ہے تو فوراً دو فرشتے سخت مزاج آتے

ہیں اور اُس سے دریافت کرتے ہیں۔ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے مجھے معلوم نہیں۔ پھر وہ کہتے ہیں۔ اِس شخص کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا۔ تو وہ آنحضور کا نام لینے پر قادر نہیں ہوتا۔ پھر کہتا ہے لوگ یہ نام لیا کرتے تھے۔ اِس کے بعد اُس کی قبر اِس قدر تنگ کر دی جاتی ہے کہ اُس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھُس جاتی ہیں۔ پھر اُس کے اعمال ایک بدرُو شخص کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں جس کے کپڑے میلے، بدن بدبودار ہوتا ہے۔ وہ اُس سے کہتا ہے۔ خدا کے عذاب اور غصّہ کی بشارت حاصل کر لے۔ وہ مُردہ اُس سے کہتا ہے تو کون ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے۔ میں تیرے اعمال ہوں۔ خدا کی قسم میں جانتا تھا تو اللہ کی فرمانبرداری میں نہایت سُست اور گناہ کرنے میں بڑا چُست تھا ایک دوسری سند میں اِس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اُس پر ایک فرشتہ مقرّر کر دیا جاتا ہے جو بہرا، گونگا ہوتا ہے اور اُس کے ہاتھ میں ایسا ہتھوڑا ہوتا ہے کہ اگر وہ پہاڑ پر مارا جائے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ وہ اُس سے اُس مُردے پر ایسی ضرب لگاتا ہے جس کو جن و انس کے علاوہ سب سنتے ہیں۔ پھر اُس میں روح دوبارہ لَوٹا دی جاتی ہے اور وہ پھر اُس کو اُسی ہتھوڑے سے مارتا ہے۔

اِس حدیث سے مُردے کا سننا، کلام کرنا، بیٹھنا وغیرہ ثابت ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روح جسم میں لَوٹ آتی ہے۔ حضرتِ ابو ہریرہ کی ایک روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ "مردے کو جب لوگ دفن کر کے واپس ہوتے ہیں وہ اتنی ہی دُور جاتے ہیں کہ مُردہ اُن کے جوتوں کی کھسکھساہٹ سنتا ہے تو اُس مُردے کو بٹھایا جاتا ہے اور اُس کا کفن اُس کی گردن میں ڈال دیا جاتا ہے پھر اُس سے سوالات ہوتے ہیں۔"

اہلِ سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ مُردہ قبر میں زندہ کیا جاتا ہے۔ امام الحرمین نے کہا ہے کہ امّت کے سلف اِس بات پر متّفق ہیں کہ قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ مُردہ قبر میں زندہ کیا جاتا ہے اور رُوح جسم میں واپس لَوٹ آتی ہے۔ قرآن کی آیت "زندگی دے چکا تو دوبارہ" (مومن - ۱۱) کے معنیٰ یہی ہیں۔ ایک تو قبر میں زندگی سوالات کے لئے دی جاتی ہے۔ اور ایک حشر میں زندگی ہوگی۔ یہی دو زندگیاں ہیں جس میں وہ خدا کو پہچانتا ہے ورنہ دنیا کی

زندگی میں تو وہ کافر تھا اُس نے خدا کو نہ پہچانا تھا۔

قرطبی نے کہا ہے کہ اِن سب باتوں پر ایمان لانا اہلِ سنّت کا مذہب ہے۔ وہ صحابہ جن کی لغت اور زبان کے مطابق قرآن نازل ہوا ہے وہ سب اِن باتوں پر ایمان رکھتے تھے۔ بعض معتزلہ کا قول ہے کہ جو مر گیا وہ قبر میں قیامت تک مردہ ہے۔ بعض معتزلہ نے عذابِ قبر کا اقرار کیا اور کہا کہ قیامت کے نفختین کے درمیان عذاب ہوگا۔ لیکن یہ اقوال صحیح احادیث کے مخالف ہیں۔ بعض مُلحدوں نے عذابِ قبر کا انکار کیا اور یہ دلیل بیان کی کہ پھانسی دیئے ہوئے شخص میں اِن باتوں کا اثر نہیں دیکھا جاتا یا جس شخص کو شیر نے پھاڑ دیا ہو اور اُس کے بدن کے اجزار جدا جدا ہو گئے ہوں اُس کے لئے یہ عذاب کیسے متصوّر ہو سکتا ہے۔ علمار نے اِن اعتراضات کے مختلف جواب دیئے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ سوالات بدن کے مخصوص اجزار سے کئے جائیں مثلاً قلب کے اجزار سے اور اللہ اُن میں روح ڈال دے۔ بعض نے کہا کہ سولی پر چڑھے ہوئے انسان میں روح ڈال دی جاتی ہو اور ہمیں احساس نہ ہو۔ جیسا کہ سکتہ کی حالت میں انسان کی کیفیت ہوتی ہے۔ اور جن مردوں کے اجزار متفرق ہو گئے ہوں اللہ اُن کے ہر جز میں رُوح ڈال کر سوال کر سکتا ہے۔

بعض علمار کا خیال ہے کہ جو مُردے قبروں میں ہیں اُن کو تو بٹھایا جاتا ہے اور سوالات کئے جاتے ہیں اور جو زمین میں نہیں ہیں۔ اُن پر جو احوال طاری ہوتے ہیں زندوں کی آنکھوں سے اُن کو محجوب کر دیا جاتا ہے جیسا کہ ملائکہ کا معاملہ ہے۔ انبیار کو وہ نظر آتے ہیں لیکن عام مومنین اُن کو نہیں دیکھ پاتے ہیں۔ جو لوگ قبروں میں مُردوں کی حیات کے مُنکر ہیں وہ اِس آیت سے "تو سُنا نہیں سکتا مُردوں کو" (الرّوم - ۵۲) اور حضرتِ عائشہ کے بدر کے کنوئیں کے مُردوں کے سماع سے انکار سے استدلال کرتے ہیں۔ پہلی بات کا جواب تو یہ ہے کہ ہم بھی اُن کے نہ سننے کے قائل ہیں لیکن جب تک کہ وہ مردہ ہیں۔ البتّہ جب اُن کو اللہ تعالےٰ زندہ کر دیتا ہے پھر وہ سنتے ہیں۔ حضرتِ عائشہ نے اگرچہ اُن کے سماع کا انکار کیا ہے لیکن یہ کہا ہے کہ اب اُنھیں معلوم ہو گیا ہے۔ علم بھی زندہ کی صفت ہے تو معلوم ہوا کہ وہ حیات اور زندگی کی قائل تھیں۔

بہر حال قبر کے یہ تمام معاملات اللہ کی قدرت میں ہیں اور صحیح احادیث سے اِن کا ثبوت

ہے۔ لہٰذا اُن کی تصدیق اور اُن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ قبر کی اِس زندگی کے بعد مُردوں پر موت طاری ہوجائے گی اور قیامت میں پھر زندہ ہوں گے یا یہ زندگی دائمی ہو گی؟ احادیث میں اِن کا قبروں میں زندہ ہو کر پھر مرنا مذکور نہیں ہے البتہ بعض مفسّرین نے اللہ تعالےٰ کے اِس قول "اے رب ہمارے تو موت دے چکا ہم کو دو بار" (المومن۔۱۱) کے یہ معنی کئے ہیں کہ ایک موت تو دنیا کی موت ہے اور دوسری موت وہ ہے جو قبر میں زندگی کے بعد طاری ہو گی۔ لیکن عام علماء جو عذابِ قبر کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ قبر کی زندگی مسلسل رہے گی۔ صحیح احادیث اِسی کی مقتضی ہیں جیساکہ پہلی ایک روایت میں آیا ہے کہ مُردے سے کہہ دیا جائیگا کہ تیرا یہی ٹھکانا ہے۔ جب تک خدا تجھے نہ اُٹھائے گا۔ اور قرآن میں بھی مذکور ہے "آگ ہے کہ دکھا دیتے ہیں اُن کو صبح و شام" (المومن۔۴۶)

صحیح مسلم میں حضرتِ زید ابن ثابت کی روایت ہے کہ حضور بنی النجّار کے ایک باغیچہ میں خچّر پر سوار جا رہے تھے۔ اچانک آپ کا خچّر اتنا بِدکا کہ حضور گرنے کے قریب ہو گئے۔ دیکھا کہ وہاں باغ میں چند قبریں ہیں۔ حضور نے فرمایا کوئی اِن قبروں کے مُردوں کو جانتا ہے ایک صاحب بولے۔ میں جانتا ہوں۔ حضور نے فرمایا یہ کب مرے ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ شِرک کی زندگی میں مرے ہیں۔ حضور نے فرمایا یہ عذاب میں مبتلا ہیں اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ تم ڈر کر دفن کرنا ہی چھوڑ دو گے تو میں خدا سے دُعا کرتا کہ وہ تمہیں عذابِ قبر کی وہ کیفیت سُنا دے جو میں سُن رہا ہوں۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ عذاب مسلسل جاری رہتا ہے۔

حضرتِ انس بیان کرتے ہیں کہ حضور نے ایک قبر سے آواز سُنی تو فرمایا یہ کس کی قبر ہے کسی نے کہا یہ جاہلیت کے دَور کی قبر ہے۔ حضور نے فرمایا کہ یہ ڈر ہے کہ تم دفن کرنا چھوڑ دو گے ورنہ میں خدا سے دُعا کرتا کہ تمہیں عذابِ قبر سُنا دے۔ حضرتِ حق تعالےٰ کا قول ہے "کس نے اُٹھا دیا ہم کو ہماری نیند سے" (یٰسین۔۵۲) یہ بھی زندگی پر دلالت کرتا ہے۔ اِس لئے کہ سونا زندہ کی صفت ہے۔ اِس آیت کی تفسیر میں چند قول ہیں۔ بعض مفسّرین کا قول ہے کہ نفخات کے درمیان عذابِ قبر مرتفع ہو جائے گا۔ یعنی نَفخۂ فزع، نَفخۂ صَعقہ، نَفخۂ نشر کے درمیان عام مشرکین پر عذاب نہ ہوگا بجُز اُس کے جس نے نبی کو قتل کیا ہوگا، یا جس کو نبی نے قتل کیا ہوگا، یا نبی

بالمقابل جنگ میں مارا گیا ہوگا۔ مفسّرین نے کہا ہے کہ عذاب صبح و شام ہوگا اور قیامت سورج چڑھنے پر قائم ہوگی اُس وقت اُن پر عذاب نہ ہو رہا ہوگا اور وہ سوئے ہوئے ہوں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ روح جسم میں واپس آتی ہے اور سوالات کے وقت مُردے کو زندہ کر دیا جاتا ہے اور وہ اُس وقت سے قیامت تک یا راحت میں ہے یا عذاب میں یہ بات مسلسل ہے یا وقفہ وقفہ سے اور یہ معاملہ صرف روح کے ساتھ ہے یا روح اور جسم دونوں کے ساتھ اِن میں سے ہر بات عقلاً جائز ہے لیکن اِس سلسلہ میں شرعی کوئی دلیل ایسی نہیں ہے جس سے کسی خاص پہلو پر صحیح طور سے استدلال کیا جاسکے۔ ہاں حضور نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کا ریڑھ کی ہڈی کے علاوہ سارا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے تو اگر جسم کا کوئی حصّہ بھی باقی رہتا ہے تو زندگی اُس سے متعلّق ہوسکتی ہے۔ اگر وہ بالکلیّہ بوسیدہ ہو جائے تو پھر زندگی کا تعلّق صرف روح سے رہے گا۔ ایک وقت میں وہ بھی فنا ہوگی اُس کو بھی دوبارہ لَوٹایا جائے گا۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مُردے ایسے ہونگے جن سے عذاب قبر کا تعلّق نہ ہو گا جیساکہ شہید یا جو جمعہ کے روز یا جمعہ کی رات میں مَرے، یہ لوگ سوالات سے مستثنیٰ ہوں گے۔ زندگی اور دیگر نعمتیں اِن کو حاصل ہونگی۔

اِس تمام بیان سے یہ معلوم ہو گیا کہ یقیناً تمام مُردے اپنی روحوں اور جسموں کے ساتھ اپنی قبروں میں زندہ رہیں گے اور یقیناً سوال و جواب کے بعد اُن کے لئے عذاب یا ثواب جاری رہے گا۔ یہ عذاب و ثواب فقط رُوح کے لئے ہوگا یا روح اور جسم دونوں کے لئے یہ بات سماع پر موقوف ہے۔ سعید ابن السّکن نے اپنی سُنن میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ حضور نے فرمایا "مُردہ جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور وہ دفن کر کے واپس جانے والوں کے جوتوں کی کھسکھساہٹ سنتا ہے اگر وہ مومن ہوتا ہے تو اُس کی نماز اُس کے سرہانے آتی ہے۔ پھر مزید کچھ باتیں بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ اُس کی قبر میں ستّر گز وسعت پیدا کر دی جاتی ہے اور اُس کے لئے اُس میں روشنی کر دی جاتی ہے اور جس طرح سے جسم کی ابتدا ہوئی تھی اِسی طرح سے جسم کا اعادہ ہو جاتا ہے اور اُس کی روح بہترین روحوں میں شامل کر دی جاتی ہے۔ وہ اُڑتی پھرتی ہے اور جنّت کے درختوں سے چُگّا حاصل کرتی رہتی ہے۔"

مُستدرک میں حاکم نے ذکر کیا ہے کہ حضرتِ عائشہ فرماتی ہیں۔ حجرے میں حضور اور ابو بکر کے ساتھ جب سے عمرُ دفن کر دیئے گئے ہیں تو حضرتِ عمرُ سے شرم کی وجہ سے جب کبھی میں اُس میں داخل ہوتی ہوں تو اپنے کپڑے باندھ جوڑ کر داخل ہوتی ہوں۔

چوتھی فصل

تم نے عام مُردوں اور شہدار کے بارے میں لوگوں کے اقوال سُنے اور تمہیں معلوم ہو گیا کہ روح کا جسم میں واپس آنا اور قیامت تک اُس میں اُس کا رہنا اُس حدیث کے مخالف ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنے جسم میں لوٹے گی۔ اور تم یہ بھی سمجھ گئے کہ نیکوں کی روحوں کو نعمتیں حاصل ہوں گی خواہ وہ شہدار ہوں یا نہ ہوں اور بدبختوں کو عذاب ہوتا رہے گا۔ اب تم یہ کہہ سکتے ہو کہ شہدار اور غیر شہدار میں کیا فرق ہے۔ اِس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو یہ کہ جس آیت میں شہدار کی زندگی کو بتایا گیا ہے اُس میں دوسروں سے زندگی کی نفی نہیں کی گئی ہے اُس میں تو صرف اُن لوگوں کا رَد ہے جو یہ سمجھتے تھے کہ شہدار زندہ نہیں ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ زندگی کی مختلف قسمیں ہیں اُن بدبختوں کو بھی زندگی حاصل ہے جن کو عذاب ہو رہا ہے اور مومنین کو بھی جو نعمتوں سے نوازے جا رہے ہیں لیکن شہدار کی زندگی اعلیٰ و اکمل ہے۔ زندگی کی یہ اعلیٰ قسم اور رزق اُن کو حاصل نہیں ہے جو اُن کے ہم رتبہ نہیں ہیں اور انبیار کی زندگی سب سے اعلیٰ و اکمل ہے اِس لئے کہ یہ دائمی زندگی روح اور جسم دونوں کو اِسی طرح حاصل ہے جس طرح سے دنیا میں حاصل تھی۔ اور اگر یہ نہ بھی ہو تو بہر حال اُن کی زندگی شہدار کے اعتبار سے اکمل و اعلیٰ ہے۔ روح کے لئے اِس اعتبار سے کہ اُس کو دربارِ خداوندی سے زیادہ قرب حاصل ہے۔ اور اُن کے لئے بے شمار نعمتیں ہیں۔ بہ ایں ہمہ وہ دنیا کی طرف متوجہ ہیں اور متصرف ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ موت کے بعد وہی معاملہ ہونا چاہیئے جو زندگی میں اُس کے ساتھ تھا۔ لہٰذا آنحضور کا ادب اِسی طرح واجب ہے جس طرح آنحضور کی زندگی میں واجب تھا۔ حضرتِ ابو بکر سے منقول ہے کہ نبی کے سامنے آواز بلند کرنا نہ نبی کی زندگی میں جائز تھا نہ موت کے بعد۔ حضرتِ عائشہ کے بارے میں مشہور ہے کہ اگر حضور کی قبرِ مبارک کے پاس کوئی کھٹکا کرتا

تھا تو کہلاتی تھیں حضور کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ حضرتِ علی نے اپنے گھر کی چوکھٹ وغیرہ بنوائی تو مناصع میں لے جا کر بنوائی جو آبادی سے باہر جنگل ہے تاکہ قبرِ مبارک کے پاس کھٹکا نہ ہو۔ اِس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات حضور کو زندہ سمجھتے تھے۔ حضرتِ عُروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرتِ عمرُ کے پاس اگر کسی نے حضرتِ علی کو بُرا بھلا کہا تو حضرتِ عمرُ کہہ دیتے تھے۔ خدا تجھے برباد کرے تو نے رسُولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کو قبر میں ستایا ہے۔ جو شخص بھی سلفِ صالحین، صحابہ اور تابعین کی سیرت کا مطالعہ کریگا۔ وہ سمجھ جائے گا کہ وہ لوگ آنحضور کی وفات کے بعد بھی ایسا ہی ادب برتتے تھے جیسا کہ آنحضور کی حیاتِ طیبہ میں۔ اور قبرِ مبارک کے ساتھ بھی اُن کا یہی معاملہ تھا اور کیوں نہ ہوتا جبکہ کعبِ احبار سے روایت ہے کہ ہر صبح کو آسمان سے ستر ہزار فرشتے اُترتے ہیں، قبرِ مبارک کو گھیر لیتے ہیں اور خشوع و خضوع سے اپنے پَر پھڑپھڑاتے ہیں، آنحضور پر درود بھیجتے ہیں۔ جب شام ہوتی ہے تو یہ واپس ہو جاتے ہیں اور دوسرے ستر ہزار فرشتے اُترتے ہیں اور وہ بھی صبح کے فرشتوں کی طرح عمل کرتے ہیں۔ جب حشر ہوگا تو آنحضور ستر ہزار فرشتوں کے جلو میں ہونگے۔ قبرِ مبارک کے پاس صرف اِن ستر ہزار فرشتوں کی موجودگی میں دعا ہو تو کس قدر قبولیت کے قریب ہو گی چہ جائیکہ حضور کی بھی موجودگی ہے۔ صحابہ کرام آنحضور کی تعظیم کی وجہ سے قبر کے پاس بہت پست آواز سے گفتگو کرتے تھے

ایک دن حضرتِ عمرُ مسجد میں تشریف فرما تھے دو نوجوان مسجد میں آئے اور بلند آواز سے آپس میں باتیں کرنے لگے۔ حضرتِ عمرُ نے اُن کو اپنے پاس بُلایا اور دریافت کیا۔ تم کہاں سے آئے ہو اُنھوں نے کہا۔ ہم طائف کے باشندے ہیں طائف سے آئے ہیں۔ حضرتِ عمرُ نے فرمایا۔ اگر تم مدنی ہوتے تو ابھی تمہارے کوڑے لگاتا۔ تم حضور کی مسجد میں اِس قدر بلند آواز سے بولتے ہو یعنی چونکہ تم پردیسی ہو مسجدِ نبوی کے آداب سے پورے واقف نہیں ہو اسلئے تمہیں معاف کرتا ہوں۔ اگر ہم صحابہ کے واقعات جمع کریں اور بتائیں کہ وہ لوگ رسُولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی اور آپ کے آثار کی کس قدر تعظیم کرتے تھے، تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں۔ صرف صحابہ ہی نہیں ملائک تک آنحضور کے ساتھ نہایت ادب سے پیش آتے تھے

ابن ابی شیبہ نے اپنے "مُصنّف" میں حضرتِ ابن عمرُ کی یہ روایت نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں

کہ ہم آنحضور کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص حسین صورت عمدہ لباس میں جس میں سے خوشبو مہک رہی تھی آیا حضور کو سلام کیا حضور نے جواب دیا پھر اُس نے کہا کہ میں جناب سے ذرا قریب ہو جاؤں حضور نے فرمایا۔ ہاں قریب آجاؤ۔ ہم نے آپس میں ذکر کیا کہ اتنا مؤدب شخص ہم نے آج تک نہ دیکھا تھا۔ پھر اُس نے اور قریب ہونے کی درخواست کی۔ پھر اُس نے چند سوال کیے جن کا حضور نے جواب دیا۔ پھر حضور نے فرمایا یہ جبرئیل تھے جو سوال وجواب کے ذریعہ تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ اب غور کیجئے کہ جبرئیل بھی آنحضور کی کس قدر تعظیم کرتے تھے اور کس قدر ادب سے آنحضور کے ساتھ پیش آتے تھے اور یہی حال مَلَکُ الْمَوْت کا تھا۔

غرضیکہ بے شمار واقعات اور احادیث حضور کی تعظیم اور ادب کے بارے میں منقول ہیں اب اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ حضور کی قبر کی زیارت نہ کی جائے اور زیارت کے لئے سفر نہ کیا جائے اور حضور سے استغاثہ نہ کیا جائے وہ یقیناً حضور کی شان میں بے ادبی کرتا ہے۔ خدا ہمیں اِس بے ادبی سے بچائے۔

"احکام القرآن" میں ایک روایت ہے کہ کسی شخص نے یہ کہا تھا کہ اگر حضور کی وفات ہوگی تو میں حضور کی فلاں زوجۂ مطہرہ سے نکاح کروں گا۔ اِس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "اور تم کو نہیں پہنچتا کہ تکلیف دو اللہ کے رسول کو اور نہ یہ کہ نکاح کرو اُس کی عورتوں کو اُس کے پیچھے کبھی" (احزاب ۵۳) غور کیجئے کہ حضرت حق تعالےٰ نے نبی کو اذیت پہنچانے کو کس درجہ میں ممنوع قرار دیا ہے کہ وفات کے بعد ازواجِ مطہرات سے نکاح کو بھی حرام قرار دیا اِس لئے کہ یہ فعل ایذاء النبی کا سبب ہے اور اِس آیت سے اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح آپ زندگی میں اذیت محسوس کرتے تھے موت کے بعد بھی محسوس فرماتے ہیں۔ تو جو شخص اپنے دین کی حفاظت چاہتا ہے اُس کا فرض ہے کہ وہ کوئی ایسا فعل نہ کرے کہ جو آنحضور کی اذیت کا سبب بن جائے اور دنیا و آخرت میں ٹوٹے میں پڑے۔ ہم خدا سے درخواست کرتے ہیں کہ خدا ہمیں اِس گناہ سے محفوظ رکھے۔ اور جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہ قیامت کے دن ہماری نجات کی دلیل ہو۔ اللہ تعالےٰ ہمیں آنحضور کے زمرے میں داخل رکھے اور اُن کے جھنڈے کے تلے قیامت میں اُٹھائے اور آپ کی حوض سے ہمیں سیراب کرے اور آپ کی شفاعت اور رضا ہمیں حاصل ہو۔ آمین

پانچویں فصل

اس تمام بحث سے مقصود موت کے بعد سُننے اور ادراک کرنے وغیرہ کو ثابت کرنا تھا۔ اب اگر کوئی کہے کہ یہ تمام چیزیں زندگی کے خواص ہیں مرنے کے بعد کیسے پائے جاسکتے ہیں۔ اُس کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم بھی مُردوں کے لئے یہ چیزیں ثابت نہیں کر رہے ہیں بلکہ اُن میں زندگی کے واپس آجانے پر اُن کے لئے یہ چیزیں ثابت کر رہے ہیں یعنی ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ مرنے کے بعد اُن کو زندگی حاصل ہو جاتی ہے اور وہ سنتے ہیں۔ اب زندہ یا روح ہے جبکہ جسم مردہ ہے یا روح اور جسم دونوں ہیں۔ جسم جب مرجائے اور روح اُس میں نہ لوٹے تو وہ نہ سنتا ہے نہ اُس میں احساس رہتا ہے البتہ اگر اُس میں روح لوٹ آئے تو وہ سُنتا ہے۔ نفسِ انسانی مرنے کے بعد باقی رہتا ہے اور اُس کو علم واحساس حاصل ہوتا ہے۔ حضرتِ عائشہ نے بھی جب بدر کے کنوئیں کے مُردوں کے سننے کا انکار کیا تو اُن کے علم کا اقرار کیا۔ لیکن نفس کے باقی رہنے کے معنیٰ اُس کا دائمی بقا نہیں ہے۔ حضرتِ حق تعالےٰ تمام عالَم کے فنا کے وقت اُس کو بھی فنا فرمادینگے پھر اُس کا اعادہ کریں گے۔ مقصد یہ ہے کہ نفس جسم کی موت کے بعد بھی زندہ رہتا ہے۔ پھر جب فنا ہوگا تو قیامت میں زندہ کر دیا جائے گا۔ اِس بارے میں سب کا اتّفاق ہے کہ نفس کو معقولات کا ادراک ہوتا ہے۔ محسوسات مثلاً مسموع کے ادراک کے بارے میں متکلمین میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں نفس ہی براہِ راست ادراک کرتا ہے، بعض کہتے ہیں حواس ادراک کرتے اور وہ نفس تک اُن محسوسات کو پہنچاتے ہیں۔ اِن دونوں قولوں کے مطابق نفس مسموع کا ادراک کرتا ہے۔ بہرحال وہ سنتا ہے۔

اِس کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ رُوح کی حقیقت کو سمجھ لیا جائے اِس میں بہت سی لمبی بحثیں ہیں اور اِس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ روح جسم ہے یا عرض یا دونوں کا مجموعہ وہ جوہرِ فردِ متحیّز ہے یا جوہر فرد غیر متحیّز اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ قرآن پاک میں وارد ہے "اور وہ تجھ سے پوچھتے ہیں روح کو تو کہہ روح ہے میرے رب کے حکم سے اور تم کو خبر دی ہے تھوڑی سی" (بنی اسرائیل۔ ۸۵) علماء اور مفسّرین نے اِس میں بحث کی ہے

کہ اُن کا سوال روحِ انسانی سے متعلق تھا یا روح بمعنیٰ فرشتہ سے۔ صحیح قول یہ ہے کہ یہ سوال روحِ انسانی کے بارے میں تھا۔ اگر سوال روحِ انسانی کے بارے میں تھا تو اُس کی حقیقت کے بارے میں یا اُس کے حادث ہونے کے بارے میں تھا۔ بعض مفسّرین کہتے ہیں کہ سوال اُس کے حادث ہونے کے بارے میں تھا۔ چنانچہ قرآن کا جواب اِسی کو بتاتا ہے۔ جواب میں کہا گیا ہے "تم کہدو کہ وہ امرِ رب ہے" یعنی فعل اللہ ہے جو کہ حادث ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سوال رُوح کی حقیقت کے بارے میں تھا اِن میں یہ اختلاف ہے کہ جواب میں اُس کی حقیقت بتائی گئی ہے یا نہیں۔ بعض کہتے ہیں حقیقت نہیں بتائی گئی اِس لئے کہ اس کی حقیقت سمجھنا انسانی عقل سے بالاتر ہے۔ علمِ انسانی اِس قدر قلیل ہے کہ اُس کا ذہن اُس کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں اُس کی حقیقت بتائی گئی ہے اور کہہ دیا گیا ہے کہ وہ امرِ رب ہے یعنی وہ عالمِ امر کی چیز ہے۔ عالم دو مانے گئے ہیں۔ ایک عالمِ اَمر ہے اور ایک عالمِ خلق ہے۔ اِس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے "سن لو اسی کا کام ہے بنانا اور حکم فرمانا" (الاعراف۔ ۵۴) عالمِ امر میں وہ اشیاء داخل ہیں جو کلمۂ کُن سے پیدا کی گئی ہیں۔ قرآنِ پاک میں ہے "اُس کا حکم یہی ہے جب چاہے کسی چیز کو کہ کہے اس کو ہو وہ ہو جائے" (یٰسٓ۔ ۸۲) عالمِ امر اور عالمِ خلق کی زیادہ تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جواب میں کہا گیا ہے کہ روح اُمرِ رب میں سے ہے۔ اُمرِ رب سے مراد شرع ہے تو جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تم شرع میں داخل ہو جاؤ، کتاب و سنّت پر عمل کرو روح کی حقیقت منکشف ہو جائے گی۔ جو لوگ روح کو جوہر و جسم قرار دیتے ہیں تو اُن کے نزدیک لامحالہ وہ زندگی کے ساتھ متّصف ہے۔ روح کو عرض کہنا تو عقل سے بعید ہے۔ فلاسفہ روح کو جوہرِ مجرد متحیّز مانتے ہیں۔

امام غزالی نے "اِحیاء العلوم" میں روح کے بارے میں کہا ہے۔ وہ ایک رَبّانی لطیفہ ہے اور وہی انسان کی حقیقت ہے اور یہ مُدرِک، عالِم اور عارف ہے اور وہی خدا کے احکام کی مخاطب ہے اور اس کو جسمانی قلب سے ایک خاص علاقہ ہے۔ اِسی لطیفۂ رَبّانی کو روح، نفس، قلب، عقل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ نہ روحِ جسمانی ہے، نہ نفسِ شہوانی، نہ قلبِ صنوبری۔

اطبّاء اس پر متّفق ہیں کہ رُوحیں تین[۳] ہیں۔ روحِ[۱] طبعی وہ ایک لطیف جسم ہے جس کا مرکز جگر ہے پھر تمام جسم میں پھیل جاتی ہے۔ روحِ[۲] حیوانی وہ ایک لطیف جسم ہے اور اُس کا مخزن قلب ہے۔ پھر سارے جسم میں پھیل جاتی ہے اور وہ قوّتِ حیات کی حامل ہے۔ روحِ[۳] نفسانی وہ ایک لطیف جسم ہے جس کا مرکز دماغ ہے۔ پھر سارے جسم میں پھیل جاتی ہے۔ اِس کا عمل حِس و حرکت ہے۔ اطبّاء نے نفسِ ناطقہ کا جو انسان کے ساتھ ہے ذکر نہیں کیا جو ہمارا اصلِ مقصود ہے۔ وہ فلاسفہ جو نفسِ ناطقہ کے قائل ہیں اور اُس کو جوہرِ مجرّد مانتے ہیں وہ اُس کو زندہ، عالم، متکلّم، سمیع، بصیر، قادر، ارادہ کنندہ مانتے ہیں لیکن اُس کو ممکن الوجود موجود بایجاد اللہ تعالےٰ، حادث اور مخلوق کہتے ہیں اور وہ ہر اُس چیز کو مخلوق کہتے ہیں جو ناپ تول اور اندازے میں آسکے اور اسی کو عالمِ خلق کہتے ہیں اور عالمِ امر اُن موجودات کو کہتے ہیں جو حِس، خیال، جہت، مکان، حیّز سے خارج ہیں اور وہ ناپ تول اور اندازے کے ماتحت نہیں آتی ہیں۔ شریعت بظاہر روح کو متحیّز قرار دیتی ہے حدیث میں آیا ہے۔

حضرتِ ابو ہریرہ راوی ہیں کہ حضور نے فرمایا۔ انسان کی موت کے وقت اس کے پاس ملائکہ پہنچتے ہیں۔ اگر وہ نیک ہے تو فرشتے کہتے ہیں۔ اے نفسِ مطمئنّہ نکل آ تو پاک جسم میں تھا۔ قابلِ تعریف ہو کر نکل آ اور راحت و آرام کی بشارت حاصل کرلے۔ رب راضی ہے ناراض نہیں ہے۔ وہ فرشتے برابر یہی کہتے رہتے ہیں حتّٰی کہ وہ نکل آتا ہے۔ پھر وہ اُس کو لے کر آسمانوں پر جاتے ہیں اور اُس کا ہر جگہ استقبال ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ علّیّین میں پہنچ جاتا ہے۔ قرآن نے بھی فرمایا ہے "اے جی چین پکڑلے پھر چل اپنے رب کی طرف تو اُس سے راضی وہ تجھ سے راضی" (الفجر۔ ۲۷۔ ۲۸)

دسواں[۱۰] باب

شفاعت کے بیان میں

ہم شفاعت کا ذکر اِس لئے کر رہے ہیں کہ پہلی حدیث "جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی" میں شفاعت کا ذکر آیا ہے اور ہم اِسی بحث پر کتاب کو

ختم کررہے ہیں تاکہ ہمیں آخرت میں شفاعت نصیب ہو۔ آخرت کی شفاعتوں کے بارے میں مجمل بات یہ ہے کہ اُس کی پانچ قسمیں ہیں جو سب آنحضور کے لئے ثابت ہیں۔ اُن میں بعض ایسی ہیں جو صرف آنحضور کو حاصل ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ اُن میں دوسرے بھی شریک ہیں لیکن اُن میں پہل آنحضور کو حاصل ہوگی۔ عام شفاعت صرف نبی کریم کو حاصل ہے۔ دوسری بعض شفاعتیں جو دوسروں کو بھی حاصل ہیں اُن کی نسبت آنحضور کی طرف بھی کی جاسکتی ہے۔ مطلقًا شافع صرف آنحضور ہیں۔ حدیث "میری شفاعت واجب ہوگئی" میں، شفاعتِ خاصّہ بھی مراد ہوسکتی ہے۔ اور دوسرے اقسام بھی۔ قاضی عیاض وغیرہ نے فرمایا ہے۔ شفاعت کی پانچ قسمیں ہیں۔

پہلی قسم صرف آنحضور کے ساتھ خاص ہے۔ وہ شفاعت وہ ہے جو آنحضور قیامت کے میدان میں کرینگے کہ جلد حساب کردیا جائے اور میدانِ قیامت میں زیادہ ٹھہراؤ نہ ہو اور یہی شفاعتِ عظمیٰ ہے جس کے سب قائل ہیں۔

دوسری قسم شفاعت کی وہ ہے کہ آنحضور ایک قوم کو جنّت میں بغیر حساب کتاب کے داخل کریں گے اور یہ شفاعت بھی نبی کریم کو حاصل ہے۔ حدیث میں ہے "میں کہوں گا۔ اے خدا میری امت میری امّت تو کہا جائے گا۔ اے محمّد جنّت کے داہنے دروازے سے اپنی امّت کے ایسے آدمیوں کو داخل کردو جن پر نہ حساب ہے نہ مواخذہ" ایک حدیث میں ہے۔ "میری امّت میں سے ستّر ہزار بغیر حساب کے جنّت میں داخل ہوں گے"۔ حضرتِ عکاشہ نے عرض کیا۔ حضور دعا کردیجئے میں انہی میں سے ہوں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ کسی نے آنحضور سے سوال کیا۔ وہ ستّر ہزار کون ہوں گے جو بلاحساب جنّت میں داخل ہوں گے۔ آنحضور نے فرمایا۔ کہ "وہ وہ لوگ ہوں گے جو نہ جھاڑ پھونک کراتے ہیں، نہ فال نکالتے ہیں، نہ داغنے کا علاج کراتے ہیں، صرف خدا پر بھروسہ کرتے ہیں"۔ ایک دوسری حدیث میں ہے۔ آنحضور نے ارشاد فرمایا "میرے سامنے اُمّتیں لائی گئیں میں نے دیکھا کوئی نبی ہے اور اُس کے ساتھ ایک قبیلہ ہے کوئی نبی ہے اور اُس کے ساتھ ایک دو آدمی ہیں، کوئی نبی ہے اور اُس کے ساتھ کوئی بھی نہیں ہے۔ پھر ایک بڑا مجمع سامنے آیا تو میں نے تمنّا کی کاش یہ میری اُمت ہو تو کہا گیا یہ موسیٰ اور اُن کی اُمّت ہے۔ پھر مجھ سے کہا گیا۔ اُفق پر نظر ڈالو تو میں نے دیکھا ایک بڑا مجمع ہے۔ پھر کہا

گیا دوسرے اُفق پر نظر ڈالو۔ میں نے دیکھا اُس طرف بھی ایک بڑا مجمع ہے۔ پھر مجھ سے کہا گیا یہ تمہاری امت ہے اور اِن کے ساتھ وہ ستّر ہزار بھی ہیں جو بلاحساب کتاب کے جنت میں داخل ہونگے"۔ ایک دوسری حدیث میں ہے "میری امت کی ایک جماعت جنّت میں داخل ہوگی اور اُن کے چہرے چودھویں کے چاند جیسے ہوں گے"۔ ایک حدیث میں ہے "اُن میں کا پہلا حصّہ اُس وقت تک داخل نہ ہوگا جب تک کہ آخری حصہ داخل نہ ہوجائے"۔ یعنی جنّت کا وہ دروازہ اتنا وسیع ہوگا کہ سارا مجمع بیک وقت داخل ہوسکے گا۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ یہ زُمرہ بغیر حساب کے جنّت میں داخل ہوگا اور اُن کے وہ صفات ہونگے جو حدیث میں مذکور ہیں لیکن اُن کا جنّت میں داخلہ آنحضور کی شفاعت پر موقوف ہوگا۔ اب یہ بحث ہے کہ کوئی شخص جو اِن صفات سے موصوف ہو آنحضور کی شفاعت سے بغیر حساب کے جنّت میں داخل ہوگا یا نہیں؟ احادیث میں اِس کی کوئی صراحت نہیں ہے لیکن یہ بات واضح ہے کہ یہ ستّر ہزار ہوں گے اور وہ سب اُن صفات سے متّصف ہوں گے۔ اِس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اِن ستّر ہزار کا داخلہ حضور کی مخصوص شفاعت کے ذریعہ ہوگا اور یہی شفاعت جنّت کے کھولنے اور پہلی جماعت کو جنّت میں داخل کرنے سے متعلّق ہوگی اور یہ شفاعت شفاعتِ کبریٰ کے بعد ہوگی تو اِس کو دوسری شفاعت بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور یہ دونوں شفاعتیں حضور کے ساتھ خاص ہیں۔

تیسری شفاعت وہ شفاعت ہے جو اُن لوگوں کے لئے ہوگی جو اپنے کارناموں کی وجہ سے جہنّم کے مستحق ہوچکے ہونگے اور یہ شفاعت پُلصراط قائم ہونے کے بعد اور پہلی دو شفاعتوں کے بعد ہوگی جن کی آنحضور شفاعت کردینگے وہ سَلِّم سَلِّم کہتے ہوئے پُلصراط سے گذر جائیں گے۔ یہ شفاعت صرف آنحضور کے لئے مخصوص ہوگی یا نہیں؟ اِس کی صراحت نہیں ملتی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اِس وقت حضور انبیاء کے امام ہوں گے اور اُن کے لئے بھی شفاعت کرینگے تو اب وہ نبی بھی جن کے لئے شفاعت کرینگے تو گویا وہ شفاعت بھی حضور کی ہی شفاعت ہوگی اور آنحضور شفیع الشفعاء ہونگے۔

چوتھی شفاعت۔ یہ شفاعت اُن لوگوں کے لئے ہوگی جو جہنّم میں داخل ہوچکے ہوں گے۔ احادیث میں صراحت ہے کہ وہ آنحضور کی شفاعت سے جہنّم سے باہر نکالے

جائینگے۔ یہ شفاعت دیگر انبیاء، ملائکہ اور مومنین بھی کرینگے۔ اِن تمام شفاعتوں کے بعد جن کے قلب میں ایمان ہوگا خواہ اور کوئی نیک عمل نہ ہو اُن کو حضرتِ حق تعالٰے خود جہنّم سے نکالیں گے اور آخری شفاعت وہ شفاعت ہے جس کے بارے میں حضور نے ارشاد فرمایا ہے "میری شفاعت گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لئے ہوگی"۔ اور ایک دوسری حدیث میں ہے۔ ہر نبی کی ایک دُعا ضرور مقبول ہوتی ہے میں نے وہ دعا قیامت کے دن کے لئے اپنی اُمّت کی شفاعت کے لئے چھپا رکھی ہے وہ انشاءاللہ اُمّت کو ضرور حاصل ہوگی اور وہ میری امّت کے وہ لوگ ہونگے جن کے پاس نیک عمل بجز توحید کے نہ ہوگا۔ نیز آنحضور نے فرمایا "میرے پاس میرے رب کا ایک قاصد آیا۔ اور اُس نے آکر کہا۔ تمہارے رب نے تمہیں دو باتوں میں سے ایک بات کا اختیار دیا ہے۔ وہ یہ کہ یا تو آدھی امّت بخشوا لو یا شفاعت کرنے کا حق لے لو۔ میں نے کہا میں شفاعت کرنے کا حق لینا پسند کرتا ہوں اِس لئے کہ اِس صورت میں زیادہ گنہگار بخشے جائیں گے۔ تم سمجھتے ہو کہ وہ میری شفاعت نیکوں کے لئے ہوگی، نہیں بلکہ وہ خطاکار گنہگاروں کے لئے ہوگی"۔

پانچویں شفاعت ۔ یہ شفاعت جنّتیوں کے درجات بلند کرنے کے سلسلہ میں ہوگی اِس کو قاضی عیاض نے ذکر کیا ہے۔ لیکن احادیث میں اِس کی تصریح نہیں ملی۔ البتہ عبدالجلیل القصری نے کتاب "شُعَبُ الْاِیْمَان" میں وسیلہ کی بحث میں کہا ہے کہ جنّت میں آنحضور کی حیثیت بلاتمثیل دربارِ خداوندی کے وزیر کی سی ہوگی۔ جنّتیوں کا جو بھی اکرام و اعزاز ہوگا وہ بواسطہ آنحضور کے ہوگا اور یہ حیثیت بھی آنحضور کے ساتھ خاص ہوگی۔

یہ پانچوں شفاعتوں کا ذکر تھا۔ جو شخص بھی ان پر غور کرے گا وہ حضور کی عمومی شفاعت کو سمجھ لے گا اور آنحضور کے بلند مرتبہ تک اُس کی نگاہ پہنچ جائے گی اور اِس پر جتنا غور کرے گا حضور سے عقیدت میں اضافہ ہوگا۔

یَزِیْدُ وَجْهُكَ حُسْنًا   اِذَا مَا زِدْتَهٗ نَظَرًا

تیرے چہرے میں حسن کا اضافہ ہوتا ہے میں جتنا زیادہ اسکو دیکھتا ہوں۔

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنی اِس کتاب کو شفاعت کی احادیث کے ذکر سے خالی نہ چھوڑوں۔ صحیحین میں روایت ہے کہ آنحضور نے فرمایا "میں قیامت میں تمام انسانوں کا سردار

ہوں گا۔ تم سمجھے یہ کس طرح ہوگا؟ اللہ تعالٰے اگلے پچھلوں کو ایک میدان میں جمع کردے گا۔ سورج اِس قدر قریب ہوجائے گا کہ لوگوں کی پریشانی حد سے گذر جائے گی۔ پھر کچھ لوگ دوسرے لوگوں سے کہیں گے۔ دیکھو کیا حالت ہورہی ہے۔ کسی سفارشی کو تلاش کرو جو حضرتِ حق سے سفارش کردے تو کچھ لوگ کہیں گے چلو حضرتِ آدم کے پاس چلیں۔ حضرتِ آدم کے پاس پہنچ کر کہیں گے آپ ہمارے باپ ہیں، آپ ابوالبشر ہیں، اللہ تعالٰے نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح آپ میں پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا انھوں نے آپ کو سجدہ کیا۔ اپنے رب سے ہماری شفاعت کردیجئے۔ کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس مصیبت میں ہیں، کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس حالت پر پہنچ گئے ہیں۔ حضرتِ آدم کہیں گے۔ میرا رب آج جس قدر غضبناک ہے اِس قدر غضبناک نہ کبھی ہوا تھا نہ کبھی ہوگا اور اُس نے مجھے شجرہ سے روکا تھا مجھے تو اپنی پڑی ہے کسی اور کے پاس جاؤ۔ نوح کے پاس جاؤ۔ تو وہ لوگ نوح کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے۔ اے نوح آپ دنیا والوں کے لئے پہلے رسول ہیں۔ اللہ تعالٰے نے آپ کو شکر گزار بندہ کہا ہے اپنے رب سے ہماری شفاعت کردیجئے۔ کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس مصیبت میں ہیں۔ نوح اُن سے کہیں گے۔ میرا رب آج ایسا غضبناک ہے کہ نہ کبھی ہوا تھا نہ کبھی ہوگا۔ مجھے تو ایک دعا کا حق دیا گیا تھا جو میں نے اپنی قوم کی بربادی کے لئے مانگ لی۔ مجھے اپنی جان کی پڑی ہے۔ ابراہیم کے پاس جاؤ تو وہ لوگ ابراہیم کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے آپ اللہ کے نبی ہیں اور اس کے خلیل ہیں اپنے رب سے ہماری شفاعت کردیجئے۔ کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس مصیبت میں ہیں ہماری کیا حالت ہے۔ ابراہیم کہیں گے میرا رب آج ایسا غضبناک ہے کہ نہ کبھی ہوا تھا نہ کبھی ہوگا مجھے اپنی جان کی پڑی ہے۔ موسیٰ کے پاس جاؤ۔ وہ لوگ موسیٰ کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے اے موسیٰ آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ نے آپ کو اپنی رسالتوں کی فضیلت عطا کی ہے اور اللہ آپ سے ہمکلام ہوا ہے اپنے رب سے ہماری شفاعت کردیجئے۔ کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس مصیبت میں ہیں۔ موسیٰ فرمائیں گے۔ میرا رب آج اسقدر غضبناک ہے کہ نہ کبھی پہلے ہوا تھا نہ کبھی ہوگا میں نے ایک ایسے شخص کو مار ڈالا تھا جس کے مارنے کا مجھے حکم نہ ملا تھا مجھے اپنی پڑی ہے عیسیٰ کے پاس جاؤ۔ وہ لوگ عیسیٰ کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے اے

عیسیٰ آپ اللہ کے رسول ہیں آپ نے گہوارے میں لوگوں سے بات چیت کی تھی اور آپ کلمۃ اللہ ہیں جس کو مریم میں ڈالا گیا تھا اور روح اللہ ہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس حالت کو پہنچ گئے ہیں۔ عیسیٰ کہیں گے میرا رب آج اِس قدر غضبناک ہے کہ نہ کبھی ہوا تھا نہ کبھی ہوگا' اُنھوں نے اپنی کسی خطا کا ذکر نہیں کیا۔ مجھے اپنی جان کی پڑی ہے اور کسی کے پاس جاؤ۔ چنانچہ وہ لوگ محمدؐ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے۔ اے محمدؐ آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اللہ تعالےٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کردیئے ہیں کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں ہماری کیا کیفیت ہے۔ تب میں عرش کے نیچے پہنچوں گا اور اپنے رب کے لئے سجدہ میں گر پڑوں گا۔ پھر اللہ مجھ پر ظاہر کردے گا اور میرے دل میں اپنی وہ تعریفیں اور وہ عمدہ ثنا ڈالے گا جو اِس سے پہلے کسی کے لئے ظاہر نہیں ہوئیں۔ پھر کہا جائے گا اے محمدؐ اپنا سر اُٹھاؤ مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی تو میں اپنا سر اُٹھاؤں گا اور کہوں گا اے خدا میری امّت میری امّت تو کہا جائے گا۔ اے محمدؐ جنّت کے داھنے دروازے سے اپنی امّت میں سے اُن لوگوں کو داخل کردو جن سے کوئی حساب نہ لیا جائیگا اور وہ دوسرے دروازوں سے بھی داخل ہوسکتے ہیں۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے جنّت کے دروازے کی چوکھٹ کے دونوں بازوؤں میں اِس قدر فاصلہ ہوگا جتنا مکّہ اور ہجَر کے درمیان یا مکّہ اور بُصریٰ کے درمیان ہے"

حضرتِ انس کی روایت ہے۔ آنخضور نے فرمایا۔ انسانوں کا مجمع ٹھاٹھیں مارے گا پھر لوگ آدم کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے۔ اپنے رب سے ہماری شفاعت کردیجئے وہ کہیں گے میں اِس قابل نہیں ہوں تم ابراہیم کے پاس جاؤ وہ خلیل اللہ ہیں۔ وہ ابراہیم کے پاس پہنچیں گے وہ کہیں گے میں اِس کا اہل نہیں ہوں تم موسیٰ کے پاس جاؤ وہ کلیم اللہ ہیں وہ موسیٰ کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے میں اِس قابل نہیں ہوں تم عیسیٰ کے پاس جاؤ وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں تو وہ عیسیٰ کے پاس جائیں گے وہ کہہ دیں گے کہ میں اِس کا اہل نہیں ہوں ہاں تم محمدؐ کے پاس جاؤ۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ لوگ میرے پاس آئیں گے تو میں چل پڑوں گا اور ربّ العزت کے پاس داخلہ کی اجازت چاہوں گا مجھے اجازت مِل جائے گی۔ میں سامنے کھڑا ہوکر

وہ تعریفیں کروں گا جو اِس وقت مجھے یاد نہیں ہیں۔ اللہ اُسی وقت میرے دل میں ڈالے گا پھر میں اُس کے سامنے سجدے میں گر پڑوں گا تو کہا جائے گا اے محمدؐ اپنا سر اُٹھاؤ اور کہو تمہاری بات سُنی جائے گی۔ مانگو دیا جائے گا۔ شفاعت کرو شفاعت قبول کی جائے گی تو میں کہوں گا میری امت میری امّت تو مجھ سے کہا جائے گا۔ جاؤ جہنّم میں سے ہر اُس شخص کو نکال لو جس کے دل میں گیہوں یا جَو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے تب میں اُن کو نکال لوں گا۔ پھر خدا کے دربار میں حاضر ہوں گا اور وہی تعریفیں شروع کروں گا پھر سجدے میں گروں گا تو مجھ سے کہا جائے گا۔ اے محمدؐ سر اُٹھاؤ۔ کہو سُنا جائیگا، مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو شفاعت قبول کی جائیگی۔ میں کہوں گا اے خدا میری امت میری امّت تو مجھ سے کہا جائے گا۔ جاؤ جہنّم میں سے اُن لوگوں کو نکال لو جن کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہے۔ تو میں اُن کو نکال لوں گا۔ اور پھر دوبارہ میں حاضر ہوں گا اور وہی تعریفیں شروع کردوں گا۔ پھر سجدے میں گر پڑوں گا تو کہا جائے گا۔ اے محمدؐ سر اٹھاؤ اور کہو سنا جائے گا، مانگو دیا جائے گا اور شفاعت کرو شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں کہوں گا۔ اے خدا میری امت میری امّت۔ تو کہا جائے گا جاؤ جس شخص کے دل میں رائی کے چھوٹے سے چھوٹے دانہ کی برابر بھی ایمان ہے اُس کو جہنّم سے نکال لو۔ میں اُن کو بھی جہنّم سے نکال لوں گا۔ پھر چوتھی مرتبہ اللہ کے دربار میں حاضر ہوں گا۔ پھر وہی تعریفیں شروع کردوں گا۔ پھر سجدہ میں گر پڑوں گا تو کہا جائیگا۔ اے محمدؐ سر اُٹھاؤ اور کہو سُنا جائیگا۔ مانگو دیا جائیگا اور شفاعت کرو شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں کہوں گا مجھے اُن کے بارے میں جہنّم سے نکالنے کی اجازت دیجیے جنہوں نے صرف لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا ہے۔ تو کہا جائے گا۔ یہ تمہارا کام نہیں ہے ہاں مجھے اپنی عزّت' اپنی کبریائی اور اپنی بڑائی کی قسم میں اُن لوگوں کو جہنّم سے نکالوں گا جنہوں نے صرف لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا ہوگا"

بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے "تیسری بار شفاعت کا ذکر کرنے کے بعد آنخضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی "شاید کھڑا کرے تجھ کو تیرا رب تعریف کے مقام میں" (بنی اسرائیل ۹) اور فرمایا یہی وہ مقامِ محمود ہے جس کا تمہارے رب نے تمہارے نبی سے وعدہ کیا ہے۔

مسند ابی اعوانہ میں حضرت ابو بکر سے روایت ہے۔ ایک دن آنخضور نے صبح کی نماز

پڑھائی اور بیٹھ گئے۔ جب چاشت کا وقت آیا تو ہنسے اور پھر وہیں تشریف فرما رہے حتّٰی کہ ظہر، عصر اور مغرب کی نماز پڑھائی۔ اِس درمیان میں کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ پھر عشاء کی نماز پڑھائی اور زنان خانہ میں تشریف لے جانے لگے۔ لوگوں نے حضرتِ ابوبکر سے کہا۔ آپ رسول اللہ سے دریافت کیجئے یہ طریقہ خلافِ معمول کیوں اختیار کیا۔ حضرتِ ابوبکر نے دریافت کیا تو فرمایا "ہاں آج مجھ پر وہ حالات پیش کئے گئے جو دنیا اور آخرت میں ہونے والے ہیں پھر اگلے پچھلوں کو ایک میدان میں جمع کر دیا گیا۔ تھوڑی دیر میں لوگ گھبرا گئے اور آدم کے پاس پہنچے اور وہ لوگ پسینہ میں ہونٹوں تک ڈوبے ہوئے تھے۔ انھوں نے آدم سے کہا آپ ابوالبشر ہیں اللہ نے آپ کو برگزیدہ بنایا ہے۔ ہماری سفارش کر دیجئے۔ انھوں نے فرمایا۔ میری بھی وہی حالت ہے جو تمہاری ہے تم باپ کے بعد کے باپ نوح کے پاس جاؤ۔ اور پھر اسی طرح روایت نقل کی جس طرح حضرتِ انس نے نقل کی تھی۔ یہاں تک کہ عیسٰی کے پاس جانے کا ذکر کیا۔ انھوں نے فرمایا۔ یہ بات میرے بس کی نہیں ہے۔ ہاں بنی آدم کے سردار کے پاس جاؤ۔ اِسی روایت میں پھر یہ ہے کہ آنحضور کو جبرئیل دربارِ خداوندی میں لے جائیں گے اور آنحضور وہاں ایک ہفتہ کی بقدر سجدے میں پڑے رہیں گے۔ پھر حضرتِ حق تعالٰے فرمائیں گے۔ اے محمد اپنا سر اُٹھاؤ اور کہو سُنا جائے گا اور شفاعت کرو شفاعت مانی جائیگی۔ حضور اپنا سر اُٹھائینگے جب دیدارِ خداوندی ہوگا تو فوراً سجدے میں گر جائیں گے اور مزید ایک ہفتہ کی بقدر سجدے میں پڑے رہیں گے پھر اللہ تعالٰے فرمائے گا۔ کہو سنا جائے گا۔ شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔ آنحضور پھر سجدے میں گرنا چاہیں گے تو جبرئیل دونوں بازو تھام لیں گے۔ پھر اللہ تعالٰے آپ کے دل میں وہ دعا ڈال دے گا جو آج تک کسی انسان کے دل میں نہیں ڈالی۔ پھر آنحضور فرمائیں گے "اے ربُّ العزّت تو نے مجھے بنی ادم کا سردار بنایا اور اِس پر میں کوئی فخر نہیں کرتا ہوں اور تو نے مجھے وہ آدمی بنایا جو قیامت کے دن زمین پھٹنے پر سب سے پہلے زمین سے اُٹھے گا اور اِس پر بھی میں کوئی فخر نہیں کرتا ہوں۔ حتّٰی کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر اتنا بڑا مجمع آئے گا جو صنعاء اور ایلہ کے درمیان سما سکے۔"

اُس دن آنحضور پر دنیا اور آخرت میں پیش آنے والے جن واقعات کا انکشاف ہوا در اصل

اُن کو خدا ہی جانتا ہے یا وہ شخص جس کو آنحضور نے کچھ بتا دیا ہو۔ احادیث میں اُن کا بہت کم ذکر آیا ہے۔ حذیفہ ابن الیمان اور ابوہریرہ کی ایک روایت مذکور ہے کہ حضور نے اُن سے فرمایا۔ "اللہ تعالٰے لوگوں کو جمع کرے گا۔ مومنین کھڑے ہوں گے اور جنّت اُن کے قریب آجائے گی۔ مجمع حضرتِ آدم کے پاس پہنچے گا اور کہے گا۔ اَبّا جان ہمارے لئے جنّت کھلوا دیجئے وہ کہینگے یہ اختیار میرا نہیں ہے میرے بیٹے ابراہیم کے پاس جاؤ جو خلیل اللہ ہے۔ ابراہیم کہیں گے یہ میرا کام نہیں ہے موسٰی کے پاس جاؤ جن سے اللہ تعالٰے نے کلام کیا ہے۔ وہ لوگ موسٰی کے پاس پہنچیں گے وہ کہیں گے یہ میرا کام نہیں ہے عیسٰی کے پاس جاؤ جو کلمۃ اللہ اور رُوح اللہ ہیں عیسٰی کہیں گے یہ میرے بَس کی بات نہیں ہے۔ پھر وہ لوگ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس جائیں گے۔ وہ کھڑے ہو جائیں گے۔ اُن کو اجازت ملے گی۔ پھر امانت اور رحم پُلصراط کے دائیں بائیں آکر کھڑے ہو جائیں گے تو تمہارا پہلا قافلہ بجلی کی کوند کی طرح پُلصراط سے گذر جائے گا۔ پھر ہوا کے چلنے کی طرح پھر پرند کے اُڑنے اور انسان کے دوڑنے کی طرح لوگ گذریں گے۔ اُن کو اُن کے عمل لے چلیں گے اور تمہارے نبی پُلصراط پر کھڑے ہوئے یا ربِّ سلّم سلّم کہتے ہوں گے۔ یہانتک کہ بندہ کے اعمال اُس کو پُلصراط سے گذارنے سے عاجز آجائیں گے۔

ایک شخص آئے گا وہ چتڑیوں سے گذرے گا اور پُلصراط کے دونوں جانب سرے مُڑی ہوئی لوہے کی سلاخیں لٹکی ہوئی ہوں گی۔ وہ اٹکنے پر مامور ہوں گی کوئی گھسٹتا ہوا بچ جانے والا ہوگا، کوئی زخمی جہنّم میں گرنے والا ہوگا۔

حضرتِ ابوسعید خدری کی روایت ہے آنحضور نے فرمایا "قیامت کے دن اعلان کرنے والا اعلان کرے گا۔ ہر شخص اپنے معبود کے پیچھے چل پڑے۔ جس قدر غیر اللہ کے پُجاری ہونگے وہ جہنّم میں گر جائیں گے صرف وہ رہ جائیں گے جو خدا کے عبادت گذار ہوں گے نیک اور بَد اور کچھ بقایا اہلِ کتاب تو اللہ تعالٰے یہود کو بُلائیں گے اور اُن سے کہا جائے گا۔ تم کس کی عبادت کرتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ ہم خدا کے بیٹے عزیر کی عبادت کرتے تھے۔ اُن سے کہا جائیگا تم جھوٹے ہو۔ خدا کے نہ بیوی ہے نہ بچہ۔ اب تم کیا چاہتے ہو۔ وہ کہیں گے ہم پیاسے

ہیں۔ اے رب ہمیں سیراب کردے تو اُن سے کہا جائے گا گھاٹ پر اُترو اور جہنّم کی طرف اُن کو لے جایا جائے گا اور وہ جہنّم میں گر پڑیں گے۔ پھر نصاریٰ کو بُلایا جائے گا اور اُن سے پوچھا جائے گا۔ تم کس کی عبادت کرتے تھے۔ وہ کہیں گے ہم خدا کے بیٹے عیسیٰ کی عبادت کرتے تھے اُن سے کہہ دیا جائے گا تم جھوٹے ہو۔ خدا کے نہ بیوی ہے نہ بچّہ۔ پھر اُن سے کہا جائے گا تم کیا چاہتے ہو۔ وہ کہیں گے اے خدا ہم پیاسے ہیں ہمیں سیراب کردے تو اُن کو اشارہ کیا جائے گا جاؤ گھاٹ پر اُترو۔ اُن کو جہنّم کی طرف۔ جمع کردیا جائے گا اور وہ جہنّم میں جا گریں گے اب صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جو اللہ کے عبادت گذار تھے۔ خواہ وہ نیک ہوں یا بد، اللہ تعالےٰ اُن پر اپنی تجلّی ڈالے گا اور اُس تجلّی کی تعبیر یہ ہے کہ حضرتِ حق تعالےٰ اپنی "ساق" کھول دیں گے۔ جو مومن مخلص ہونگے اللہ تعالےٰ اُن کو سجدہ کی اجازت دے گا وہ سجدہ کریں گے۔ جو ریاکار مسلمان ہونگے اُن کی کمر ایک تختہ کی طرح بن جائے گی وہ سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن گُدّھی کے بل پیچھے کو گر پڑیں گے۔ پھر پُلصراط قائم کردی جائے گی اور شفاعت کا وقت آجائے گا اور لوگ اَللّٰھم سَلِّم سَلِّم کہیں گے۔ دریافت کیا گیا پُلصراط کیا ہے؟ حضور نے فرمایا۔ پھسلن، جس میں اُچکنے والی چیزیں ہوں گی، آنکڑے ہوں گے، گوکھرو ہوں گے۔ مومنین پلک جھپکنے کی طرح، بجلی کی کوند کی طرح، ہوا کی طرح، پرند کی اُڑان کی طرح، عمدہ گھوڑے کی دوڑ کی طرح، سواریوں کی طرح گذر جائیں گے۔ کچھ سالم نجات پانے والے ہوں گے، کچھ گھرٹ زدہ نجات پانے والے ہوں گے، کچھ زخمی جہنّم میں گر جانے والے ہوں گے۔ جب مومنین نجات پا جائیں گے۔ اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مومنین کے بارے میں تم مومنین سے زیادہ اللہ سے اصرار کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ مومنین اللہ تعالےٰ سے عرض کرینگے اے رب جہنّم میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے اور حج کرتے تھے۔ حضرتِ حق تعالےٰ فرمائیں گے جن کو تم پہچانتے ہو اُن کو جہنّم سے نکال لو۔ اور اللہ تعالےٰ اُن کی صورتوں کو جہنّم پر حرام کردے گا۔ وہ بہت سے ایسے لوگوں کو جہنّم سے نکال لیں گے جو پنڈلیوں تک، گھٹنوں تک جھلس چکے ہوں گے۔ وہ پھر عرض کرینگے اے رب جن کے بارے میں آپ نے اجازت دی تھی اُن کو ہم نے جہنّم سے نکال لیا اب کوئی

جہنّم میں باقی نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ فرمائیں گے اچھا جاؤ اب ایسے لوگوں کو بھی نکال لو جن کے دل میں دینار کے وزن کی خیر ہے۔ پھر وہ بہت سے لوگوں کو نکال لیں گے۔ اللہ تعالےٰ پھر فرمائیں گے۔ جاؤ اُن کو بھی نکال لو جن کے دل میں آدھے دینار کے وزن کی خیر ہے پھر وہ بہت سے لوگوں کو نکال لیں گے۔ پھر حق تعالےٰ فرمائیں گے جاؤ اُن کو بھی نکال لو جن کے دل میں ذرّہ کی برابر خیر ہے۔ وہ عرض کرینگے اب کوئی شخص جہنّم میں باقی نہیں رہا جس کے دل میں خیر ہو۔ اِس پر اللہ تعالےٰ فرمائیں گے۔ نبی شفاعت کر چکے، ملائکہ شفاعت کر چکے، مومنین شفاعت کر چکے۔ اب صرف اَرحَمُ الرّاحِمِین باقی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی مُٹھّی بھر جہنّم سے ایسی قوم کو نکالیں گے جن کے دل میں کوئی خیر نہ ہوگی وہ جل کر کوئلہ بن چکے ہوں گے۔ اللہ تعالےٰ اُن کو آبِ حیات کی نہر میں ڈال دیں گے۔ وہ وہاں سے موتی جیسے بن کر نکلیں گے۔ اُن کی گردنوں پر مُہر لگی ہو گی جس سے جنّتی اُن کو پہچان لیں گے اور کہیں گے کہ یہ اللہ کے آزاد کردہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالےٰ نے جنّت میں بغیر کسی نیک عمل کے داخل کیا ہے۔ اب اللہ تعالےٰ اُن سے فرمائیں گے۔ جنّت میں چلے جاؤ جس چیز پر تمہاری نظر پڑے وہ تمہاری ہے۔ اِس پر وہ کہیں گے۔ اے ربّ العالمین تو نے تو ہمیں وہ کچھ دے دیا جو کسی کو نہیں دیا پھر اللہ فرمائیں گے تمہارے لئے میرے پاس اِس سے بھی بڑھیا چیز ہے۔ اِس پر وہ کہیں گے اے رب اِس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ وہ میری خوشنودی ہے اب میں تم سے کبھی خفا نہ ہوں گا۔

حضرتِ ابو سعید خُدری فرمایا کرتے تھے کہ پُلصراط بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگی۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے۔ اللہ تعالےٰ نے جہنّم پر حرام کردیا ہے کہ وہ چہرے پر سجدے کے نشانوں کو جلائے۔

حضرتِ انس کی روایت ہے آنحضور نے فرمایا۔ "قیامت میں جب لوگ اُٹھائے جائیں گے میں سب سے پہلا شخص ہوں گا، جب مخلوق اللہ تعالےٰ کی جناب میں وفد بنا کر جائے گی۔ میں اُن کا خطیب ہونگا جب لوگ مایوس ہوں گے میں اُن کو خوشخبری دینے والا ہوں گا، حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اولادِ آدم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ

مکرم ہوں گا اور میں فخر نہیں کر رہا ہوں۔"

حضرتِ اُبی ابن کعب کی روایت ہے۔" حضور نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن میں نبیوں کا امام اور خطیب ہوں گا اور سفارشی ہوں گا اور کوئی فخر نہیں ہے۔"

حضرتِ ابو سعید خدری کی روایت ہے۔ آنحضور نے ارشاد فرمایا" میں قیامت کے روز بنی آدم کا سردار ہوں گا اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور کوئی فخر نہیں ہے اور جتنے بھی نبی ہیں حضرتِ آدم اور اُن کے ماسوا میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔"

حضرتِ ابن عباس فرماتے ہیں آنحضور نے فرمایا" میں اللہ کا پیارا ہوں اور کوئی فخر نہیں اور میں حمد کا جھنڈا اُٹھانے والا ہوں گا اور کوئی فخر نہیں۔ میں سب سے پہلا سفارش کرنے والا اور مقبول الشّفاعت ہوں گا اور کوئی فخر نہیں ہے اور میں سب سے پہلے جنّت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا تو جنّت کھُلے گی۔ میں اور میرے ساتھ فقراء مومنین اُس میں داخل ہوں گے۔

حضرتِ انس فرماتے ہیں۔ میں نے آنحضور سے عرض کیا قیامت میں میری شفاعت کر دیجیے گا۔ حضور نے فرمایا۔ ضرور کروں گا۔ میں نے عرض کیا۔ میں آپ کو کہاں تلاش کروں گا۔ آنحضور نے فرمایا۔ سب سے پہلے پُلصراط پر ڈھونڈنا۔ میں نے کہا اگر میں وہاں آپ سے نہ مل سکوں تو فرمایا۔ ترازو کے پاس تلاش کر لینا۔ میں نے کہا اگر وہاں بھی نہ مل سکوں تو فرمایا حوض پر تلاش کر لینا اِن جگہوں پر کہیں نہ کہیں میں ضرور مل جاؤں گا۔

حضرتِ ابو ہریرہ فرماتے ہیں۔ میں نے آنحضور سے عرض کیا۔ قیامت میں آپ کی سفارش سے کون سب سے زیادہ نیک بخت بنے گا۔ حضور نے فرمایا" ابو ہریرہ مجھے یہی خیال تھا کہ سب سے پہلے تم ہی یہ سوال کرو گے چونکہ تم میری بات کے سب سے زیادہ لالچی ہو پھر فرمایا میری شفاعت کی وجہ سے سب سے زیادہ نیک بخت وہ بنے گا جس نے خالص دل سے لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کہا ہوگا۔"

حضرتِ ابو سعید خدری سے روایت ہے۔ آنحضور نے ارشاد فرمایا" مومنین جہنّم سے نجات پا جائیں گے تو وہ جنّت اور دوزخ کے درمیان پُلصراط پر روک دیئے جائیں گے۔ باہمی جو حقوق ایک نے دوسرے کے غصب کیے ہونگے اُن کا بدلہ لیا جائے گا۔ جب اُن سے پاک صاف

ہو جائیں گے تو جنّت میں داخل کیے جائیں گے۔"

حضرتِ انس نے فرمایا آنحضور نے ارشاد فرمایا" جہنّم سے اُس شخص کو بھی نکال لیا جائے گا جس نے لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کہا ہوگا اور اُس کے دل میں جو برابر خیر ہوگی پھر اُس شخص کو نکالا جائے گا جس کے دل میں گیہوں کے دانہ کے وزن کی خیر ہوگی۔ پھر اُس کو نکالا جائے گا جس کے دل میں ذرہ کی برابر خیر ہوگی۔"

حضرتِ انس کہتے ہیں۔ میں نے حضور کو کہتے سُنا جب قیامت ہوگی میں شفاعت کروں گا" اے اللہ اُن کو جنّت میں داخل کر دے جن کے دل میں رائی کے دانہ کی برابر خیر ہو وہ داخل ہو جائیں گے۔ پھر کہوں گا۔ اے اللہ اُن کو بھی داخل کر دے جن کے دل میں تھوڑی سی بھی خیر ہے۔"

حضرتِ عمران ابن حصین روایت کرتے ہیں۔ آنحضور نے فرمایا ایک قوم جہنّم سے شفاعتِ محمدؐ سے نکلے گی اور جنّت میں داخل ہوگی۔

حضرتِ انس سے روایت ہے آنحضور نے اُن سے فرمایا۔ میں سب سے پہلا شخص ہونگا جو جنّت کے بارے میں شفاعت کرے گا اور میں اُمّتیوں کی کثرت میں سب انبیاء سے بڑھا ہوا ہونگا۔

حضرتِ جابر سے روایت ہے۔ قیامت کے روز ہم ایک ٹیلہ پر ہونگے تمام مخلوق کو دیکھتے ہوں گے۔ حضرتِ ابن عمر سے روایت ہے۔ آنحضور اور اُن کی امت ایک ٹیلہ پر چڑھے گی۔

حضرتِ کعب ابنِ مالک سے روایت ہے آنحضور نے ارشاد فرمایا۔ قیامت کے دن سب انسان اُٹھائے جائیں گے تو میں اور میری امّت ایک ٹیلہ پر ہوگی اور اللہ تعالےٰ مجھے ایک سبز جوڑا پہنائیں گے پھر مجھے اجازت ملے گی اور جو کچھ اللہ تعالےٰ چاہے گا میں کہونگا۔ یہی مقام محمود ہے۔ مسلم کی روایت میں اِس پر یہ اضافہ ہے۔ ہر انسان کو خواہ وہ مومن ہوگا یا منافق نُور عطا کیا جائے گا اور پُلصراط پر آنکڑے اور گوکھرو ہوں گے جس کو خدا چاہے گا اُس کو وہ پکڑ لیں گے پھر منافقوں کا نُور بجھ جائے گا اور مومنین نجات پا جائیں گے۔ پہلا قافلہ جو نجات پائے گا اُن کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح ہونگے اور وہ ستر ہزار ہوں گے۔

شفاعت کی احادیث بکثرت ہیں۔ اور تواتر کو بایں معنیٰ پہنچ گئی ہیں کہ اُن میں شفاعت کا ذکر ہے اگرچہ الفاظ مختلف ہیں۔ اُن احادیث میں آنحضور کی تعریفیں اور بڑائیاں اور عمدہ نکتے بیان ہوئے ہیں۔ اُن روایتوں میں سے ایک روایت میں ہے۔

اللہ تعالیٰ میدانِ حشر میں لوگوں کو جمع کرینگے۔ دوسری روایت میں ہے۔ میدانِ حشر میں اللہ تعالےٰ مومنین کو جمع کریں گے۔ بعض علمار کا خیال ہے کہ شفاعت کی درخواست کرنے والے صرف مومنین ہوں گے لہٰذا جس روایت میں "لوگوں" کا لفظ ہے اس سے مراد مومنین ہی ہیں۔ دراصل درخواست کرنے والے صرف مومنین ہوں گے اور اِس کی دو وجہیں ہیں۔

ایک تو یہ کہ مومنین کا ہی انبیار سے ایمان کی وجہ سے گہرا تعلق ہوگا۔ دوسرے یہ کہ شفاعت سے دراصل راحت مومنین ہی کو پہنچے گی اِس لئے کہ فیصلہ کے بعد کفار پر تو مزید سختی شروع ہو جائے گی تو اِس شفاعتِ عظمیٰ کا اصل مقصد مومنین کی راحت رسانی ہوگی۔ اِس شفاعت سے کفّار کو زیادہ فائدہ نہ پہنچے گا۔ اِسی لئے قرآنِ پاک میں ہے۔ پھر کام نہ آوے گی اُن کو سفارش، سفارش کرنے والوں کی۔ (المدثر۔ ۴۸) اور اللہ تعالےٰ نے اُن کا یہ قول بھی نقل کیا ہے وہ کہیں گے۔ پھر کوئی نہیں ہماری سفارش کرنے والا۔ (الشعرار۔ ۱۰۰) بعض علمار کا خیال ہے کہ دونوں جماعتیں انبیار سے شفاعت کی درخواست کریں گی۔ اُن لوگوں کے نزدیک "لوگوں" کا لفظ عام معنیٰ میں مستعمل ہے۔

فصلِ اوّل

لوگوں کا قیامت میں انبیار سے شفاعت کا سوال توسّل کی دلیل ہے

قیامت کے دن لوگوں کا انبیار سے شفاعت کی درخواست کرنا اِس کی کھلی دلیل ہے کہ اُن کے ذریعہ دنیا و آخرت میں توسّل کیا جا سکتا ہے۔ ہر گنہگار اللہ کی طرف اُس شخص کا وسیلہ پکڑتا ہے جو اللہ تعالےٰ سے قریب ہے اور اِس کا کوئی بھی منکر نہیں ہے۔ اِس کی تفصیل ہم استعانت کے باب میں بیان کر چکے ہیں۔ اب اِس معاملہ کو چاہے تشفّع کہا جائے یا توسّل یا استعانت۔ یہ اُس طرح کا تقرب نہیں ہے جو اللہ تعالےٰ سے مشرکین دوسروں کی عبادت کر کے چاہتے ہیں وہ تو

کفر ہے۔ مسلمان جب نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے یا کسی دیگر اللہ کی مقرب شخصیت سے توسّل چاہتے ہیں تو وہ اُن کی پرستش نہیں کرتے ہیں، لہٰذا یہ توسّل اُن کو اللہ کی توحید سے خارج نہیں کرتا ہے اِس لئے کہ نفع اور ضرر رسانی میں اللہ تعالےٰ منفرد ہے اور جب یہ جائز ہے تو ایک مومن یہ کہہ سکتا ہے کہ میں اللہ سے درخواست کرتا ہوں اُس کے نبی کے وسیلہ سے، اِس میں کوئی شرک نہیں اِس لئے کہ وہ تو اللہ سے سوال کر رہا ہے نہ کہ غیر اللہ سے۔

فصلِ دوم

لوگوں نے حشر میں شفاعت کی درخواست آنحضور سے سب سے بعد میں کیوں کی

قیامت کے میدان میں لوگوں کو الہام ہوا کہ ابتدائً حضرتِ آدم سے شفاعت کی درخواست کریں۔ پھر دیگر انبیار سے پھر آنحضور سے۔ ابتدائً لوگوں کے دل میں یہ کیوں الہام نہ ہوا کہ وہ آنحضور سے ہی ابتدائً شفاعت کی درخواست کریں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ابتدائً آنحضور سے ہی سوال کیا جاتا اور آنحضور یہ شفاعتِ کبریٰ کر دیتے تو یہ احتمال باقی رہتا کہ ہو سکتا تھا کہ اگر دوسرے انبیار سے سوال کیا جاتا تو اُن میں سے کوئی یہ شفاعت کر دیتا اور اِس صورت میں اِس شفاعت کی آنحضور کے ساتھ خصوصیت واضح نہ ہوتی۔ اب جبکہ دوسرے انبیار سے سوال کیا گیا اور اُنھوں نے اپنا عجز ظاہر کر دیا تو واضح ہو گیا کہ یہ مقام صرف آنحضور کو حاصل تھا اور اِس اعتبار سے آنحضور کی تمام انبیار اور ملائکہ وغیرہ پر فوقیت اور فضیلت ثابت ہو گئی اور ثابت ہو گیا کہ اِس مقام کا صاحب سید الامم ہی ہے۔ لہٰذا ایسی شخصیت کی زیارت کے لئے قدم ہی سے نہیں سَر کے بل جانا چاہیئے۔

فصلِ سوم

انبیار کی عصمت کا بیان

انبیار نے شفاعت سے معذرت کرتے وقت جن باتوں کا ذکر کیا ہے اُن کے بارے میں قاضی عیاض نے فرمایا کہ حضرتِ آدم نے بھول کر شجرہ کے کھانے کا ذکر کیا۔ نوح علیہ السلام

نے فرمایا میں نے قوم کو بد دعا مُیدی۔ حضرتِ موسیٰ نے ایک کافر کے قتل کا عذر کیا جس کے قتل کا اُن کو حکم نہ تھا اور یہ بھی نبوّت سے پہلے کا قصّہ ہے۔ حضرتِ ابراہیم نے کفار کی مدافعت میں جو کلام بطور تعریض بولا تھا جس میں وہ ایک اعتبار سے سچّے تھے بطور عذر کے پیش کیا۔ یہ انبیاء کے اعذار کوئی گناہ نہ تھے وہ اِن باتوں سے محض اِس لئے ڈرے کہ یہ باتیں اللہ تعالےٰ کے حکم سے نہ کی تھیں۔ اور بعض انبیاء پر اُن کے بلند مرتبہ کی وجہ سے عتاب بھی ہوا تھا۔ اب اگر اِن باتوں کے علاوہ اور عذر ہوتا تو انبیاء اُس کو ذکر کرتے، تو معلوم ہوا کہ وہ سب گناہوں سے معصوم تھے اور جس طرح وہ کبیرہ گناہوں سے معصوم تھے اِسی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی معصوم تھے۔ انبیاء کی عصمت صغیرہ گناہوں سے اگرچہ خوارج اور معتزلہ بھی مانتے ہیں لیکن وہ اِس اعتبار سے مانتے ہیں کہ وہ صغیرہ گناہ کے مرتکب کو بھی کافر قرار دیتے ہیں اور یہ اہلِ سنّت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ خدا ہمیں اِس عقیدہ سے بچائے۔

فصلِ چہارم
آنحضور کی شفاعت کی تفصیل

قیامت کے احوال اور شفاعت کے سلسلہ میں حضرتِ ابو ہریرہ کی ایک طویل حدیث ہے جس میں آنحضور نے ارشاد فرمایا۔ حشر کے میدان میں لوگ ننگے سَر ننگے بدن بغیر ختنہ شدہ چالیس سال تک کھڑے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ اُن کی طرف نظر بھی نہ فرمائے گا اور نہ کوئی فیصلہ فرمائے گا۔ لوگ روئیں گے حتّٰی کہ آنسو خشک ہو جائیں گے پھر خون کے آنسو بہائینگے، پسینہ میں ڈوب جائیں گے تو شور کریں گے اور کہیں گے۔ کون ہے جو ہمارے رب سے ہماری سفارش کردے اور وہ ہمارا فیصلہ کردے۔ پھر وہ آدم کے پاس پہنچیں گے اور اُن سے شفاعت کی درخواست کریں گے وہ انکار کردیں گے۔ پھر ایک ایک کر کے انبیاء کے پاس پہنچیں گے وہ بھی انکار کردیں گے۔ آنحضور نے ارشاد فرمایا۔ پھر وہ میرے پاس پہنچیں گے میں عرش کے سامنے سجدہ میں گر جاؤں گا تو اللہ تعالےٰ میرے پاس ایک فرشتہ بھیجیں گے

جو میرے بازو پکڑ کر سجدہ سے اُٹھائے گا۔ جب وہ مجھے اُٹھائے گا تو کہے گا۔ اے محمدؐ کیا بات ہے۔ حالانکہ وہ سب کچھ جانتا ہوگا۔ پھر میں کہوں گا۔ اے رب آپ نے مجھ سے میری شفاعت قبول کرنے کا وعدہ کیا تھا اب لوگوں کے بارے میں میری شفاعت قبول کیجئے اور اُن کا فیصلہ کردیجئے۔ حضرتِ حق فرمائیں گے میں نے تمہاری شفاعت قبول کرلی۔ میں تمہارے پاس پہنچتا ہوں اور تمہارا فیصلہ کروں گا۔ آنحضور نے فرمایا میں لوٹ کر مجمع میں آجاؤں گا۔ ہم کھڑے ہوئے ہونگے کہ آسمان سے ایک سخت آواز سُنائی دے گی جو ہمیں خوفزدہ کردے گی۔ اب دنیا کے آسمان والے اِس مجمع سے دُوگنے آجائیں گے۔ پھر یہ پورا مجمع اور دُوگنا کردیا جائے گا۔ پھر حضرتِ حق تعالےٰ اپنا عرش زمین کے جس حصّہ پر چاہیں گے بچھا دینگے۔ پھر اللہ تعالےٰ جن وانس کے علاوہ اور مخلوق کا فیصلہ کردینگے پھر جن وانس کا فیصلہ کرینگے اور سب سے پہلے خونِ ناحق کا فیصلہ کرینگے۔ اِسی روایت میں اِس کے بعد ہے۔ جب کسی کا حق کسی کے ذمّہ باقی نہ رہے گا تو اعلان کرنے والا اعلان کرے گا۔ ہر قوم اپنے اپنے خدا کے پاس پہنچ جائے اور ایک فرشتہ حضرتِ عیسٰی کی صورت میں کردیا جائے گا تو نصاریٰ اُس کے پیچھے چل پڑیں گے اور اِسی روایت میں ہے کہ اب مومنین باقی رہ جائیں گے جن میں منافقین بھی ہوں گے اور اِسی روایت میں اِس کے بعد ہے کہ پُلصراط قائم کردی جائے گی تو لوگ اُس پر سے گذریں گے۔ جب اہلِ جنّت جنّت کے پاس پہنچ جائیں گے تو آپس میں کہیں گے۔ کون ہے جو ہمارے رب سے شفاعت کردے تاکہ وہ ہمیں جنّت میں داخل کردے۔ لوگ آدم کے پاس پہنچیں گے وہ کہیں گے نوح کے پاس جاؤ۔ پھر لوگ ابراہیم کے پاس پھر موسیٰ کے پاس پھر عیسٰی کے پاس جائیں گے۔ آنحضور نے فرمایا پھر میرے پاس آئیں گے اور میں اللہ تعالےٰ سے تین بار شفاعت کروں گا۔ میں جنّت کے دروازے پر پہنچوں گا حلقہ کھٹکھٹاؤں گا تو جنّت کھُل جائے گی اور مجھے خوش آمدید کہا جائیگا۔ جب میں جنّت میں داخل ہوجاؤں گا تو سجدے میں گر پڑوں گا یہاں تک کہ میں تین مرتبہ کہوں گا "اے رب آپ نے شفاعت قبول کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اہلِ جنّت کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمایئے" حضرتِ حق فرمائیں گے میں نے تمہاری شفاعت قبول کرلی اور جنّت میں داخلہ کی اجازت دیدی ہے۔ پھر میں کہوں گا میری اُمّت کے جو لوگ جہنّم میں ہیں

اُن کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمایئے اور میں شفاعت کر کے اُن کو جہنم سے نکالوں گا۔

فصلِ پنجم

آنحضور نے چوتھی بار جن کی شفاعت کی اُنکے بیان میں

اِسی پہلی حدیث میں آیا ہے کہ چوتھی بار میں کہوں گا مجھے اجازت دیجئے اُن لوگوں کے بارے میں بھی جنہوں نے صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا ہے۔ یہ کون لوگ ہوں گے اِس میں مختلف اقوال ہیں بعض علماء کہتے ہیں یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے پاس کوئی نیک عمل نہیں صرف ایمان ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو جہنم سے نکالنے کی اجازت آنحضور کو نہیں ملے گی۔

یہ روایات بتاتی ہیں کہ جہنم سے نکالنے کی اجازت اُن لوگوں کے بارے میں ملے گی جن کے پاس مجرد ایمان کے علاوہ کوئی عمل بھی ہوگا۔ جن لوگوں کے پاس کوئی نیک عمل نہیں صرف ایمان ہوگا اُن کے جہنم سے نکالنے کے خود حضرتِ حق تعالٰے متولی بنیں گے۔ قولِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ بھی ایک عمل ہے تو جن لوگوں کے نکالنے کے خود حضرتِ حق متولی بنے ہیں اُن کے بارے میں ہے کہ اُنھوں نے کوئی عملِ خیر نہیں کیا ہوگا تو اِس سے مراد قولِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے علاوہ اور کوئی عمل ہے یا مراد یہ ہے کہ اُن لوگوں نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا تلفظ نہیں کیا تھا بلکہ یہ بھی دل دل میں کہا تھا۔

فصلِ ششم

سلف دُعائیں کرتے تھے کہ اُن کو قیامت میں شفاعت نصیب ہو

قاضی عیاض نے فرمایا شہرت اور تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ سلفِ صالحین حضرتِ حق سے آنحضور کی شفاعت کے حصول کی دعا کرتے تھے اور شفاعت کے حصول کی اُن کو بہت تمنائیں تھیں۔ اِس بنیاد پر اُن لوگوں کی بات ناقابلِ توجہ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ آنحضور کی شفاعت صرف گنہگاروں کے لئے ہوگی۔ ہم بتا چکے ہیں کہ شفاعت صرف گنہگاروں کے لئے ہی نہیں بلکہ تخفیفِ حساب اور درجات کی بلندی کی شفاعت نیکوں کے لئے بھی ہوگی۔ پھر ہر نیک آدمی

بھی اپنی کوتاہی کا معترف ہوتا ہے۔ اپنے نیک عمل پر بھی اُسے گھمنڈ نہیں ہوتا ہے۔ جو لوگ اِس بنیاد پر شفاعت کی دُعا کے قائل نہیں ہیں کہ شفاعت صرف گنہگاروں کے لئے ہے تو ضروری ہے کہ وہ اپنے لئے مغفرت اور رحمت کی دُعا بھی نہ کریں اِسلئے کہ مغفرت اور رحمت کا تعلق بھی گنہگاروں سے ہوتا ہے۔

فصلِ ہفتم

مقامِ محمود کے بیان میں

قاضی عیاض نے فرمایا۔ امام مسلم نے حضرتِ جابر کی حدیث ذکر کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقامِ محمود یہی ہے کہ آنحضور کی شفاعت سے اللہ تعالٰی گنہگاروں کو جہنم سے نکالیں گے حضرتِ ابو ہریرہؓ حضرتِ ابن عباس، حضرتِ ابن مسعود سے بھی اِس طرح کی روایتیں منقول ہیں حضرتِ ابن عمر کی ایک روایت ہے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مقامِ محمود آنحضور کا محشر میں شفاعت کرنا ہے اور یہی وہ دن ہے جس میں آنحضور کو مقامِ محمود عطا ہوگا۔

حضرتِ حذیفہ کی ایک روایت ہے جس میں محشر کا تذکرہ ہے اور یہ ذکر ہے کہ سب لوگ خاموش ہوں گے۔ بغیر اجازتِ خداوندی کوئی شخص بات نہ کر سکے گا۔ پھر آنحضور کو پکارا جائیگا تو حضور کہیں گے۔ لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ وَالْخَیْرُ فِیْ یَدَیْکَ اور یہی مقامِ محمود ہے۔

حضرتِ کعب ابن مالک کی روایت ہے۔ آنحضور نے فرمایا۔ لوگوں کا حشر ایک ٹیلہ پر ہوگا۔ پھر حضرتِ حق تعالٰے مجھے ایک سبز لباس پہنائیں گے۔ پھر مجھے اجازت ملے گی تو وہ سب کچھ کہونگا جو اللہ تعالٰے مجھ سے کہلائے گا اور یہی مقامِ محمود ہے۔ تمام احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے روز حضرتِ آدم اور اُن سے بعد کے تمام لوگوں کا آنحضور کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونا، جہنم سے لوگوں کو نکالنا، میدانِ حشر میں اللہ تعالٰی کی حمد و ثنا کرنا اور حشر کے دن کی آنحضور کی دیگر خصوصیات سب مقامِ محمود ہیں۔

فصلِ ہشتم

آنحضور کی پانچ خصوصیتیں

آنحضور نے ارشاد فرمایا ہے۔ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ منجملہ اُن پانچ چیزوں کے آنحضور نے شفاعت کا بھی ذکر کیا ہے۔ آنحضور نے یہ بھی فرمایا۔ ہر نبی کی ایک دُعا ایسی ہوتی ہے جو لامحالہ قبول ہوتی ہے۔ وہ دُعا میں نے قیامت کے دن اپنی اُمت کی شفاعت کے لئے محفوظ رکھی ہے۔ یہ شفاعت وہ شفاعت نہیں ہے جو آنحضور کے لئے مخصوص نہیں ہے اِس لئے کہ یہ شفاعت تو دیگر انبیاء بھی کریں گے۔ جو آنحضور کے ساتھ مخصوص ہے وہ شفاعتِ عظمٰی ہے اور وہ، وہ شفاعت ہے جس کے کرنے سے دوسرے انبیاء انکار کر دیں گے اور آنحضور کریں گے وہ جلد حساب کئے جانے اور جلد فیصلے کئے جانے کی شفاعت ہوگی، یا وہ شفاعت ہے جو گنہگاروں کو جہنّم سے نکالنے کی ہوگی۔

خاتمہ

درود شریف کے بیان میں

اب ہم اپنی کتاب کو درود شریف کے بیان پر ختم کرتے ہیں۔ حضرتِ ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمان النمیری نے اپنی کتاب "اَلْاِعْلَامُ بِفَضْلِ الصَّلٰوۃِ عَلَی النَّبِیِّ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ" میں وہ تمام درود جو احادیث میں مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہوئے ہیں جمع کر دیئے ہیں۔ ہم اُن سب کو اپنی کتاب میں نقل کرتے ہیں۔ آنحضور کا ارشاد ہے جس شخص نے مجھ پر درود بھیجا اور کہا۔ اے اللہ محمدؐ کو قیامت کے دن مقرّب مقام اپنے پاس عطا فرما دے، اُس کی شفاعت مجھ پر ضروری ہوگئی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَآلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ وَّبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَآلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَآلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَآلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَآلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِکَ وَبَرَکَاتِکَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا جَعَلْتَھَا عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَآلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی

مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ

اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَآلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَآلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَآلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ اِنَّكَ حَمِيْد مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَآلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَآلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَآلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَآلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

وَارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّآلَ مُحَمَّدٍ كَمَا رَحِمْتَ آلَ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْنَا مَعَهُمْ۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَيْنَا مَعَهُمْ صَلٰوةُ اللّٰهِ وَصَلَوَاتُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ وَتَحَنَّنْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَحَنَّنْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَآلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَآلِ اِبْرَاهِيْمَ، وَفِيْ رِوَايَةٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اِس کا سوال کہ آنحضور کو قیامت کے دن مقرّب مقام دیا جائے

آنحضور نے ارشاد فرمایا جس شخص نے مجھ پر درود بھیجا اور یہ کہا کہ اے اللہ آنحضور کو قیامت کے دن اپنے پاس مقرّب جگہ عطا فرما اُس کے لئے میری سفارش ثابت ہوگی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ

اپنے کمال سے آپ بلندی پر پہنچے

کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

اپنے جمال سے آپ نے ظلمت دور کی

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ

آپ کی تمام خصلتیں پاکیزہ ہیں

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

درود پڑھو آپ پر اور آپ کی آل پر

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

حضرت شاہ ابوالخیر اکاڈمی کی مطبوعات

۱۔ مقاماتِ خیر (طبع جدید آفسٹ)	۷۵ روپے
۲۔ مقامات اخیار فارسی	۶۰ روپے
۳۔ مقامات خیر (طبع قدیم)	۳۰ روپے
۴۔ القول الجلی فارسی	۳۰ روپے
۵۔ القول الجلی کا مقدمہ واختتام	۳ روپے
۶۔ حضرت مجدد اور ان کے ناقدین	۱۵ روپے
۷۔ سہ رسائل معرفت افزا	۶ روپے
۸۔ وحدۃ الوجود (طبع جدید)	۱۰ روپے
۹۔ ضبط ولادت (طبع جدید)	۱۰ روپے
۱۰۔ زیارتِ خیر الانام	۱۲ روپے
۱۱۔ تاریخ القرآن	۱۵ روپے
۱۲۔ مجموعہ خیر البیان	۱۵ روپے
۱۳۔ علامہ ابن تیمیہ اور ان کے ہم عصر علماء	۱۲ روپے
۱۴۔ بزم خیر از زید در جواب بزم جمشید اردو آفسٹ	۱۲ روپے
۱۵۔ مولانا اسماعیل اور تقویۃ الایمان	۱۰ روپے
۱۶۔ معمولات خیر	۱۰ روپے
۱۷۔ خیر المقال فی مسألۃ اثبات رویت الہلال	۳ روپے

درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر۔ شاہ ابوالخیر مارگ۔ دہلی ۔۶